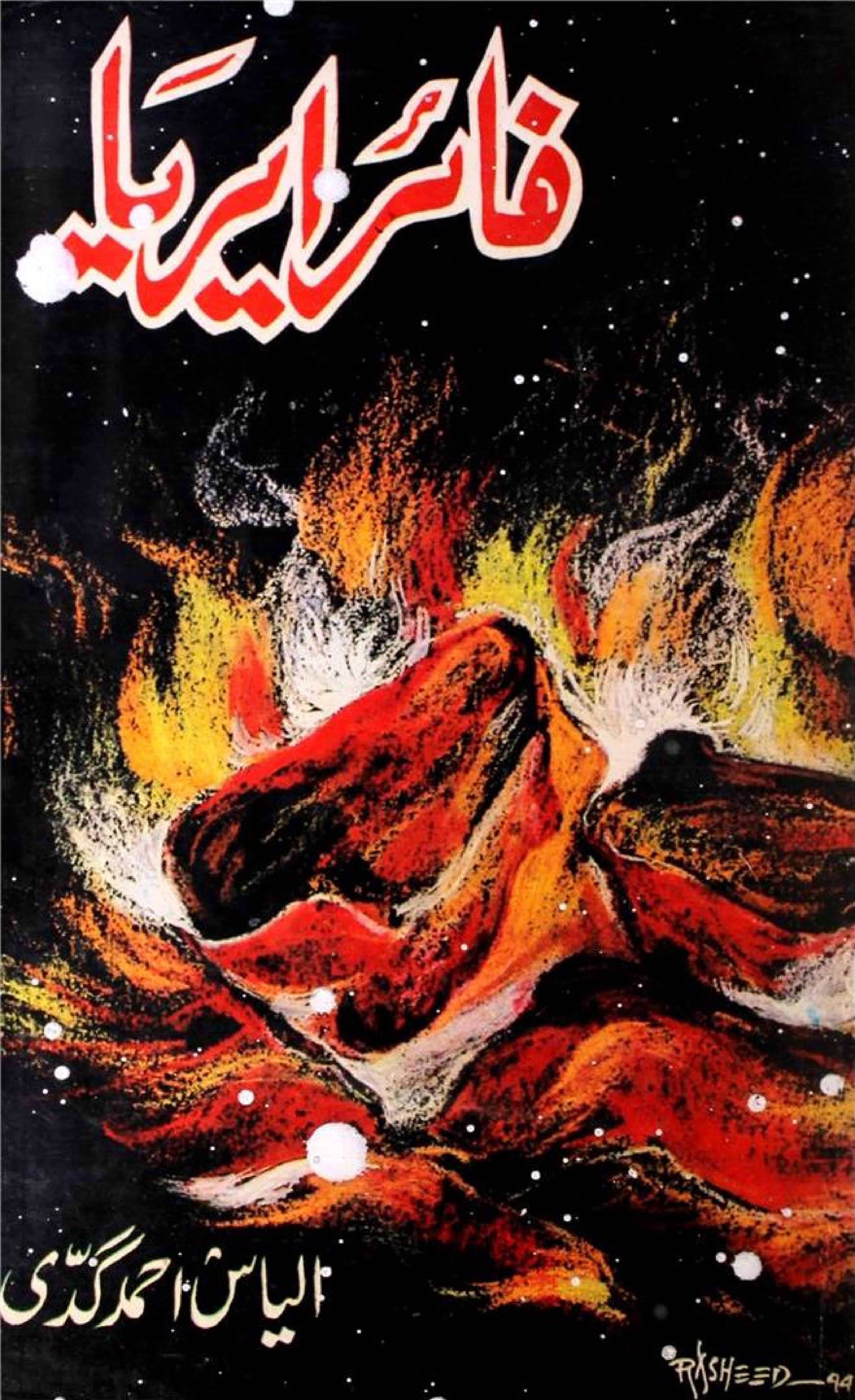
فائر ایریا
الیاس احمد گدی
RASHEED

فائر ایریا

ناول

الیاس احمد گدّی

جملہ حقوق بحق افضال احمد گدی محفوظ

کتاب کا نام ------- فائر ایریا

مصنف ------ الیاس احمد گدی۔ گدی محلہ جھریا ۸۲۸۱۱۱

کتابت ------ عبدالوحید وحدت رقم دھنبادی و محمد سلمان قاسمی

سرورق ------- عطاء اللہ اختر

طباعت ------ عزیز پرنٹنگ پریس۔ دہلی ۶

تعداد ------------ ۶۰۰ (چھ سو)

سنِ اشاعت ------------ ۱۹۹۴ء

قیمت ------ ایک سو پچاس روپے

تقسیم کار

معیار پبلی کیشنز نئی دہلی

اس کتاب کے تمام کردار، واقعات اور مقامات فرضی ہیں۔ اس لیے کوئی بھی مماثلت محض اتفاقیہ ہوگی اور ناقابل تعزیر۔ اس ناول کے جز یا کل کے استعمال کے لیے مصنف کی تحریری اجازت لازمی ہوگی

عطاء اللہ اختر

ابتدائیہ

اگر آپ کبھی کوئلوں کی اس کالی دنیا میں آئیں جسے کولفیلڈ کہا جاتا ہے تو آپ دیکھینگے کہ کہیں کہیں، کسی کسی سڑک کے کنارے ایک بہت چھوٹا سا بورڈ لگا ہوگا۔ "فائر ایریا"

آگ ــ ؟

آپ حیرت سے چاروں طرف دیکھیں گے مگر آگ آپ کو کہیں دکھلائی نہیں دیگی، نہ آگ، نہ دھواں، نہ شعلہ، نہ چنگاری کچھ بھی نہیں، آپ کے دونوں طرف اوبڑ کھابڑ میدان ہوگا جو ین تلسی یا کٹیلے کی جھاڑیوں سے بھرا ہوگا۔ اگر وہ موسم برسات کا یا ٹھنڈ کا ہو تو یہ جھاڑیاں ہری بھری ہوں گی ورنہ زرد اور کتھئی رنگ کی۔ دُور دُور میں مزدوروں کے کوارٹر، کولیری کی چمنیاں اور کوئلے کے بڑے بڑے ڈھیر سب دکھلائی دینگے مگر آگ نہیں۔ آپ لمحہ بھر میں اس بورڈ کو نظرانداز کر دیں گے۔

مگر کیا واقعی آگ نہیں ہے ــ ؟

آگ ہے۔ اور یہیں ہے اندر ہے۔ زمین کے اندر۔ کبھی کبھی پانی گھس جانے سے یا زمین کی پرت کمزور پڑ جانے سے یا شاید اپنی شدت کی وجہ سے زمین کا ایک بہت چھوٹا ٹکڑا اندر دھنس جاتا ہے اور گیس، دھوئیں اور بھاپ کی شکل میں آگ پھوٹ پڑتی ہے۔ تب مائننگ ڈپارٹمنٹ ایکشن میں آتا ہے۔ اس بڑے سوراخ میں جس سے بھاپ خارج ہو رہی ہوتی ہے۔ پانی اور ریت بھری جاتی ہے۔ اس عمل کو اسٹوئنگ کہتے ہیں۔

اسٹوئنگ ایک خاص عمل ہے کوئلے کی کانوں میں۔ جہاں سے کوئلہ نکالا جاتا ہے وہاں خالی جگہوں کو بالو سے بھرنا پڑتا ہے۔ اس لئے قرب وجوار کی ندیوں سے ریت لانے کیلئے ایک الگ محکمہ قائم ہے اس کے علاوہ ہزاروں ٹرک بالو پرائیوٹ ٹھیکیداروں کے ذریعہ لایا

جاتا ہے۔ بالو کی ٹھیکیداری بڑی منافع بخش ہے۔ اس لئے اس کے ٹھیکے کیلئے بڑے بڑے جغادری لوگ یعنی بڑے بڑے مافیا سردار میدان میں اترتے ہیں۔ آج تک سینکڑوں لوگوں کی جان اس ٹھیکیداری کے لئے جا چکی ہے۔ کہتے ہیں ریت کی ٹھیکیداری کا کوٹیشن فارم قلم سے نہیں، رائفل کی نال سے بھرا جاتا ہے۔

بہر حال اس بات کو یہیں چھوڑ دیئے۔ کیونکہ یہ میرے ناول کا موضوع بھی نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ڈر بھی ہے کہ کوئی مافیا سردار ناراض ہو جائے تو میری خیر نہیں۔ کسی دن کوئی لمبا تڑنگا آدمی دھوتی کرتا پہنے اور کاندھے پر یا سر پر سفید سنہری کور کا گمچھا لپیٹے آئے گا اور بولے گا۔ کا بے سار ہمار مالک کے کھلاف لکھت بار ا۔ پھر کمر سے پانچ راؤنڈ نکال کر میرے کمزور جسم میں دو چار گولیاں اتار دے گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اخبار میں بس اتنی خبر آئیگی کہ کسی نامعلوم آدمی نے......

ہاں تو میں آپ کو آگ کے بارے میں بتلا رہا تھا کہ مائننگ ڈپارٹمنٹ جلد ہی اس آگ پر قابو پا لیتا ہے اور بات آئی گئی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے واقعوں پر کوئی دھیان بھی نہیں دیتا۔ کیونکہ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ ایک ہی ساتھ سارے کول فیلڈ کی زمین دھنس جائے اور اندر سُلگتی ہوئی آگ باہر نکل پڑے۔ اس بات کو مائننگ ڈپارٹمنٹ بھی اچھی طرح جانتا ہے اور منیجمنٹ بھی اس لئے سب مطمئن ہیں۔

دیکھنے میں یہ سارا علاقہ ایک بنجر اور چٹیل میدان نظر آتا ہے۔ نہ کھیت نہ کھلیان، نہ ہریالی نہ باغ نہ درخت کہیں کہیں اکا دکا کوئی درخت دور دور پر دکھلائی بھی دیتا ہے تو وہ ببیل یا برگد کا درخت جسکے تنے میں کچا دھاگا لپیٹ کر عورتیں جل چڑھاتی ہیں۔ ان درختوں کی پتیوں پر سیاہ گرد جمی ہوتی ہے۔ بن تلسی کی جھاڑیوں کے سلسلے البتہ یہاں وہاں دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں کہیں شوق سے لگائے گئے امرود کے درختوں پر بھی نظر پڑ جاتی ہے اور بس آنکھیں ہریالی اور سبزہ کی تراوٹ دیکھنے کیلئے ترس جاتی ہیں۔ چاروں طرف کا خشک، بنجر اداس منظر آنکھوں میں چبھنے لگتا ہے۔

کہتے ہیں کبھی یہاں ہرا بھرا گھنا جنگل تھا۔ بے حد گھنا۔ یہ لاکھوں سال پہلے کی بات ہے۔ تب یہاں بہت سے آتش فشاں پہاڑ بھی تھے۔ زمین کے اندر آگ دہک رہی تھی، کھول رہی تھی،

پھر ایسا ہوا کہ آگ اپنے اخراج کے لئے مچلی۔ زمین کانپی، لرزی اور شق ہو گئی۔ آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے یہ آگ لاوا بن کر ابل پڑی۔ سارا جنگل زمین کے اندر سما گیا اور اسے لاوا نے ساری زمین کو ڈھک لیا۔

پھر ہزاروں سال گزر گئے۔ لاوا ٹھنڈا ہو کر چٹان میں تبدیل ہو گیا، اور پلاٹو کہلایا۔

چھوٹا ناگ پور کا پلاٹو۔

لوگ جو ہمیشہ اپنی ازلی بھوک مٹانے کیلئے زمین کی تلاش میں رہتے ہیں ادھر بھی آئے اور کہیں کہیں یا جہاں کہیں نرم مٹی ملی اسے چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں تبدیل کر کے آباد ہونے لگے۔

جو جنگل زمین کے اندر سما گیا تھا وہ اندر کی حدت اور اوپر کے دباؤ سے ایک ٹھوس مادے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہی ٹھوس اور سیاہ پتھر کوئلہ تھا۔

کالا سونا یا بلیک ڈائمنڈ —!

چھوٹا ناگ پور کے تہہ خانے میں یہ کالا سونا کتنے عرصہ سے محفوظ تھا یہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کا پتہ لگایا ان لوگوں نے جنہوں نے دونوں ہاتھوں سے ہندوستان کو لوٹا یہاں تک کہ زیر زمین دولت تک ان کے ہاتھ پہنچ گئے۔

جب انگریزوں نے ہندوستان کے سونے چاندی کے ذخیروں کو جہازوں میں بھر کر یورپ پہنچا دیا۔ پھر کچے مال کی کھیپ کی کھیپ بھیجی شروع کی روئی، غلہ، قیمتی لکڑیاں اور دوسری اشیاء جس سے یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ تب انہیں زیر زمین دولت کی بھی تلاش ہوئی۔ چنانچہ جگہ جگہ کی کھدائی کے بعد پتہ چلا کہ چھوٹا ناگپور کا سطح مرتفع معدنیات کا مخزن ہے۔ زمین کے ذرا ہی اندر پتھروں کی ایک آدھ پرت کے بعد کوئلے کی موٹی پرتیں موجود ہیں یہ پرتیں جسے سیم کہا جاتا ہے۔ کہیں کہیں سیکڑوں فٹ موٹی تھیں۔ یہ بے اندازہ دولت تھی۔ ایک دوسرا بڑا خزانہ، چنانچہ انگریزوں نے ان کوئلوں کے نکالنے کا انتظام کیا چھوٹی چھوٹی کمپنیاں بنائیں۔ ''ایسٹ انڈیا کول کمپنی'' ''ٹرنر موریسن اینڈ کمپنی، بڈ اینڈ کمپنی اور یہ کالا سونا آہستہ آہستہ زمین سے باہر نکالا جانے لگا۔

بنجر زمین کوڑیوں کے بھاؤ بکی اور سونا اگلنے لگی مگر وہ لوگ جو زمین کے مالک تھے،

یا ان زمینوں پر آباد تھے انھیں کچھ نہ ملا سوائے اس شدید مشقت کے جو ان کی روٹی کا واحد ذریعہ بنی۔

زمین جسے بارش کا پانی سیراب کرتا ہے اس کو آدمیوں نے اپنے پسینے سے، اپنے خون سے سینچنا شروع کیا۔ پھاوڑے، گینتے، شاول، ان سب میں بھوکے بدحال لوگوں کے کمزور بازوں کی محنت شامل ہوئی اور انھوں نے زمین کا سینہ شق کر دیا۔ جیرڈالا بھرون کی سلوں کو، اوپر کا burden over ہٹا اور کوئلے کی سیاہ چمکیلی سیم دکھلائی دی۔ اور ان کمپنیوں کی قسمت جاگ اٹھی۔ نوٹوں کی بارش شروع ہوئی۔ مگر صرف کولیری مالکوں کے گھر مزدوروں کو وہی ملا چار روپیہ آٹھ آنہ یومیہ، بتیس روپئے ہفتہ۔ ایک ہفتہ مسلسل مشقت کے بعد ایک مسلسل بھوک۔

یہ سب کون لوگ تھے۔؟ یہ بھوکے ننگے، جانوروں کی طرح زندگی گذارنے والے لوگ، یہ مقامی باشندے بھی تھے۔ اور ایسے بھی جو دور دراز کے علاقوں سے آئے تھے۔ اپنے کھیت، اپنا گھر اپنا علاقہ چھوڑ کر، ان میں بے زمین لوگ بھی تھے۔ چور اچکے بھی تھے۔ اور ایسے معصوم بے ریا اور سیدھے سادے لوگ بھی جنکی معصومیت پر فرشتے رشک کریں۔ یہ سب اس ویران چٹیل میدان کی تپتی دھوپ میں چٹانوں سے نبرد آزمائی کرنے والے لوگ، کون سی چیز انہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔؟ ان تمام لوگوں میں صرف ایک چیز مشترک ہے۔ بھوک۔

بھوک جو ہزار ہا سال سے، یا شاید ازل سے انسان کی سب سے بڑی مجبوری رہی ہے، یہ بھوک جو آدمی کو غیر انسانی مشقت پر آمادہ کرتی ہے اور غیر انسانی سلوک برداشت کرنے پر مجبور۔

ٹرنر موریسن کمپنی کا ایجنٹ وہائٹ صاحب کہتا ہے۔

سالا یہ رول دیکھتا ہے۔ یہ تمہارا پونڈ میں ڈال دے گا۔

لوگ ہنستے ہیں۔ وہائٹ صاحب کی بات پر انہیں غصہ نہیں آتا۔ انہیں معلوم ہے وہائٹ صاحب دل سے گالی نہیں دیتے یہ تو ان کی عادت ہے۔ ان کے جتنا رحم تو شاید ہی کسی کولیری ایجنٹ یا مالک کے دل میں ہو۔ وہ چاہے تو کسی کے منہ میں انگلی ڈال کر اس کے حلق سے نوالہ نکال لے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ صرف گالی بکتا ہے۔ ویسے وہائٹ صاحب بڑا

نرم دل آدمی ہے، کسی کو لیکر اس
کے پاس جاؤ کہ صاحب یہ ہمارا آدمی ہے تو وہ صرف ایک سوال پوچھتا ہے۔

تم اے بی سی کا رہنے والا تو نہیں ہے؟

اے بی سی یعنی آرہ، بلیا، چھپرہ یہ تینوں بہار کے اضلاع ہیں۔ یہاں کے لوگ تیکھے لڑاکو، اور غصہ ور ہوتے ہیں۔ اور یہی بات وہائٹ صاحب کو پسند نہیں۔ وہ ایسا آدمی چاہتے ہیں جو سر اٹھا کر ان کو جواب نہ دے، جو گالی سن کر لال نہ ہو بلکہ ہنس پڑے۔ وہ ڈسپلن کے قائل ہیں۔ چنانچہ مائننگ کے قوانین کی پابندی وہ سختی سے کرتا ہے۔ اگر کوئی لیبر اس سے تجاوز کرتا ہے تو اس کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ ایسے مزدوروں کو ہفتہ بھر کیلئے بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ڈسچارج بھی کر دیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں وہ ایس این ورما کی بات بھی نہیں مانتا۔ حالانکہ ہر سنیچر کو وہ ورما کو چائے پر بلاتا ہے۔ چائے نہیں چلتی، چائے کا تو بس نام ہے۔ رات گئے تک انگلش اور فرانسیسی شراب چلتی ہے ورما بڑا ٹریڈ یونین لیڈر ہے۔ پچاسوں چھوٹی بڑی کولیریوں میں اس کی یونین ہے۔ لاکھوں روپیہ چندہ آتا ہے۔ کولیریوں سے بندھی ہوئی رقم الگ ملتی ہے۔ ٹھیکوں پر کمیشن بندھا ہے۔ چھوٹے چھوٹے سیکڑوں لیڈر آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اس نے غنڈوں کی، جسے یہاں کی زبان میں پہلوان کہا جاتا ہے ایک پوری فوج پال رکھی ہے۔ ایسے آدمیوں کو وہائٹ صاحب ہمیشہ ہاتھ میں رکھتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ورما سے ڈرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں وہ ورما کو ایک بڑی رقم کولیری کے معاملوں میں اپنی زبان بند رکھنے کیلئے دیتے ہیں۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ محض وہائٹ صاحب کی قدردانی ہے۔ جہاں تک قدردانی کا تعلق ہے وہ ورما کے پہلوانوں کے مکھیا اصغر خاں کی بھی بڑی قدر کرتے ہیں۔ لوکس صاحب کو حکم ہے کہ وہ اصغر خاں کا خیال رکھے، چنانچہ اصغر خاں جب بھی آفس کے نزدیک پہنچتا ہے تو خود لوکس اپنے آفس سے نکل کر اس کی جیب میں پچاس روپئے ڈال دیتا ہے۔

کیش ڈپارٹمنٹ میں کام کرنے والا گھوشال بابو روز یہ منظر دیکھتا ہے اور روز ایک گالی دیتا ہے۔

سالا —!

یہ گالی وہ کس کو دیتا ہے یہ بات تقریباً سب جانتے ہیں کیونکہ تقریباً وہ روز ہی یہ بات دہراتا ہے۔

یہ سالا سفید چمڑی والا لوگ اصغر خاں کو روز پچاس روپیہ دیتا ہے دارو پینے کو، یہ اصل میں اس کو تھوڑا تھوڑا مار رہے ہیں۔ تم دیکھنا ایک دن......

اور واقعی بہت دنوں کے بعد ایک دن کولیری آفس کے پاس سے ایک لڑکا چلاتا ہوا گزر گیا۔

اصغر خاں مر گیا"۔

وہائٹ صاحب نے لوکس کو ٹیلی فون کر کے تصدیق کی اور پھر اس نے کرسی کی پشت سے سر لگا کر ایک لمبی اطمینان کی سانس لی۔

تھینکس گاڈ ــــ!

اس رات وہائٹ صاحب نے خوب شراب پی اس کی میم نے اس کو روکنا چاہا تو اس نے میم صاحب کا ہاتھ جھٹک دیا۔

آج کچھ مت بولو آج فتح کا دن ہے۔ خوشی کا دن ہے۔ جس دن ورما مرے گا۔ اس دن میں ساری کولیری کو شراب میں نہلا دوں گا۔

وہائٹ صاحب تو خیر بڑا آدمی ہے۔ بڑی کولیری کا ایجنٹ ہے۔ چھوٹی چھوٹی کولیریوں کے مالک بھی چاہیں تو پورے کول فیلڈ کو شراب میں نہلا سکتے ہیں۔ پیسے کی فراوانی کا وہ عالم ہے کہ خود ان مالکوں کو اچھی طرح نہیں معلوم ہوتا کہ کتنا پیسہ آرہا ہے۔ ایک ایک کولیری مالک، چار چار، پانچ پانچ گاڑیاں رکھتا ہے۔ کئی کئی بنگلے، مکان، شراب اور عیاشی پر روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے۔ مگر اس ساری دولت میں مزدور کا حصہ صرف چار روپیہ آٹھ آنہ یومیہ ہے دن بھر پتھروں سے جوجھنے والے زمین کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں فٹ نیچے اندھیری سرنگوں سے کالا سونا نکالنے والے ادھ ننگے مزدور کہ جب باہر آتے ہیں تو پسینے سے بھیگے ہوئے جسموں پر کوئلے کے ذرات ایسے چپٹے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی نیا آدمی دیکھ لے تو ان کو آدمی ماننے سے انکار کر دے...... سیاہ فام بھوت... صرف آنکھیں اور دانت سفید دکھلائی دیتے ہیں۔ تھکے ہارے ٹوٹے ہوئے یہ لوگ

اپنے دھوڑوں کے آگے ہانڈیوں میں اُبالے چاول کو کبھی دال اور کبھی پیاز کے ساتھ اپنے اندر کے جہنم میں انڈیل لیتے ہیں۔ غیر انسانی مشقت کو قابلِ برداشت بنانے کیلئے شراب پیتے ہیں۔ مہوے کی کچّی شراب یا اسپرٹ کی شراب انہیں اندر اندر نوچتی ہے، کھنبھوڑتی ہے بیمار کر دیتی ہے۔ یہ کھانستے ہیں۔ خون تھوکتے ہیں اور قرض کے لئے سود خوروں کے اس جال میں پھنس جاتے ہیں جو ان کے چاروں طرف تنا ہوتا ہے۔ ہر ہفتہ تنخواہ کی کھڑکی کے سامنے یہ سود خور موت کے فرشتوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جیسے ہی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کے ہاتھ سے نوٹ ایسے جھپٹ لیتے ہیں جیسے چیل بچوں کے ہاتھوں سے دونا اچک لیتی ہے۔

عجیب دنیا ہے یہ۔ مالک دولت سے اندھا ہو رہا ہے۔ لیڈر اپنا حصّہ لیکر عیش کر رہے ہیں۔ ٹھیکے دار منمانی قیمت وصول کر کے لاکھوں میں کھیل رہے ہیں، مائننگ کا عملہ رشوت کے روپیوں سے آسودہ حال ہے۔ صرف مزدور...... بس صرف مزدور ہے جس کو نہ اپنے پسینے کی قیمت ملتی ہے اور نہ اپنے تھوکے ہوئے خون کا معاوضہ۔

زمین کے ہزاروں فٹ نیچے اندھیری سرنگوں میں شدید گرمی ہوتی ہے، حبس ہوتا ہے پسینہ ہر مسام سے بوند بوند نکلتا جسم پر کینچوے کی طرح رینگتا ہے اور کوئلے کی سیاہ دھول اس پسینے پر جمتی جاتی ہے۔ سارے لوگ سیاہ پتھر کے مجسموں کی طرح دکھلائی دینے لگتے ہیں ــــ یہ الگ دنیا ہوتی ہے اندھیرے میں موت گشت کرتی ہے کبھی کہیں چال گر پڑتی ہے، کبھی کول ٹب کا رسہ ٹوٹ جاتا ہے، کبھی زہریلی گیس موت کی نقیب بنجاتی ہے موت کے بعد بھی کوشش کی جاتی ہے کہ لاش ہزاروں ٹن ریت میں، یا کسی بند گپھا میں دفن کر دی جائے تاکہ معاوضے سے بچا جا سکے۔

مگر جب ایسا نہیں ہو پاتا تو بڑا ہنگامہ ہو جاتا ہے۔ مائنس ڈپارٹمنٹ انکواری کمیشن بیٹھتا ہے۔ مقامی پولس بھی دخل در معقولات کرتی ہے۔ یونین کے سارے چھوٹے بڑے لیڈر مزدوروں میں آگ بھڑکانے لگتے ہیں۔ وہ حادثے کا ذمہ دار منیجمنٹ کو ٹھہراتے ہیں۔ دس بیس روز خوب گرما گرمی رہتی ہے۔ پھر اچانک سب ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ انکوائری کمیشن کی رپورٹ بتاتی ہے کہ مزدور اپنی غلطی سے موت کے منہ میں چلا گیا۔ لیڈر چپی سادھ لیتے ہیں۔ مزدور گالیاں بک کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیتے ہیں پھر سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جاتا ہے۔

لیکن کولیری مالک حادثے سے بہت گھبراتے ہیں۔ اس میں ان کی خوب نُچائی ہوتی ہے۔ جو بات ہوتی ہے وہ نوٹ کی گڈیوں کی زبان میں ہوتی ہے۔ انکوائری انسپکٹر۔ پولس۔ لیڈر اور کچھ مزدور کے رشتے دار معاملہ کے سُلجھتے سُلجھتے لاکھوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ کھیرات دن کی پریشانی، دوڑ دھوپ، خوشامد درآمد بڑی فضیحت ہوتی ہے۔ اس لئے مالک اگر کسی چیز سے گھبراتا ہے تو وہ حادثہ سے۔ دوسری چیزوں سے نبٹنے کی طاقت وہ ہمیشہ رکھتے ہیں۔ جس طرح لیڈروں کے پالتو پہلوان ہوتے ہیں اسی طرح مالک بھی لٹھیت رکھتے ہیں۔ مزدوروں اور لٹھیتوں میں جھڑپیں بھی ہوتی ہیں۔ سر پھوٹتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی مارا بھی جاتا ہے مقدمے چلتے ہیں۔ ظاہر ہے پولس اسکا ساتھ دیتی ہے جو اس کا ساتھ دیتا ہے۔

زندہ رہنے کا قرض چکاتے، یہ مزدور چاروں طرف جوجھتے ہیں، مالک، یونین، ٹھیکیدار، سود خور، چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں یہ لوگ، یہ سو دو سو نہیں ہیں، ہزار دس ہزار بھی نہیں ہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ مگر مختلف کولیریوں میں، مختلف ذاتوں میں، مختلف ٹریڈ یونینوں میں بنٹے ہوئے ہیں۔ مینجمنٹ جانتا ہے کہ یہ کبھی ایک نہیں ہو پائیں گے۔ جیسے وہ جانتا ہے کہ اندر کی آگ کبھی ایک ساتھ کول فیلڈ میں نہیں پھٹ سکتی۔ اور اسکو چھوٹی چھوٹی آگوں پر اسٹوئنگ کر کے قابو پانے کا فن خوب آتا ہے۔

O

پہلا حصّہ

جس صبح اس نے اپنا گاؤں چھوڑا تھا وہ صبح اسکو بہت دن تک یاد رہی تھی، تب ابھی گاؤں سویا پڑا تھا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ اجالا یا سفید دھند لکا پھوار کی طرح اندھیرے پر گر رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ رات کی تاریکی چھٹتی جا رہی تھی۔ گو آسمان سے آخری مہینوں کا چاند ابھی رخصت نہ ہوا تھا اور چھوٹے بڑے انگنت تاروں کی چمک ابھی ماند نہ پڑی تھی، درختوں پر ابھی پرندوں نے شور مچانا شروع بھی نہ کیا تھا حالانکہ شاید ابھی رات باقی تھی مگر صبح کا سرد، دھندلا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ ننکو کیساتھ گھر سے باہر آیا تھا، سمینٹ کے بورے میں چاول اور ٹین کے بکس میں اسکے کپڑے تھے، گھر کے افراد بھائی بھاوج اور اسکا کھلونا لڈو۔۔۔ ہاں لڈو پتہ نہیں اتنا سویرے کیسے جاگ گیا تھا۔ سب کے سب اسکے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔ اس نے بھائی اور بھاوج کے پاؤں چھوئے تھے۔ یا پھر شاید اس زمین کے پاؤں چھوئے تھے، جسکی سوندھی مہک اسکے دماغ میں، اسکے من میں بسی ہوئی تھی۔

اسکا بھائی بھاری گلے سے ننکو سے بولا تھا۔ ننکو بھائی ذرا خیال رکھنا اسکو نوکری دلا دینا!

تم فکر نہ کرو۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے اسکے کام کا کیا سوچنا،

پر ننکو بھائی ۔۔۔ اسکے بھائی نے ننکو کا بازو پکڑ لیا تھا۔ پردیس کا معاملہ ہے، الھڑ لڑکا ہے اونچ نیچ تو اب تم ہی سنبھالو گے۔!

آگے جیسے اسکی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اس نے بھی آنسوؤں کی یلغار سے بچنے کیلئے منہ دوسری طرف گھما لیا تھا۔

اپنے دروازے سے دو میل پیدل چلنا تھا تب پکی سڑک ملتی اور تب وہ پٹرول سے چلنے والی کھٹارا بس جس پر پہلے سے آدمی ایسے لٹکے ہوتے جیسے گڑ کی بھیلی کیساتھ مکھیاں چمٹی رہتی ہیں، دو میل کا یہ پہلا سفر بھی اس کو بہت دنوں تک یاد رہا تھا، گاؤں کے بیچوں بیچ وشال برگد پیڑ کے پاس وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس پیڑ کے نیچے گاؤں والوں کا بچپن گذر رہا ہے، آج سے سینکڑوں برسوں سے، پتہ نہیں کس زمانے سے لڑکوں کا جھنڈ اسکے نیچے جمع ہوتا آیا ہے، گلی ڈنڈا کے گڈھے زمین پر ہمہ وقت دکھلائی پڑتے ہیں۔ اس پر رکھکر گلی اچھالی جاتی ہے پھر اسی اچھال پر ڈنڈے کی زوردار چوٹ پڑتی ہے۔ گلی فضا میں تیر جاتی ہے۔ ساتھ ہی لڑکوں کی مسرت بھری

تیخ گونج اٹھتی ہے۔ ادمی...... تاڑی..

گلی ڈنڈے کا موسم نہیں ہوتا تو لٹو کا کھیل ہوتا ہے اور جب اسکا بھی وقت نکل جاتا ہے تو کوئی دوسرا کھیل، بچوں کے پیروں سے کچل کر دور دور تک ہری بھری گھاس غائب ہو گئی ہے اور جتنی دور تک لڑکوں کا ہڑ کمپ مچتا ہے، اتنی دور تک صفاچٹ میدان ہے۔

رات کو عموماً بڑے لڑکے یا نوجوان جمع ہوتے ہیں، چھوڑ کھیلتے ہیں، کبڈی کے مقابلے ہوتے ہیں مگر زیادہ تر گپ بازی چلتی ہے، دنیا جہان کی باتیں، شہروں کے قصے، حسین لڑکیوں کے تذکرے، معاشقوں کے احوال کافی رات تک یہ ویران اکیلا درخت آباد رہتا ہے۔ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے نے جیسے آج اسکے پاؤں تھام لئے تھے۔

مت جاؤ......!

اس لمحہ بھر توقف کیا زمین سے اپنے پاؤں چھڑائے اور ننکو کیساتھ قدم ملا کر چلنے لگا۔

آج کتنی چیزیں اسکو روک رہی تھی، کھیت، کھیت کی کیاریوں پر ہری بھری گھاس اور اس گھاس پر جگمگاتے ہیرے کے ٹکڑے اور ہوا میں رچی ہوئی سبزہ کی خوشبو، ـــ ہاں سبزہ کی اپنی ایک خوشبو ہوتی ہے، گھاس کی، جھاڑیوں کی، درختوں کی پتیوں کی ایک ایسی خوشبو جو اگر چھٹ جائے تو زمانے تک، برس ہا برس تک دماغ میں بسی رہتی ہے، خاص طور پر اسوقت جب اس میں کسی لڑکی کی خوشبو بھی شامل ہو۔

ایسی ہی خوشبو جلیبا کے گھر کی باہری دیوار سے بھی آتی ہے مٹی کی کچی دیوار پر گھاس اُگ آئی ہے، دیوار کی دوسری طرف چھوٹا سا مچان بنا کر سیم کی بیل چڑھائی گئی ہے۔ اس سبزہ کی خوشبو چاروں طرف پھیلی رہتی ہے...... وہ اس خوشبو سے کتنا واقف ہے، ابھی، اسوقت بھی وہ چاہے تو جلیبا سے مل سکتا ہے بس ایک چھوٹا سا کنکر اسکی چھپر پر پھینکنے کی دیر ہے، چند منٹوں میں وہ دروازہ کھولکر باہر نکل آئیگی، نیند اسی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھیگی اور اس کو برافروختگی سے کہے گی۔

تم کو رات کو نیند نہیں آتی ـ؟

نہیں کئی مہینوں سے نہیں آتی ـ!

تب اپنی بھوجی سے کہو تمہارا بیاہ کر دے۔

تم سے ـ ـ؟

نہیں تو کیا اپنے سے کرے گی"۔؟

دونوں ہنستے ہیں، ایک خاموش محتاط ہنسی جس میں آواز نہیں ہوتی مگر دونوں اسکو سن سکتے ہیں،

وہ جلیا کے گھر کے پاس رکا۔ اس کا سارا گھر پچھلی رات کے خنک دھند لکے میں بے خبر سو رہا تھا کہیں کوئی آواز نہیں تھی کہیں کوئی حرکت، کوئی جاگ نہیں، حالانکہ کل بلی تھی۔ خوب روئی تھی، ماں للوری کی قسم کھائی تھی کہ کبھی شادی نہیں کریگی۔ گھر والے زور ظلم کرینگے تو گردھاری کے کنوئیں میں ڈوب کر جان دیدیگی۔ اس سے بھی وعدہ لیا تھا قسم کھلوائی تھی کہ اسکو بھولیگا نہیں۔ اسکو ہر چھ مہینے میں آنا ہے اور خاص طور پر پھاگن میں تو ضرور آئے ورنہ وہ ہولی نہیں منائیگی۔ اسکی باتوں سے اسکا جی بھر آیا تھا۔ وہ رویا تو نہیں مگر آنسو آنکھوں میں آ آکے لوٹ گئے وہ مرد تھا، رو نہیں سکتا، وہ مرد تھا اسلئے اسکو پردیس کمانے کیلئے نکلنا بھی ضروری تھا۔ یہ بات وہ جانتا تھا اور وہ بھی جانتی تھی یہ ایک خاموش سمجھوتہ ہوتا ہے، اکثر گاؤں کے مرد اور عورت کے بیچ دوری کا یہ احساس انہیں بہت جھلتا ہے دل میں کہیں کھو دینے کا خوف بھی ہوتا ہے اور ہمیشہ کیلئے بچھڑ جانے کا اندیشہ بھی۔

اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا سارا گاؤں ایک بے پناہ سناٹے میں ملفوف تھا۔ اس بے پناہ خاموشی اور سناٹے میں کہیں ایک التجا چھپی تھی۔

مت جاؤ ....!

ننکو نے اسکو حیرانی سے دیکھا۔ تم بار بار رک کیوں جاتے ہو ۔؟

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف پاؤں کا بندھن توڑا اور اسکے ساتھ چلنے لگا۔

پکی سڑک پر جہاں بس ملتی تھی دو اور آدمی ان سے آملے تھے۔ ایک رسول پور کا حمت میاں اور دوسرا ست گانواں کا جگیشر، جگیشر دساد تھا۔ ان کو بھی ننکو کام دلانے لے جا رہا تھا۔

کوئلے کی کالی، سیاہ، اداس دنیا ......!

عجیب دنیا تھی یہ، نہ درخت نہ کھیت تھے، نہ سبزہ تھا اور جو تھا بھی وہ سیاہ دھول سے اٹا پڑا تھا سیاہ مہین دھول جو ہر قدم کیساتھ اڑتی تھی آتی جاتی ٹرکیں اس دھول کو دور دور تک پھیلا دیتیں۔ درختوں کے پتوں پر بن تلسی کی جھاڑیوں پر، آس پاس کے مکانوں کی چھتوں اور دیواروں پر یہ دھول جمی رہتی۔ اور تمام ایک تاریک اور اداس منظر بیگانگی اور سنگدلی کا

اظہار کرتا ملتا۔ کوئلے کے بھٹوں سے اُٹھنے والے دھوئیں سے شام قبل از وقت رات میں تبدیلی ہو جاتی، یہاں تک کہ کولیری میں جلنے والے بلب بھی اس تاریک پس منظر میں دھندلے اور کمزور دکھلائی پڑتے۔ مگر اس کیلئے یہ سب کچھ کوئی معانی نہ رکھتا تھا انہیں کام چاہیئے تھا جو آسانی سے انہیں ملگیا تھا۔ اب وہ بھی ان ہزار ہا افراد میں شامل تھے، جو اپنے جسم کی قوت بجکر زندہ رہنے کی جد وجہد میں مصروف تھے۔ وہ بھی اسی "دھوڑے" میں رہتے تھے، جسمیں ننکو چار دوسرے لوگوں کیساتھ رہ رہا تھا۔ وہی فرش جس پر میلی دری بچھی تھی وہی ڈھبری کی مدھم دھواں اگلتی ہوئی روشنی اور وہی خواب۔۔۔۔۔ پیسہ کمانے کے۔ زمین خریدنے کے اور واپس گاؤں لوٹ جانے کے۔۔۔۔۔۔

رات بھر کے ان رنگین خوابوں کے بعد جب نیند کھلتی تو ساری میں کام پر جانیکی گہما گہمی شروع ہو جاتی، ضروریات سے فارغ ہو کر جلدی جلدی مشترکہ چولہا جلایا جاتا اور مٹی کی ہانڈیوں میں یا المونیم کی سیاہ پڑ گئی دیگچیوں میں بھات بنتا۔ کبھی آلو کا چوکھا، کبھی ٹماٹر کا بھورا اور کبھی صرف پیاز، یہاں آدمی منہ کے سواد کیلئے نہیں کھاتا، صرف پیٹ بھرنے کیلئے کھاتا ہے بس اسلئے کھاتا ہے کہ کھانا ضروری ہے زندہ رہنے کیلئے، کام کرنے کیلئے اور رات کے جھوٹے خوابوں کو سچ بنانے کیلئے۔

کھانا کھا کر لوگ گینتے، بیلچے اور بید کی جھوڑیاں لیکر نکل پڑتے ہیں۔ الگ الگ کوارٹروں سے جسے دھوڑا کہا جاتا ہے، قرب و جوار کی بستیوں میں رہنے والے اپنے گھروں سے۔ لوگ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آنا شروع ہوتے ہیں، چاروں طرف سے بھیڑ آہستہ آہستہ کان کے پاس جمع ہونے لگتی ہے، رات پلہ کے لوگ آہستہ آہستہ باہر آنا شروع ہوتے ہیں۔ حاضری لگتی ہے اور وہ سب قطار میں لگ کر یا چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بنٹ کر زمین کے اندر اتر جاتے ہیں ایک اندھیری سُرنگ انہیں ہڑپ لیتی ہے، ڈھلان فرش پر وہ اترتے جاتے ہیں، نیچے نیچے اور نیچے اندھیرا گہرا، اور گہرا ہوتا جاتا ہے، کچھ دکھلائی نہیں دیتا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، گرمی، حبس، ایک اجنبی تیکھی بو اور جسم کے ہر مسام سے ننھے ننھے قطروں میں پسینہ پھوٹ پڑتا ہے، پھاوڑے چلتے ہیں۔ بید کی ٹوکریوں سے ڈھو کر کوئلہ کول ٹبوں میں لوڈ ہوتا ہے۔ ٹرامران گاڑیوں کو دھکیل کر ہالیج تک پہنچاتے ہیں، جہاں سے انہیں باہر کھینچ لیا جاتا ہے، اس طرح روزمرہ کا وہ کام شروع ہوتا ہے جو انہیں پیٹ کا ایندھن بھی دیتا ہے اور رنگین سنہرے خواب بھی۔

شام کو لوگ باہر آتے ہیں تو ان کا سب کچھ بدل چکا ہوتا ہے۔ ان کے سارے وجود کو سیاہ دھول ڈھانپ چکی ہوئی ہے، صرف آنکھوں کے دیدے اور دانت اس سیاہ پس منظر میں کچھ زیادہ سفید، کچھ زیادہ مضحکہ خیز نظر آتے ہیں۔

کوئلے کی سیاہی میں ڈوبے ان بھوتوں کو نہانا ضروری ہو جاتا ہے چاہے موسم جو بھی ہو، چھوٹے سے پوکھر میں، جو دراصل پوکھر نہیں ہوتا بلکہ پمپ کے ذریعہ کان سے نکالا ہوا پانی جمع ہو گیا ہوتا ہے۔ ایک ساتھ بیس بیس آدمی نہاتے ہیں تھکے ہارے ٹوٹتے ہوئے جسموں کو غسل ایک نئی توانائی بھی بخشتا ہے، اور انہیں آدمی کی جون میں بھی لے آتا ہے، وہ کپڑے پہن کر چائے پان کی دکانوں، مارٹی گوداموں، اور غیر قانونی شراب کی جھونپڑیوں میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ مارٹی اور شراب کی جھونپڑیاں اکثر ویران جگہوں پر ہوتی ہیں۔ اور رات گئے تک آباد رہتی ہیں، ایک ڈھبری باہر جلتی رہتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ دکان کھلی ہوئی ہے اور کاروبار چالو ہے، لوگ آتے رہتے ہیں اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھکر پیتے رہتے ہیں۔ پھر لڑکھڑا کر چلتے، جھومتے جھامتے، بعض اوقات گانا گاتے رات گئے واپس لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ چاروں طرف رات کا ویران سناٹا حاوی ہو جاتا ہے، صرف کان کے پاس زندگی کے کچھ آثار باقی رہ جاتے ہیں، رات بلہ کے ایک آدھ ٹرام گاڑی کو ادھر سے ادھر دھکیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہالیج کی مخصوص گڑگڑاہٹ سنائی دیتی رہتی ہے۔ اور کولیری کے دھندلے بلب شرابیوں کی طرح نیم غنودگی کے عالم میں اونگھتے رہتے ہیں،

مگر ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہیں نہیں جاتے، زیادہ سے زیادہ چائے پی کر یا پان کھا کر واپس اپنے دھوڑوں میں لوٹ آتے ہیں۔ یہ اکثر دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھکر گپیں ہانکتے ہیں، ہنسی مذاق بھی چلتا ہے۔ اور دل آزاری کی باتیں بھی کان کے قصے بھی ہوتے ہیں اور گاؤں کے عجیب و غریب واقعات بھی بیان کئے جاتے ہیں، کامنوں کی جنسی بے راہ روی کی پر لطف منظر کشی بھی ہوتی ہے اور لونڈوں کی ناچ کا تذکرہ بھی چلتا رہتا ہے۔

ننکو کے دھوڑے کے سامنے ایک بڑا سا پتھر رکھا تھا اس پر کپڑا دھویا جاتا تھا اور اسی پر بیٹھکر ننکو نہاتا بھی تھا مسلسل پانی گرتے رہنے سے دور تک گھاس اگ آئی تھی چاروں طرف سیاہ روڑوں اور سیاہ دھول سے بھری جگہ میں گھاس کا یہ چھوٹا سا ہرا ٹکڑا اسکو بہت اچھا لگتا تھا شاید اور لوگوں کو

بالشت بھر آگے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے،۔ اور اتنا بازو تھا۔ سالا جو دیکھتا اسکا نیچے سے ہوا نکل جاتا تھا، ایک بار مار میں چھ آدمی کو اکیلے مار گرایا تھا یہ دھرم پور کولیری کا بات ہے اسکا مالک پر پھول جوشی سالا گجراتی بچہ ایک نمبر حرامی تھا، ہم کو برابر اپنے ساتھ رکھتا تھا، ہم کو بوتل کا عادت وہی لگایا۔ اسکے لئے ہم کیا کیا نہیں کیا۔ روز مار، روز جھگڑا آج یہ زمین دخل کرنا ہے۔ کل وہ گھر خالی کرانا ہے، پرسوں یونین کا پہلوان لوگ سے نبٹنا ہے لیبر میں جو سر اٹھا رہا ہے اس کی پٹائی کرنی ہے۔ تب سالا ہم کو کالا چند بابو بولتا تھا۔ مگر فائدہ کیا ہوا۔؟ بولو کیا فائدہ ہوا؟؟؟ وہی لیبر کا لیبر، سالا سردار بھی نہیں بنا، وہی تئیس روپیہ ہفتہ، سالا ہندوستانی مالک کے یہاں زندگی برباد کیا انگریز کمپنی میں ہوتا تو ضرور ترقی کرتا"!

ترقی تو ہوا تھا کالا چند، مالک کے ساتھ کار میں گھومتا تھا"! کسی نے طنز سے کہا۔

'باتڑا۔ تم لوگ مالک لوگ کو نہیں جانتا کام نکالنا ہوتا ہے تو پاؤں پکڑ لیتا ہے اور جب کام نکل جاتا ہے تو گردن دھر لیتا ہے۔ موقع کا یار ہوتا ہے"!

کوئی آہستہ سے پھسپھسا کے بولا۔

"جس کی بہن اندر اس کا بھائی سکندر"!

کالا چند ایک دم سے تمک گیا۔ کوون بولا؟ کون سالا بولا یہ بات۔

لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے پھر اس کو سمجھانے لگے۔

کہاں کون بولا۔ کوئی تو کچھ نہیں بولا۔

نہیں بولا! ابھی بولا۔ سالا سمجھتا ہے کالا چند نشہ میں ہے۔ کالا چند کو سالا دو چار بوتل میں نشہ ہو جائے گا۔؟ سالا دارو تو کالا چند کیلئے پانی ہے پانی"!

ارے یار تم جھوٹ موٹ گرم ہو رہے ہو کوئی تو کچھ نہیں بولا۔

کالا چند نے تمام لوگوں کو خفگی سے گھور کر دیکھا اور تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا۔

کالا چند بنڈی کی جیب سے بوتل نکال کر دو گھونٹ اور پیتا ہے۔ آگ گلے سے نیچے اتر کر کلیجے کو نوچتی ہے مگر ذہن روشن ہو جاتا ہے، نشے کے ہر جھونک کے ساتھ کوئی منظر آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے ایکدم صاف دیکھتا ہے اسکا مالک پر پھول جوشی اسکے

بھی لگتا ہو کیونکہ رات کا کھانا کھا کر لوگ اسی گھاس کے قطعے پر آ کر بیٹھ جاتے اور دیر رات تک بات چیت چلتی رہتی۔

اس دن بھی سب لوگ وہیں بیٹھے بات چیت میں مصروف تھے، تبھی دو آدمی آ کر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان میں ایک آدمی ناٹے قد اور گٹھے بدن کا اور کم عمر بھی، دوسرا آدمی لانبا دبلا اور ادھیڑ عمر کا تھا۔ ادھیڑ آدمی کبھی توی ہیکل رہا ہوگا اس بات کا اندازہ اس کی چوڑی ہڈیوں کو دیکھ کر ہوتا تھا مگر ابھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم سے سارا گوشت اتر گیا ہو۔ چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں اور چوڑی چھاتی اندر دھنس گئی تھی۔ دونوں شانے جھک گئے تھے اور بازو یوں جھول رہے تھے جیسے ان میں طاقت نہ رہ گئی ہو، رنگ سیاہ تھا جو ممکن ہے کبھی سانولا رہا ہو، آنکھیں بیباک اور غصہ ور تھیں، اسنے سہدیو کی طرف غور سے دیکھا پھر بولا۔

کیا ننکو بھائی ابکی تو بہت اچھا پاٹھا لایا ہے،

ننکو برا مان کر بولا، کتنا پی کر آرہے ہو کالا۔؟

بس دو بوتل۔" اس نے ایک بار پھر سہدیو کو غور سے دیکھا۔ مگر ابھی تو درکا پو جا میں دیر ہے۔

ننکو کے دونوں ساتھی ہنس پڑے مگر ننکو خاموش رہا اس کو یہ بات شاید بری لگی تھی، اس آدمی نے ننکو کی برافروختگی کو بھانپ لیا تھا اس لئے اس کو منانے لگا۔

کیا ننکو بھائی برا مان گیا؟ ہم تو اسلئے بولتا کہ ہم لوگ اپنے گاؤں گھر سے اچھا اچھا لڑکا لوگ کو لا کر یہاں پھنسا دیتا ہے۔ مگر ہم کو کیا ملتا ہے، سو دو سو روپیہ، جو دس بیس دن میں "چھو" ہو جاتا ہے پھر ہاتھ خالی، پھر جاؤ آدمی لاؤ۔ سالا یہ آدمی کا دلالی ہوا کہ نہیں ہوا؟ ہملوگ آدمی بیچتا ہے۔ اپنا ہی گاؤں گھر کا لڑکا لوگ کو بیچتا ہے، بولو بیچتا ہے کہ نہیں؟ ہم یہ سب بہت کیا، مگر کیا فائدہ...... سالا مالک لوگ کسی کا نہیں اسکو ہزار آدمی لا کر دو۔ اس کیلئے اپنا جان لڑا دو جب بھی یہ آنکھ پلٹ لیگا۔ اس کو کچھ نہیں چاہیئے، صرف ٹاکا چاہیئے، ایک کوٹی ٹاکا، سو کوٹی ٹاکا.....

اس نے دو بوتل پینے کی بات کی تھی مگر لگتا تھا جیسے اس نے کچھ زیادہ ہی چڑھا رکھی ہے کیونکہ جیسے جیسے ہوا لگ رہی تھی۔ اس کا نشہ کھلتا جا رہا تھا۔ وہ پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔ بنڈی کی جیب سے بوتل نکالی دو چار گھونٹ ایسے ہی بوتل میں منھ لگا کر پی اور شروع ہو گیا۔

جب ہم ۱۹۴۰ء میں کول فیلڈ میں آیا تھا تو اتنا ہمارا چھاتی تھا۔ اس نے اپنی چھاتی کے

گلاس میں دار دانڈیلتا ہے۔ اور بڑے پیار سے کہتا ہے۔

تم پیسے کی فکر مت کرنا، پیسہ میں پانی کی طرح بہا دوں گا۔ تھانہ ہاتھ میں ہے اسلئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں، بس تم کمار بابو کو اٹھا لو"!

انگریزی شراب کا نشہ بہت کڑا ہوتا ہے، پینے سے بدن میں آگ بھر جاتی ہے۔ چھاتی بالشت بھر اونچی ہو جاتی ہے اتنی طاقت آجاتی ہے بدن میں کہ لگتا ہے کسی آدمی کو ایک گھونسہ مار دو تو پسلیاں چٹخ جائیں۔ کمار بابو تو بس ایک تھپیڑ کا آدمی ہے۔ ایک آدھ بھرپور ہاتھ پڑ جائے تو وہیں ٹیں ہو جائے، بس اس کی آنکھیں...... ان آنکھوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ واقعی عجیب ہیں اس کی آنکھیں زندہ اور روشن، اتنی روشن کہ ان کی طرف دیکھتے رہنا مشکل لگتا ہے، مانو ان میں آگ بھری ہو"!

مالک اسکے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتا ہے۔

تم کو آدمی کتنا چاہیئے۔؟ دس بیس"؟؟

پانچ آدمی"!

بس پانچ آدمی"؟

ہاں صاحب اتنا کافی ہوگا"!

اچھا ٹھیک ہے۔ یہ لو پانچ سو تمہارا اور پانچ سو دارو پینے کا۔ کام ہو جائیگا تو مالا مال کر دوں گا"

پانچ سو کا دارو۔؟ باپ رے! پانچسو کا دارو تو پانچ مہینہ پیئے گا۔

اس نے ہزار روپے کے نوٹ اپنی بنڈی کی جیب میں ڈال لیئے، اب وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ دو نشے میں۔ ایک انگریزی شراب کا نشہ اور دوسرا مالک کا وعدہ، مالا مال کر دوں گا۔

.... مالا مال......

مالک نے اس کو خیر سمجھایا تھا حرامزادے کو اتنا پیٹنا کہ ہفتہ بھر تو چار پائی سے اٹھ نہیں سکے۔

وہ ہی ہی کر کے ہنستا تھا۔ دیکھنے گا سالا کبھی ہمارا کولیری میں گھسنے کا نام نہیں لے گا۔

اس دن سے وہ کمار بابو کے پیچھے لگ گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھی بھی، سب ٹوہ میں لگ گئے کہ کبھی تو وہ اکیلا مل جائے گا۔ کیونکہ کھلے عام اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل تھا۔ سالا دو ٹکے کا آدمی لیڈری کرنے لگا ہے۔ لیبر لوگ میں ایسا گرم بھاشن دیتا ہے۔ مالک کتنا بولا کہ تم پیسہ باندھ لو۔ پانچ سو روپیہ مہینہ، ہزار روپیہ مہینہ، سالا بولا ہم بکنے والا نہیں سالا اس دنیا میں کیا نہیں بکتا، بھگوان بھی بکتا ہے۔ بکتا ہے کہ نہیں بولو۔؟ یہ جو بڑا بڑا پیسہ والا لوگ مندر، مسجد اور دھرم شالہ بنواتا ہے یہ کیا ہے۔؟ یہ سب بھگوان کو خریدتا ہے کہ نہیں۔؟ سالا ضدی آدمی، اس کو معلوم نہیں کہ آدمی جو چیز گھونٹ نہیں سکتا۔ نگل نہیں سکتا اسکو تھوک دیتا ہے۔ اَخ تھو....

اس نے پھر بنڈی کی جیب سے بوتل نکال کر پی۔ آپس میں بات چیت کرتے ننکو اور اسکے ساتھیوں کو ایک نظر دیکھا۔ یہ سالے سب کیچوے ہیں بے ضرر نالیوں میں رینگنے والے، ان کو مالک جب چاہے جوتے کے نیچے مسل سکتا ہے۔ سالا سچ بولتا ہوں تو ننکو کو برا لگتا ہے لگنے دو برا میرا کیا بگاڑ لیگا سالا دلال.....!

اس نے نظر پلٹی اور وہ منظر وہیں سے جڑ گیا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

کئی راتوں کے بعد ایک رات اچانک کمار بابو انہیں مل گیا تھا۔ اکیلا۔ جھریا گیا تھا۔ واپسی میں دیر ہو گئی تھی جلدی پہنچنے کے خیال سے عام راستہ چھوڑ کر گوف ایریا سے پگڈنڈی پکڑ کر آرہا تھا شکار کو بالکل ہانک پر دیکھ کر وہ سب آناً فاناً جمع ہوئے، چیل کی طرح جھپٹا مارا اور کمار بابو کو دبوچ کر لے بھاگے۔

وہ چلاتے رہے۔ تم لوگ کون ہو مزدور ہو، ملکٹا ہو۔ کسی پارٹی کے آدمی ہو، مالک کے پہلوان ہو کون ہو تم...... کہاں لے جا رہے ہو مجھے، میں تمہیں لوگوں کیلئے تو لڑتا ہوں تمہیں لوگوں کیلئے۔

چپ حرامزادے" کسی نے گُدّی پر ایک زوردار گھونسہ جمایا۔

کمار بابو کی آواز دفعتاً رک گئی۔ کئی منٹ تک رکی رہی پھر انھوں نے اچانک چیخنا شروع کر دیا۔

Jhey are Kiddnaping - مجھے بچاؤ.... یہ لوگ مجھے لے جا رہے ہیں

ma

ان لوگوں نے پھر گھونسے برسائے۔ سالا انگریزی بولتا ہے۔ انگریز کا چودا۔!

مگر وہ برابر چیختا رہا۔ اور رات کے اندھیرے میں جو کولیری میں کچھ اور گہرا ہوتا ہے گو اس کی آواز دُور دُور تک بکھرتی پھیلتی، گرجتی اور گونجتی رہی۔ کچھ لوگوں نے سُنا بھی مگر بے مطلب یہاں کون کسی کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتا ہے۔ اس لئے لوگ کمار بابو کو اٹھائے نکلے چلے گئے۔ اور ایک ویران جگہ ایک خالی جھونپڑی میں جہاں پہلے کبھی شراب بکتی تھی لیجا کر پٹک دیا۔

کمار بابو درد سے کراہا۔ پھر دھیرے دھیرے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ ڈر گیا تھا۔

تم لوگ کون ہو۔؟

تمہارے باپ"!

دیکھو مجھے چھوڑ دو۔ ان پونجی پتیوں کے ہاتھ کا ہتھیار مت بنو۔ میں بھی تمہاری طرح غریب آدمی ہوں، میں یہ لڑائی اپنے لئے نہیں لڑ رہا ہوں۔ یہ لڑائی تو......

چُپ کر حرامزادے یہاں بھی بھاشن دینے لگا۔

میں چُپ نہیں رہونگا۔! اس نے پھر اپنا ساہس بٹورا، یہ انگریز کا راج نہیں ہے، پنڈت نہرو......

بات ختم ہونے سے پہلے ایک زوردار لات اس پر پڑی، اور وہ لڑھک گیا، کمزور آدمی تھا کراری چوٹ سے گٹھری کی طرح سمٹ گیا۔

کالا چند آج صبح سے پی رہا تھا۔ ہاں انگریزی پی رہا تھا، اسکے سارے بدن میں آگ بھر گئی تھی، کمار بابو کے چیخنے سے وہ ایکدم برہم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے آناً فاناً اس کی گٹھری پر چھلانگ لگائی اور اپنے چمرخانی جوتوں سمیت اس کے پیٹ پر پڑھ کر گھوم گیا۔

آواز رک گئی۔!

اُمید تھی وہ روے گا، چلائے گا۔ توبہ کرے گا۔ کبھی مزدوروں کو نہ بھڑکانے کا یقین دلائے گا۔ مگر ایسا کچھ ہوا نہیں۔ بس مانس کی گٹھری دھیرے دھیرے کھل گئی۔

ماچس جلا کر ان لوگوں نے دیکھا تھا۔

ارے باپ رے۔ یہ تو مر گیا......

بے یقینی دُور کرنے کیلئے دوسری تیلی جلا کر دیکھا اس پر بھی جی نہیں بھرا تو موم بتی منگائی گئی۔ موم کی مدھم روشنی میں ان لوگوں نے ساکت وسامت پڑے آدمی کو دیکھا۔ پھر موم بتی چہرہ کے نزدیک کی گئی۔ آنکھیں کھلی تھیں۔ ان آنکھوں میں تکلیف کے احساس سے زیادہ حیرت تھی۔

اور ایک خاص بات یہ کہ ان آنکھوں کی ساری آگ بجھ چکی تھی۔

مالک کو خبر دی گئی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

حرامزادو۔ جان سے مارنے کو تھوڑے ہی کہا تھا۔ اس کی تو بس پٹائی کرنی تھی۔ اب بھگتو......

وہ گاؤں بھاگ گیا تھا۔ اس کو کچھ پتہ نہیں۔ گو اس بیچ کولیری میں بہت کچھ ہوا۔ ایک دن کولیری کا بازار بند رہا۔ دو دن کولیری میں ہڑتال ہوئی۔ بڑے بڑے لیڈر آئے جلسہ ہوا، بھاشن دیا گیا۔ پولس بھی آئی مائننگ ڈپارٹمنٹ نے الگ ہنگامہ مچایا، کمار بابو کوئی سادھارن آدمی تو تھے نہیں۔

دو مہینہ تیرہ دن کے بعد پولس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ مگر تب تک معاملہ کسی قدر ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ لوٹ کی برسات ہو چکی تھی۔ سبھوں کو اپنا حصہ مل چکا تھا۔ مالک نے اپنے دامن کے سارے داغ دھو لئے تھے۔ سب کیا دھرا اسی کے سر آ پڑا تھا۔ مالک نے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ وہ تو جیل ہی جاتا چودہ سال کیلئے مگر بھلا ہو کشوری بابو وکیل کا۔ وہ مقدمہ لڑا۔ وہ مقدمہ لڑا کہ اس کو بے داغ نکال لیا۔ گو اس جنجال سے نکلتے نکلتے اس کا سب کچھ بک چکا تھا۔

اس کو پھر پھول جوشی نے اپنی کولیری میں گھسنے نہیں دیا۔ گو اس کی بہن رانی کو دو سال تک داشتہ بنا کے رکھا۔

اس نے محسوس کیا جیسے اس کے بدن کا تاؤ کم پڑ گیا ہے۔ اس نے پھر بنڈی کی جیب سے بوتل نکال کر تھوڑی سی چڑھالی۔ اس نے چاروں طرف ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ سب لوگ بات چیت میں مگن تھے۔ ننکو کالا یا آدمی چت لیٹا تھا۔ اس نے جھک کر اس کے بازو کو تھپتھپایا۔

اس کو بچا کے رکھنا۔ سالا لوگ چوس لیتا ہے۔ بدن کا سار اطاقت کھینچ کر گنڈیری کی طرح تھوک دیتا ہے۔ وہ اٹھا۔ دو چار قدم لڑکھڑا کر چلا۔ گرنے کو ہوا تو بیٹھے آدمیوں میں سے ایک نے اٹھ کر تھام لیا۔ دوسرا بازو پہلے ہی اسکا دوسرا ساتھی پکڑے ہوا تھا۔ بیٹھے لوگوں میں سے کسی نے مذاقاً کہا۔

لے جا کہیں دھکیل دو ہو۔!

وہ رک گیا۔ پلٹ کر نشے کی ماری آنکھوں سے دھندلے چہروں کو دیکھا تھا کون دھکیلے گا۔ ہم کو کون دھکیلے گا۔ سالا سارا کول فیلڈ میں کوئی مائی کا لال ایسا نہیں جو کالا چند کو ہاتھ لگا دے۔ بولو ہے کوئی مائی کا لال۔؟ باگھ کا بچہ۔؟؟ وہ پھر پلٹ گیا تھا۔ اس نے بائیں طرف کھلے میں دیکھا تھا۔ دور دور تک اوبڑ کھابڑ زمین، دور کوئلے کا ڈھیر، بن تلسی کی جھاڑیاں۔ سائٹ پر خاموش کھڑے کول ٹب، ایک سنگدل، سنگ صفت دنیا۔ یہ پرچھائیاں۔ یہ سب پرچھائیاں ہیں۔ خاموش ناشاتی، کوئی کچھ بولتا نہیں۔ ذرا سی آواز نہیں اٹھاتا۔ اور سیاہ اندھیرا سب ڈھکے رہتا ہے۔ چھپائے رہتا ہے۔ روشنی کی ایک کرن کو بھی سر اٹھانے نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ کولیری اور دھانی کے بلب بھی دھندلائے رہتے ہیں۔

سارا منظر دیر تک اس کی آنکھوں میں ڈولتا رہا۔

کالا چند باوری چلا گیا تو ننکو بولا۔

سالا دارو پی لیتا ہے تو اپنی اوقات بھول جاتا ہے۔ اپنے وقت میں پرسبول ہوشی کی دلالی میں لیبر کو کم ستایا ہے۔ کمار بابو جیسے دھاکڑ آدمی کو پی گیا۔؟ گجراتی بچے نے منہ سے کھلایا اور ناک سے نکال لیا۔ اس کو تو جوتڑ میں لات مار کر بھگایا ہی ساتھ میں جوان بہن کو بھی تاپ گیا۔

مولا بولا۔ کس کی بات کر رہے ہو رانی کی۔؟ اگلے ہفتہ ملی تھی۔ اس نے پھر کسی سے بیاہ کر لیا ہے۔ کلیان بولا۔ بیاہ کیا کرے گی بے چاری، فٹبال کی طرح ہے یہ پاس دیتا ہے اسکو، وہ پاس دیتا ہے اسکو، سب لوگ ہنسنے لگے۔

انکی باتوں سے الگ، وہ سوچ رہا تھا کہ کالا باوری نے اس کو پاٹھا کہا ہے۔ درگا پوجا کا

پاٹھا۔ یعنی بلی کا بکرا۔ اس نے ایسا کیوں کہا۔ کیا کولیری کی نوکری اتنی ہی خطرناک ہے۔ اور جب اتنی ہی خطرناک ہے۔ اور جب اتنی ہی خطرناک ہے تو لوگ کرتے کیوں ہیں۔ یہ سیکڑوں ہزاروں لوگ کیا یہ سب بلی کے بکرے ہیں۔ اور وہ خود۔؟

اس نے اپنا بازو اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کی طاقت کون چھین سکتا ہے۔ کون چھین سکتا ہے۔

●

جوالا بابا پھول منیا کے ساتھ پکڑے گئے ہیں۔!

جوالا بابا بوڑھے آدمی نہیں ہیں۔ چالیس برس عمر ہوگی۔ سر کے بالوں میں ابھی سفید بالوں کی مانترا کم ہے۔ بابا تو انہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ براہمن ہیں۔ براہمنوں کی کول فیلڈ میں کافی توقیر کی جاتی ہے۔ عمر رسیدہ لوگ بھی سلام کرتے ہیں تو پرنام نمستے نہیں کہتے۔۔ کہتے ہیں' "پالاگی بابا"!

اور جواب میں بابا صرف ایک لفظ بولتے ہیں۔

جیا۔!

اگر بہت خوش ہوں تو ایک لفظ اور جوڑ دیتے ہیں ـــــ آنند کرا"

ان کو یہ رتبہ شاستروں نے دیا ہے یا نہیں اس کا تو پتہ نہیں مگر مہا گرد جانکیہ نے جو امتیاز انہیں بخشا ہے۔ وہ آج بھی کم از کم اس کالی نگری میں قائم ہے۔ کوئی ان پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ ہاتھ اٹھانے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان کے آشرواد کے بنا کوئی کام نہیں ہوتا یہاں تک کہ لونڈے کا ناچ بھی نہیں، براہمن چاہے شراب پیئے۔ چاہے خراب عورتوں کے ساتھ سوئے اس کی توقیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ براہمن ہی رہتا ہے۔ یعنی بابا...

تو اس دن بھی جس دن جوالا بابا پکڑے گئے ہیں۔ کسی "دتا دھ"، بھوئیاں، یا بادری کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ بابا کو ٹوک دیتا، کولیری کا کوئی دوسرا آدمی بھی ہوتا تو چشم پوشی کرتا۔ مگر اس وقت نہ جانے کہاں سے ایک کائستھ سری واستو نکل آیا تھا۔ کائستھ جو اپنی حکمت عملی کیلئے، اور ہر طرح کے جوڑ توڑ اور سازشوں کیلئے مشہور ہے یہاں بھی اپنا کام کر گیا۔ اس نے ہو۔ ہلا کئے بنا کچھ لوگوں کو پھول منیا کے گھر کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

حالانکہ جوالا بابا کو پھول منیا کے گھر میں گھستے ہوئے صرف پان والے منگل نے دیکھا تھا۔ اس نے یہ بات سری واستو کو بتائی اور سری واستو نے موقع کا پورا فائدہ اٹھانا چاہا۔

سری واستو کافی دنوں سے موقعے کی تلاش میں تھا، جوالا بابا یونین لیڈر تھے انھوں نے آہستہ آہستہ کولیری میں ایسے پاؤں جمالئے تھے کہ بچارے سری واستو کا پتہ ہی صاف کر دیا تھا۔ ایک میٹنگ میں تو اس نے سر عام اسے چور بے ایمان اور مالک کا چمچہ کہا تھا۔ آج موقع آگیا تھا کہ قرض مع سود وصول کیا جائے۔ وہ اب ان پر بھرے مجمع میں چرتر ہین ہونے کا الزام لگا سکے گا چنانچہ وہ تصدیق کیلئے منگل کے پان کی دکان میں جم کر بیٹھ گیا۔

باوری دھوڑا پرلی طرف کافی دور میں ہے۔ اگر کوئی مصور کولیری کا لینڈ اسکیپ بنانا چاہے تو وہ یوں بنے گا سب سے پہلے چار پانچ کمروں کی ایک عمارت جو کولیری آفس ہے۔ اس سے لگے چند دو کمروں کے کوارٹر جو بابو کوارٹر کہلاتے ہیں۔ وہاں سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر کوئلے کی کان، جس کے ایک سرے پر گاڑیاں کھڑی ہیں۔ یعنی کول ٹب، اسی کے ساتھ ایک شیڈ میں ہالج کا رسہ کھینچنے والے چکے اور موٹریں ہیں۔ ایک طرف کوئلے کے ڈھیر ہیں، جو لوڈنگ سائٹ کہلاتا ہے۔ اسکے بعد زمین کا ایک بڑا ٹکڑا جو نیچے دھنس کر زمین کی عام سطح سے نیچا ہو گیا ہے، یہ بیٹھی ہوئی زمین بن تلسی کی جھاڑیوں سے بھری رہتی ہے۔ اور مختلف سمتوں سے جس میں پگڈنڈیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اسی بیکار اور پرتی زمین کے اعتراف میں دھوڑے ہیں۔ بھوئیاں دھوڑا، مونگریا دھوڑا، گیوالی دھوڑا اور ان سے قدرے الگ باوری دھوڑا۔

باوری بنگالیوں کی ایک غریب ذات ہوتی ہے۔ مگر کافی خوش دل اور خوشباش، ان کے مرد عورت سب شراب پیتے ہیں۔ گاتے ہیں۔ چنانچہ باوری دھوڑے سے اکثر جھومر گانے کی آواز آتی رہتی ہے۔

بوڑو گھور یہ بہو بیٹی، بوڑو بوڑو چول گو ! !
گھمائیں گھمائیں کھوپا باندھے ماتھے گیندا پھول گو

یہ بے چارے غریب عورتیں نہیں جانتیں کہ بڑے گھر کی بہو بیٹیاں نہ جوڑا باندھتی ہیں نہ گیندے کے پھول لگاتی ہیں، یہ تو بس سونے کے زیور پہنتی ہیں۔ جوڑا باندھے گیندے کے پھول سجائے تو یہی باوری عورتیں ہاٹوں، بازاروں میں گھومتی ہیں۔ بیباک ننگا تیکھا حسن

جو اکثر اونچے لوگوں کو اپنی بستیوں میں کھینچ لے جاتا ہے، جو الا بابا جیسے لوگوں کو بھی۔

تو اسی باؤری دھوڑے کے کنارے ایک پان گمٹی ہے جس میں دن کو پان بیڑی اور رات کو شراب بکتی ہے۔ اس گمٹی کے سامنے دو کوٹھری کے بعد تیسری کوٹھری پھول منیا کی ہے۔ اگر کوئی آدمی پان کی دکان میں بیٹھ کر دیکھے تو پھول منیا کے بند کواڑ صاف دکھائی دینگے۔

سری واستو وہیں جم کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے دکان میں آئے دو ایک آدمیوں کو اور پھسکد یا تو وہ بھی تماشہ دیکھنے رک گئے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ بس وہی لوگ اس بات سے واقف ہیں مگر ان سے بھی تیز حس رکھنے والی عورتوں کو پہلے ہی بو مل گئی تھی۔

ادھر بابا ان تمام کوائف سے بے خبر پھول منیا کی کایا کو پوتر کرنے میں لگے تھے۔ کافی دیر بعد وہ نکلے اور سری واستو کو دیکھا تو ذرا سا لنگڑا کر چلنے لگے۔ پھر بغیر پوچھے ہی بولے۔

پاؤں میں موچ آگئی تھی، سو بٹھانے چلے آئے تھے۔

سری واستو ہنسا۔ پھر ذرا اونچی آواز میں پوچھا۔

بیر اختم ہو گئیل بابا —؟

بابا اس جملے کا مطلب خوب سمجھتے تھے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اتنی اونچی آواز محض موجود لوگوں کو سنانے کیلئے ہے۔ مگر یہ موقع نہیں تھا کہ وہ اس سے سوال جواب کرتے، موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یہاں سے نکل چلنے میں ہی عافیت سمجھی، چنانچہ بجائے سری واستو کی باتوں کا جواب دیتے لمبے ڈگ بھر کر گیوالی دھوڑے کے پاس سے نیچے ڈھلان میں پگڈنڈی پکڑ کر اتر گئے۔ مگر رہائی وہاں بھی نہیں ملی۔ جاتے جاتے دو عورتوں کی بولی انہیں صاف سنائی دی۔ کوئی عورت دوسری عورت کو سنا کر کہہ رہی تھی۔

سنلا ہو دلری کے مائی اب تو اِملی کے پیڑ میں آم لاگی۔!

دوسری بولی۔ ہاں بہن نالی میں گنگا بہے لا گل ای کلجگ ما"!

ان کا ہنسی مذاق کب تک چلتا رہا پتہ نہیں۔ تب تک جو الا بابا اتنی دور نکل گئے تھے۔ جہاں ان کی آواز ان تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

سری واستو جو الا بابا کے بارے میں کہتا ہے کہ سانپ میں کالا سانپ اور براہمن میں کالا براہمن بہت خطرناک ہوتا ہے۔ وہ غلط نہیں کہتا۔ مگر اپنی جگہ یہ بھی سچ ہے کہ اگر کائستھ

گورا ہو تو وہ بھی کم نہیں پڑتا۔ چنانچہ سرواستو نے گھنٹہ بھر میں یہ بات ساری کولیری میں پھیلا دی۔ حالانکہ اس کا کوئی ردعمل نہیں ہوا اور ہونا بھی نہیں چاہیئے تھا۔ یہ تو روز کی بات تھی، ان ہاڑلوں یا وَرلیوں کے عصمت کا وہ تصور نہیں ہے جو دوسرے مڈل کلاس والوں کے یہاں ہے۔ بلکہ ان کے یہاں عصمت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ان کا سب پاک ہے۔

اس طرح کے واقعات سے نہ کولیری میں کوئی ہلچل ہوتی ہے اور نہ ہی آفس میں کوئی ہنگامہ مچتا ہے، بس یار لوگ ذرا سا مزہ لیتے ہیں۔ کچھ فقرے چلتے ہیں۔ کچھ بولیاں بولی جاتی ہیں چنانچہ جوالا مصر کو جمال الدین انصاری نے راستے میں روک کر ازراہِ مذاق کہا۔

کیا مصر جی دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ امارات تو ہونے دیتے "!

مصر جی غصہ نہیں ہوئے ایسی بات پر یہاں کوئی غصہ نہیں ہوتا بلکہ ایسے مسکرا رہے جیسے واقعہ کی تصدیق کر رہا ہوں۔ مصر جی خوشدلی سے بولے۔

انصاری صاحب پاؤں میں موچ آگئی تھی وہی بٹھانے چلا گیا تھا۔ آپ لوگ تو جھوٹ موٹ رائی کا پربت بنا دیتے ہیں "!

پھول منی موٹی تازی، بے حد کسی ہوئی عورت تھی۔ اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے جمال الدین نے ہمدردی سے پوچھا کہیں چوٹ ووٹ تو نہیں آئی بابا "؟

آپ بھی کیا مذاق کرتے ہیں انصاری صاحب!

ارے بھائی مذاق نہیں۔ آپ نے پربت کی جو بات کی تو عموماً پربت پر چڑھنے والوں کی کہنیاں پھوٹ جاتی ہیں۔ دیکھوں ذرا "!

لوگوں کا قہقہہ پڑا تو مصر جی ذرا سا جھینپ کر ہنسنے لگے۔

اس کالی نگری میں یہ جھینپنے اور شرمانے کی بات نہیں ہے بلکہ اس کو تو ایک طرح مردانگی سمجھا جاتا ہے۔ لوگ تو انڈر گراؤنڈ میں بھی کوئی اندھیری گپھا تلاش کر لیتے ہیں، اور کسی کامن کو کھینچ لیجاتے ہیں۔ یہ کامین جو مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں باہر بھی اور انڈر گراؤنڈ بھی، وہ جانتی ہیں کہ مرد ایک ایسا طاقتور جانور ہے جس سے مفر نہیں۔ خاص طور پر اس کول فیلڈ میں۔ چنانچہ وہ اس طرح کی باتوں کی ایک حد تک عادی ہوتی ہیں۔ آہستہ آہستہ ان میں ایک طرح کی جرأت اور بے باکی آجاتی ہے۔ اور منہ اتنا کھل جاتا ہے کہ اگر اس سلسلے

میں کوئی سوال کیا جائے تو دل سے جواب دیتی ہیں اور اکثر لاجواب کر دیتی ہیں۔

اسی سہ پہر کو کیشر بابو نے چائے منگوائی تھی، وہاں گیان سنگھ انجنیئر، اور ادھیڑ عمر کا لوڈ ٹنگ بابو جیسوال بھی موجود تھا۔ چائے کے پیسے دیئے تھے ایک مزدور کو مگر اس نے چائے بھجوا دی پھول منیا کے ہاتھ۔ وہ چائے کی پیالی رکھ کر جانے لگی تو کیشر بابو نے چٹکی لی،

اے پھول منیا آج کیا ہوا تھا رے۔؟

کچھ تو نہیں ہوا۔:

بتاؤ گی نہیں جوالا مصر سے کیا گڑبڑ ہوئی تھی۔

ہٹ۔: وہ بڑی ادا سے شرمائی۔

اب دیکھو چھپانے سے کیا فائدہ۔

بابو تم کو جرا شرم نہیں لگتی۔

شرم ورم کی بات چھوڑو۔ ساری کولیری میں تم کو بس ایک جوالا بابا ہی ملا تھا۔

وہ شرارت سے بولی۔ کیا کریں کیشر بابو ایک ہفتہ سے گھگھیا رہا تھا۔ سو ہم کو دیا آگئی۔

سب لوگ ہنسنے لگے۔ ذرا ہنسی رکی تو جیسوال بولا۔

کبھی ہم پر بھی تو دیا کرو۔!

چھی وہ تنک کر بولی۔ آپ بال بچے دار ہیں ایسی بات کرتے ہیں۔

ان باوریوں کی یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ جبتک یہ کنواری ہیں جا ہے جو کرلیں۔ مگر شادی کے بعد یہ اسے بڑا پاپ مانتی ہیں۔

یہاں اس کالی دنیا میں پاپ کیا ہے۔ پُن کیا ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بڑے بڑے جنیو دھاریوں کے جنیو یہاں اتر گئے ہیں۔ بڑے بڑے برہمچاریوں کا برہم چریہ یہاں کے جھونپڑوں، جھاڑیوں اور کونو کھتروں میں بڑا اسک رہا ہے۔ جوالا مصر تو بے چارے سادھارن آدمی ہیں۔ اکثر کہتے رہتے ہیں۔

"آئیل لچھمی ٹانٹی نا لگا دل جاتا ہو"

مطلب یہ کہ اگر لچھمی آرہی ہو تو اس کے آگے رکاوٹ نہیں لگانا چاہیئے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ جملہ وہ صرف پیسے کے معاملے میں بولتے ہیں۔ حالانکہ ان کی مراد دونوں لچھمیوں سے ہوتی ہے،

تو اس شام تمام ہی تذکرہ تھا۔ چائے پان کی دکان پر لوگ مزہ لے لے کر بات کر رہے تھے، اصل واقعہ میں خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا جا رہا تھا۔ اور پوری تفصیل بتائی جا رہی تھی، ان کی توند کا خوب خوب مذاق اڑایا جا رہا تھا اور لنگڑا کر چلنے کی اداکاری کی جا رہی تھی، خوب ہنسی ٹھٹھا چل رہا تھا۔ حالانکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ ساری تفصیل کس نے بتائی ہے، یہ سارا کرشمہ تو بس ایک آدمی کا تھا۔ سری واستو کا۔

سہدیو نے یہ سارا ٹھٹھول سنا تھا، چنانچہ اس نے رات کو ننکو سے پوچھا۔

یہ جوالا مصر کون ہے؟

ننکو نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

جوالا مصر کو نہیں جانتے۔؟

●

جس سنیچر کو اس نے پہلا نغمہ اٹھایا اسی روز اسکی ملاقات مصر سے ہوئی، جوالا مصر سے۔ اگر انہیں کوئی نہیں جانتا تو حیرت کی بات ہے۔ وہ کولیری لیڈر ہیں۔ بڑے نہیں ہیں۔ چھوٹے لیڈر ہیں۔ اس لئے اکثر جو تو مذاق بھی کر لیتا ہے۔ اور چندے کے دن ٹرخانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ یہ آسان نہیں ہے۔ کبوتر کی آنکھ رکھتے ہیں اور کتے کی پہچان۔ کھدر کا کرتا پہنتے ہیں۔ ویسا نہیں جیسے بڑے نیتا لوگ پہنتے ہیں۔ صاف، شفاف، کلف سے کھڑکھڑاتا ہوا کہ اگر ایک مکھی بھی بیٹھ جائے تو صاف نظر آجائے، جی نہیں ویسا نہیں، کولیری کی سیاہ دھول چند گھنٹوں میں کرتے پاجامے کی ساری سفیدی کھا جاتی ہے۔ نیچے پاجامے کی مہری اور کرتے کے شانے سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ جوالا بابا بیچارے موٹے آدمی ہیں۔ توند نکلی ہوئی ہے۔ توند پر کا کرتا جو ہمیشہ تنا رہتا ہے۔ سب سے پہلے بدرنگ ہو جاتا ہے، موٹے جسم سے پہننے والا پسینہ کلف کی ساری کھڑکھڑاہٹ گم کر دیتا ہے، چنانچہ مصر جی جو کرتا پہنتے ہیں اس میں نہ کلف ڈلواتے ہیں نہ استری کرواتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا لباس ان کے فربہ بدن سے چمٹا رہتا ہے۔

موٹے لوگ زیادہ تر خوش باش ہوتے ہیں، مصر جی بھی ہنسنے بولنے والے آدمی ہیں، پھر ان کا کام بھی ایسا ہے کہ سب سے بنا کر رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے مزدوروں سے بھی ان کی گاڑھی چھنتی ہے

اور آفس والے بھی چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ مصر جی کسی کا بُرا نہیں مانتے بلکہ خود بھی چٹکلے چھوڑتے رہتے ہیں۔ مگر کمبخت پیسے کے معاملے میں بالکل براہمن ہی ہیں۔ مجال ہے جو کوئی ان کا پیسہ مار لے جائے۔ کلیجے پر چڑھ کر وصول کرتے ہیں۔ بار بار یہ ہی کہتے ہیں، ارے بھائی نیتاجی کو دینا ہے۔ میرے باپ کی سمپتی تھوڑے ہی ہے۔ اور جب پیسہ جیب میں چلا جاتا ہے۔ تو ایسا میٹھا بولتے ہیں کہ دینے والے کے دل ساری میل دُھل جاتی ہے۔

یہ نیتاجی جن کا ذکر جوالا بابا بار بار کرتے ہیں۔ بڑے لیڈر ہیں۔ ایک ایک بڑے لیڈر کی عملداری میں درجنوں، بلکہ بیسوں کولیریاں ہوتی ہیں۔ چھوٹے لیڈر ان کے کارندوں کی طرح چندہ اگاتے اور کولیری کے معاملات نپٹاتے ہیں۔ کبھی کبھی معاملہ زیادہ اُلجھ جاتا ہے تو بڑے لیڈر کی مدد لینی پڑتی ہے۔ جسطرح بڑے بڑے جاگیردار کبھی کبھی اپنی جاگیروں کا دَورہ کرتے تھے۔ ویسے ہی بڑے بڑے لیڈر کبھی کبھی کولیری مزدوروں کو درشن دے دیتے ہیں۔ ورنہ ان کو مطلب محض اپنے چندے سے ہوتا ہے۔ سال میں چھ روپیہ فی مزدور جبکہ چھوٹے لیڈر ایک روپیہ مہینہ وصول کرتے ہیں مزدوروں سے۔

یہ ایک روپیہ سال میں لاکھوں روپیہ بن جاتا ہے اس میں کمپنی کی طرف سے بندھی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔ اور ٹھیکیداروں سے ملنے والی نذرانے کی رقم بھی، مزدوروں کے چھوٹے چھوٹے مسائل کی فیس، اور بے ضرر خطاؤں کی رشوت وغیرہ تو چھوٹے لیڈر وصول کرتے ہیں۔

اسی لاکھوں روپیہ سالانہ کی رقم ہی کی بنا پر بڑے لیڈر بنگلوں میں رہتے ہیں، کاروں پر گھومتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔

اور بڑے بڑے پشتینی زمینداروں کی طرح حکم چلاتے ہیں۔ حکم بجالانے کیلئے پہلوان رکھتے ہیں۔ یہ پہلوان نیتاجی کی ایما پر جب تک کولیریوں میں ہنگامہ مچاتے ہیں ان سے بچنے کے لئے مالک ایک مقررہ رقم بڑے لیڈر کو جزیہ دیتا ہے۔

برخلاف ان کے چھوٹے لیڈر زیادہ تکلیف میں رہتے ہیں۔ اس کی کمائی بھی کم ہوتی ہے اور مزدوروں اور مالکوں کے دھکے بھی کھانے پڑتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بھی ایک ہی کائیاں ہوتے ہیں۔ دو دو یا پانچ پانچ روپیہ سے بھی ہاتھ گندہ کر لیتے ہیں۔

تو اس دن مسہدو جیسے ہی تنخواہ لیکر باہر آیا۔ جوالا بابا نے اپنے دو مین ساتھیوں کے ساتھ

اس کو گھیر لیا۔

کاہو ٹکٹ کٹا لیلا۔؟

ٹکٹ۔؟ وہ چونک کر پلٹا تھا۔ کیسا ٹکٹ۔؟

یونین کا ٹکٹ اور کاہے کا!

اس کے ساتھ لالو دسا دھ تھا۔ اس نے مشکل کچھ آسان کر دی۔

آج تو اس کا پہلا ہفتہ ہے بابا اگلے ہفتہ لے لیجئے گا۔

اور اگر آج کل میں اس کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا اس کی جان چلی جائے تو کون لڑے گا کمپنی سے۔ کیا وہ سالے لال جھنڈا والے آئیں گے، یا وہ چھچھ سری واستو کھڑا ہو گا۔؟

لالو بولا۔ کیا اشوبھ بولتے ہیں بابا صبح صبح۔!

لو سچی بات کہو تو اشوبھ ہو جاتی ہے۔ ارے یہ بیچارہ تو نیا آدمی ہے۔ اس کو کیا معلوم کہ کان میں کیا ہوتا ہے۔ مگر تم تو نئے نہیں ہو"۔!

لالو ہچکچا کے بولا، نئے کی بات نہیں ابھی تو بیچارے کو بیسوں سامان کرنے ہیں۔

بابا کے ساتھ کا آدمی سمجھانے لگا۔ ارے وہ تو ٹھیک ہے مگر کون سا دس بیس دینا ہے، بس ایک ہی روپیہ کی تو بات ہے۔ بابا نے اپنے ساتھی کے بیان میں زور پیدا کیا۔

ایک روپیہ تو آدمی پان کھا کے تھوک دیتا ہے، بیڑی پی کر پھونک دیتا ہے۔

سو تو ہے مصر جی لیکن اگلے ہفتہ لے لیتے تو اچھا تھا۔

دیکھو تم جو روپیہ دو گے وہ میری جیب میں تو جائے گا نہیں۔ نیتا جی کے پاس جائیگا ان کیلئے اس ایک روپیہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کو اس ایک روپیہ کا موہ ہے۔ ان کو بس ایک ہی فکر ہے کہ کسی طرح تم لوگوں کا بھلا ہو۔ کل ہی نیتا جی کے یہاں سے خبر آئی ہے کہ کچھ نئے آدمی کام سے لگے ہیں ان کو ممبر بنا لو ایسا نہ ہو کوئی بات ہو جائے۔ انھوں نے تو نام بھی بھیجوائے ہیں۔ تمہارا نام سہدیو ہے نا۔؟

سہدیو اپنا نام سن کر دنگ رہ گیا۔ نیتا جی کتنی خبر رکھتے ہیں، کیتنے جاگرک ہیں اب ٹال مٹول کی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ اس نے ایک روپیہ نکال کر ان کو تھما دیا۔

مصر جی نے رسید بک نکالی اور پوچھا۔

تمہارا نام سہدیو ہے نا۔ سہدیو کیا۔؟

سہدیو رمانی ۔!

پتیا کا نام؟

سور گیہ کیلاش رمانی۔

پتہ۔؟

گرام۔ ست گانو ... ضلع گیا۔

مصر جی نے رسید پھاڑ کر اسکو دیدی۔

لو اب تم ہماری یونین کے ممبر بن گئے اب جب کوئی پریشانی ہو، مینجمنٹ ستائے یا کسی پریشانی میں پڑ جاؤ تب دیکھنا ہم تمہاری کیسی مدد کرتے ہیں۔ اگر ضرورت پڑ گئی تو اس ایک روپیہ کے بدلے ہزار روپئے خرچ کر دیں گے" اور پھر اچانک انھوں نے پوچھا۔ اور وہ تمہارا میاں ساتھی کہاں گیا۔

رحمت بھی اسی بھیڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے بغیر کسی حیل و حجت کے ایک روپیہ نکال کر پکڑا دیا۔

جوالا بابا نے پھر قلم نکالا۔

تمہارا نام ___؟

گھر پہنچتے پہنچتے تین روپے اور نکل گئے تھے۔ دو مائننگ سردار کے اور ایک روپیہ منشی کا۔ سردار اور منشی کا معاملہ طے کروایا تھا لالو دساد ھ نے۔ مائننگ سردار اور منشی دونوں کو راضی رکھنا ضروری تھا کیونکہ ڈیوٹی بانٹنے کا کام انہیں کے ہاتھ میں تھا اور کان کے اندر ایسی جگہیں بھی تھیں جہاں یا تو شدید گرمی میں کام کرنا پڑتا یا سارا دن پانی میں بھیگ کر جو لوگ سردار اور منشی کو "ہفتہ" دیتے تھے۔ انہیں خشک اور قدرے ہوادار جگہ میں ڈیوٹی ملتی تھی۔ اپنا معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس نے رحمت میاں کیلئے کوشش کی۔ وہ دراصل رحمت میاں کو اپنے ہی ساتھ رکھنا چاہتا تھا، اور یہ کام سردار ہی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے مائننگ سردار کا دامن پکڑا۔

مائننگ سردار رام اوتار ناٹے قد کا ادھیڑ بلکہ ایک حد تک بوڑھا آدمی تھا۔ گو شریر سے کمزور تھا مگر کان کا تجربہ بہت رکھتا تھا وہ کان کی ایک ایک انچ زمین سے واقف تھا۔ کہاں کون سی خرابی ہے۔ کہاں سے کتنا ناجائز مال نکالا گیا ہے۔ کون کون سے گوف میں کام بند کیا گیا ہے اور کس کس وجہ سے،

کون سی سیم کتنی موٹی ہے اس سے کتنا مال کٹ چکا اور کتنا باقی ہے گویا ایک سمندر تھا وہ بعض اوقات تو اوورمین (overman) اور انچارج بھی اس سے مشورہ لیا کرتے۔

مائننگ سردار سے جب اس نے رحمت میاں کیلئے بات کی تو اس نے تیز چبھتی نظروں سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

تمہارا کون ہے وہ۔؟

وہ میرا لگتا تو کوئی نہیں بس گاؤں گھر کا آدمی ہے۔

یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ وہ تمہارا کوئی نہیں لگتا۔ لگ بھی کیسے سکتا ہے۔ تم ہندو ہو اور وہ مسلمان ہے مگر تم لوگوں میں اتنا گہرا سمبندھ کیسے ہے کیا وہ تمہارا دوست ہے۔؟

دوست۔؟ دوست وہ کہہ سکتا تھا۔ مگر کیا واقعی وہ دوست تھا۔؟ دس دن پہلے تک وہ اسکو جانتا تک نہیں تھا۔ اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، اس نے بڑی صفائی سے کہا۔

نہیں وہ میرا دوست بھی نہیں

پھر اتنی دیا دکھانے کی کیا ضرورت آپڑی۔؟

بات دراصل یہ ہے کہ وہ بہت کمزور ہے۔!

کمزور ہے تو کیا ہے کیا تمہارے ساتھ رہنے سے اس کی کمزوری دور ہو جائے گی،

نہیں یہ بات نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ابھی وہ کان میں کام کرنے لائق نہیں ہے اس کو پورا کام دیدیا جائے تو مر جائے گا۔ میرے ساتھ رہے گا تو میں ایک نظر دیکھوں گا۔

دیکھنے کا کیا مطلب؟ کیا تم اسکا بھی کام کر دیا کرو گے۔؟

میرے ساتھ رہے گا تو میں اس کو ہلکا کام دونگا اور اس کا بھاری کام خود کر دونگا۔

نئی بات تھی، سردار کو عجیب لگی کیونکہ یہاں کوئی آدمی اپنے حصے کا کام بھی صحیح سے نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے نیچے سے اوپر تک سہدیو کو غور سے دیکھا خود اعتمادی اور یقین کی جو تابانی اسکے چہرے پر تھی وہ رام اوتار کی بھینگی مگر تجربہ کار آنکھوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ مگر اس نے بد دلی سے سہدیو کی بات مان لی۔

ٹھیک ہے۔ یہ تنکو پتہ نہیں کہاں کہاں سے مرے مُردے اکھاڑ لاتا ہے۔

رحمت میاں مُردہ نہیں تھا۔ وہ بہت زندہ آدمی تھا۔ کم لوگ اس بات کو جانتے ہیں

اور زندہ رہنے کیلئے کون سی چیز ضروری ہے ایک چیز ہوتی ہے حق المحنت، یعنی آدمی جو محنت مشقت کرے، جسکے لئے دھوپ میں جلے، پانی میں بھیگے اس کا کچھ بدل بھی ملنا چاہیئے۔ جب یہی بدل نہیں ملتا تو آدمی آہستہ آہستہ اندر سے مرنے لگتا ہے۔ رحمت گاؤں کے بڑے کاشتکاروں، خان صاحبوں کی بیگار کرتے کرتے اتنا ٹوٹ چکا تھا کہ اس کو یقین بھی نہ آتا تھا کہ وہ یہاں کام بھی کر سکے گا۔ چنانچہ وہ بار بار سہدیو سے پوچھتا۔

مجھ سے ہو جائے گا اتنی محنت کا کام۔؟

سہدیو کو اس پر بہت دیا آتی تھی۔ وہ اتنا کمزور، اتنا دبلا، اتنا معصوم تھا، جیسے وہ ایک چھوٹا کمسن بچہ ہو۔ اور یہ دیوؤں کا جنگل تھا، پتھریلی چٹانوں سے نبرد آزمائی کیلئے بازوؤں میں طاقت اور کلیجے میں دم ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہ دونوں چیزیں رحمت میاں کے پاس کم بلکہ بہت کم تھیں۔ چنانچہ دن بھر کی ہاڑ توڑ محنت سے وہ اتنا تھک جاتا کہ کبھی کبھی تو وہ کوئلہ لوڈ کرتے کرتے ہانپنے لگتا، پسینے میں ڈوب جاتا۔

سہدیو اس کو گنتیا چلانے، یا کوئلہ کاٹنے نہیں دیتا تھا۔ اس کا کام تھا کہ وہ کٹے ہوئے کوئلے کو گاڑی میں لوڈ کرے۔ یہ آسان کام بھی اسکے لئے بھاری تھا۔ ایسے وقت میں سہدیو جلدی جلدی اسکا ہاتھ بٹانے لگتا۔

دوسرے مزدور اس پر ہنستے، مذاق اڑاتے، پھر دنگل کے دوسرے لوگوں کو بھی اس پر دیا آنے لگی، اور وہ بھی اسکو آسان کام دینے لگے۔

رحمت کو جس دن پہلا ہفتہ ملا تھا اس دن لگتا تھا وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ پہلے تو وہ نوٹ ہاتھ میں تھامے کھڑا رہ گیا تھا، جیسے اس کو یقین نہ آرہا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ لہو کی یلغار اسکے چہرے پر ہوئی چہرہ اور آنکھیں دونوں روشن ہوتی گئیں۔ ایک ناقابلِ یقین خوشی سے جیسے وہ سرشار ہو گیا۔ پھر بھی اس نے سہدیو سے تصدیق چاہی۔

یہ روپیہ میرا ہے نا — !

سہدیو ہنس دیا۔ ہاں تمہارا ...." !

ایک مہینہ بعد رحمت میاں نے پچاس روپے گھر منی آرڈر کئے۔ یہ بہت بڑی رقم تھی منی آرڈر جب گاؤں پہنچے گا تو سارے گاؤں میں ہلا ہو جائے گا۔ اس کی بیوی خاتون جس کو گاؤں میں

خاتون کوئی نہیں کہتا سب ختونیا کہتے ہیں پھولی نہ سمائے گی۔ اس کا تو پاؤں زمین پر نہ پڑ رہا ہو گا۔ پچاس روپیہ کے علاوہ اس نے دو خوشبو والے صابن اور ایک بوتل خوشبو دار تیل بھی کسی جانے والے کے ہاتھ بھیجا ہے۔ شادی ہوئی تھی تب خوشبو دار تیل کی شیشی ملی تھی۔ اس کو وہ سالوں بچا کے رکھے رہی۔ گاؤں گھر میں کہیں شادی ہوتی یا کوئی تیج تہوار آتا تو ذرا سا لگا لیا کرتی۔ مگر پچھلے دو سال سے شیشی خالی پڑی تھی، ختونیا نے اس کو پھینکا نہیں تھا سنبھال کر رکھے ہوئے تھی۔ اور کبھی کبھی اس کو سونگھ لیا کرتی۔ کبھی کبھی اس کو بھی سنگھاتی۔

"دیکھ تو ابھی تک کیسے دم دم مہک رہی ہے"!

لیکن اس طرح کی خوشی کے موقع بہت کم آتے تھے۔ سارا دن خانصاحب کی غلامی کے بعد جب واپس ہوتا تو اتنا تھک چکا ہوتا کہ کسی چیز کی طرف دیکھنے کا من نہ ہوتا ادھر ختونیا بھی دن بھر کے کام کیساتھ گوبر جمع کرتے اور مہوہ چنتے چنتے بھول چکی ہوتی کہ زندگی میں اور کچھ بھی ہے۔ بس کبھی کبھی، بجلی کے کوندے کی طرح ......

مگر اب رحمت میاں بہت خوش رہتا ہے۔ کچھ موٹا بھی ہو گیا ہے۔ چہرے پر چکناہٹ اور روغن دونوں آگیا ہے۔ ایک دن مائننگ سردار رام اوتار نے ٹوک بھی دیا۔

کول فیلڈ کا بھات تو بس رحمت میاں کو لگا ہے۔

کوئی دوسرا بولا۔ ایکدم دلیپ کمار کی طرح دکھنے لگا ہے۔

ایک اور آدمی نے ہانک لگائی۔

اب ایکے بیاہ کر بئے اِجری سنگ

اِجری ایک بے تحاشہ موٹی لوڈنگ کامن تھی۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔

●

کوئی تین مہینہ بعد کی بات ہے۔ وہ تنخواہ لینے کھڑکی پر کھڑا تھا۔ اس کے ایک آدمی کے آگے کالا چند باوری تھا۔ کالا چند کھڑکی کے پاس پہنچا، نوٹ لئے، تیزی سے پلٹا اور سارے نوٹ اسکے ہاتھ تھما دیئے۔

اس کو رکھ لو، میں بعد میں لے لونگا"!

سہدیو نے محسوس کیا کہ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ پتہ نہیں اس کو کس بات کا ڈر تھا، اسکی یہ حرکت اس کو بہت عجیب بھی لگی۔ وہ کچھ بولے، سمجھے یا پوچھے اس سے پہلے ہی کالا چند باہر نکل گیا تھا۔

جب وہ اپنے پیسے لیکر آفس سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کالا چند کو تین آدمی گھیرے کھڑے تھے۔ یہ تینوں کپل سنگھ کے آدمی تھے، کپل سنگھ یوں تو چپراسی تھا۔ مگر در اصل وہ مالک کا لٹھیت تھا۔ اس نے مزدوروں میں بڑے پیمانے پر سودی کاروبار پھیلا رکھا تھا۔ اور سود وصول کرنے کیلئے درجنوں غنڈے پال رکھے تھے۔

کپل سنگھ کے ایک آدمی نے کالا چند کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا۔

سالے پیسے نکالو ـــ!

پیسہ؟ ...... پیسہ کہاں ہے میرے پاس۔ ؟ ؟

ابھی ہفتہ اٹھایا کہ نہیں ـ ؟

نہ ـ، کہاں اٹھایا ہے۔ اس ہفتہ کام ہی نہیں کیا تھا۔

تب کیا یہاں بہن کو دیکھنے آئے تھے ـ ؟

وہ گرم ہونے لگا۔ دیکھو بڑھ کے بات مت کرو۔

وہ سب کچھ نہیں چلے گا، سالے پیسہ نکالو ـــ!

نہیں ہے میرے پاس۔ کہہ دیا نا ـــ!

سالا سکھاتا ہے!

ان میں سے ایک نے اسکے پیٹ میں گھونسہ جمایا، چل نکال نہیں تو........

کہہ دیا نا نہیں ملا ہے ہفتہ ـ! اب وہ زور زور سے بولنے لگا تا کہ لوگ جمع ہو جائیں اور بیچ بچاؤ کر دیں۔

یہ حرامزادہ برابر ناٹک کرتا ہے چل نکال........

دوسرے آدمی نے اسکے گال میں ٹھونسہ لگایا۔ اب دھیرے دھیرے دونوں آدمی اس کو لیٹر تھپیٹر کرنے لگے۔ اب کالا چند زور زور سے چلانے لگا۔

مارتے کیوں ہو۔ ارے کیوں مارتے ہو۔ میں مر تو نہیں گیا ہوں، اگلی ہفتہ لے لینا۔

ان میں سے ایک نے دونوں کو روکا۔ ذرا ٹھہرو، سالے کی تلاشی لو"۔!

دونوں آدمیوں نے جلدی جلدی اس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ کمر ٹٹولا، پھر دھوتی کھول دی۔ وہ انڈرویئر نہیں پہنے ہوئے تھا اس لئے بالکل ننگا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے جھپٹ کر دھوتی کمر میں لپیٹ لی۔

کیا ننگا کر دو گے۔؟ میں جھوٹ نہیں بولتا، پیسہ نہیں ملا ہے۔ اس سے پوچھ لو"

اس نے پاس کھڑے سہدیو کی طرف اشارہ کیا۔

تینوں میں سے ایک بولا۔ ہم کسی سالے سے نہیں پوچھیں گے۔

سہدیو کا سارا خون سمٹ کر کنپٹیوں پر آ گیا۔ ایک تیز تیکھا غصہ اسکے اندر بہت دیر سے پھٹ پڑنے کیلئے تلملا رہا تھا اس کا جی چاہا کہ تینوں کو اپنے گھونسوں کی زد پر رکھ لے یا پھر پاس میں پھینکے رڈ کو اٹھا کر سبھوں کو دُھنک دے۔

غصہ سے سُرخ ہو کر اس نے ان لوگوں کو گھورا،

کیوں مار نے ہو اس کو۔۔۔!

اس نے پیسہ لیا ہے۔ سالا برابر جُل دیتا ہے۔۔!

تمہارا پیسہ لیا ہے تو اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اس کے کپڑے اتار لو گے۔

کپڑا۔؟ ان میں سے ایک غصہ سے بولا۔ ہم چاہیں تو اس کی کھال اتار لیں۔

اب معاملہ سہدیو کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ بدن آگ کی طرح تپ گیا۔

چھو کر دیکھو اس کو۔۔۔!

ان لوگوں نے حیرت سے بھی اور ترحم سے بھی اسکی طرف دیکھا، حیرت اس لئے کہ یہ کون ہے جس نے ان کی آواز پر آواز اٹھانے کی جرأت کی اور ترحم اسلئے کہ اس کا انجام اس کیلئے کتنا خطرناک ہو گا۔ کیل سنگھ کے آدمی کالاچند کو چھوڑ کر اس سے اُلجھ گئے۔

تو کون دلالی کر رہا ہے۔ تمہار تو سارا نہیں کباڑ لیب۔

دوسرا تمک کر بولا۔ ایسی دیا آتی ہے باپ پر تو تم خود ہی چکا دو۔

سہدیو اپنا تاؤ کم کئے بنا بولا۔ سُنو یہ خون پسینہ کا پیسہ ہے سود خوری کا نہیں۔

اب مزدوروں کی کافی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی، آفس کے لوگ بھی باہر نکل آئے تھے، مگر

اس معاملے میں کوئی اُلجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کسی نے بیچ بچاؤ کی کوشش بھی نہیں کی، کپل سنگھ کے آدمیوں کا بھی دماغ چڑھ گیا۔

سار! ہڈی پسلی ایک کر دیں گے ابھی۔ اَچانک وہ سہدیو کی طرف لپکا۔ سہدیو جھٹ پاس پڑا ہوا رڈا اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

ہاتھ لگایا تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔

تینوں رُک گئے۔ تناؤ اپنی آخری سیما تک پہنچ گیا۔ ٹھیک اسی وقت ننکو پتہ نہیں کہاں سے آگیا۔ وہ تیزی سے بڑھا اور دونوں کے بیچ حائل ہو گیا۔

سرکار جانے دیں، لئیکا با۔!

کے باہو۔ خون میں بہت گرمی ہو گیا ہے اس کے۔

ہمرے آدمی ہے بابو صاحب!

وہ پلٹا اور سہدیو کو ڈانٹنے لگا۔ سالے جانتے نہیں ہو مالک لوگ ہیں۔ ان کے بغیر ایک دن کولیری میں رہ سکو گے۔؟ ان سے کوئی جھگڑا کرتا ہے!

وہ ایک بار پھر پلٹا اور ان لوگوں سے منت کرنے لگا۔

ابھی نیا نیا آیا ہے بابو صاحب، ایکدم نیا مہینہ بھر بھی نہیں ہوا۔

وہ ایک بار پھر پلٹا اور سہدیو کو بھیڑ سے باہر کھینچ لیا۔

پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر بیدا مرت کرو۔

وہ کچھ بولا نہیں۔ ننکو اسکو تھوڑا آگے پہنچا کر پھر لوٹ گیا شاید ان لوگوں کو سمجھانے کیلئے۔

آفس سے تھوڑا آگے نکل آنے پر اس نے دیکھا کہ کالا چند اس کے انتظار میں کھڑا ہے۔ جب کپل سنگھ کے آدمیوں سے اس کا جھگڑا ہو رہا تھا اسی وقت وہ چپکے سے نکل گیا تھا۔

اس کو کالا چند پر پہلی بار غصّہ آیا مگر اس نے ضبط کر کے پوچھا۔

تم نے ایسا کیوں کیا۔؟

کیا کرتا سالے پیسہ چھین لیتے۔

مگر تم نے خاص طور پر میرے ہی ہاتھ میں پیسہ کیوں پکڑا دیا، اور لوگ بھی تو تھے۔

اور کوئی پیسہ نہیں لیتا میرے ہاتھ سے۔ یہاں جتنا آدمی ہے سب سالا ڈرپوک ہے کسی میں ہمت نہیں۔

تم میں ہے ہمت۔؟ اس نے تیکھے پن سے پوچھا۔ ایک لمحہ کیلئے کالا چند چپ رہ گیا شاید وہ اچانک اور براہِ راست حملے کیلئے تیار نہیں تھا۔ مگر پھر دکھ سے بولا۔

سہدیو تم ہمت کا بات کرتا ہے۔ ہم کپل سنگھ جیسے آدمی کو گھول کر پی جاتا تھا۔ مگر دکھ دکھ توڑ دیتا ہے۔ بدن کا سارا نس توڑ دیتا ہے۔ نہیں تو میں ان سالوں کو اپنے اسکے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ اس نے نیچے ہاتھ گھمایا۔

اُبتک سہدیو کا غصہ تقریباً ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ مگر پھر بھی تیکھے پن سے پوچھا۔

کیوں لیا تھا پیسہ۔؟ دارو پینے کو۔؟؟

نہیں گنگو قسم نہیں۔!

پھر۔؟

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ یہ بات مت پوچھو۔

تم روز دارو پیتے ہو۔ وہی پیسہ تھوڑا تھوڑا کر کے دے کیوں نہیں دیتے۔

وہ بولا۔ میں عمر بھر تھوڑا تھوڑا دیتا رہوں گا تب بھی ان کا چکتا نہیں ہوگا۔ سالا سودی قرضہ قرضہ نہیں گورکھ دھندہ ہوتا ہے۔ میں نے ایک سو روپیہ لیا تھا۔ دس روپیہ ہفتہ سو پر، وہ بڑھ کر دو سو ہو گیا۔ اب بیس روپیہ ہفتہ سود لگتا ہے۔ بولو بیس روپیہ ہفتہ اسی کو دے دے گا تو کھائے گا کیا؟

مگر اس کا کچھ نہ کچھ تو فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔!

کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔ میں ان لوگوں کا پیسہ نہیں دونگا۔ کیا کریگا او لوگ، مارے گا۔ بس تو کوئی جان تو نہیں مار دے گا۔ اب تک میں تین سو روپیہ دے چکا ہوں، اب کچھ نہیں دے گا۔ ایک پیسہ نہیں۔

سہدیو نے ایک وار اور کیا۔

تم نے اس دن کہا تھا نا کہ کول فیلڈ میں کوئی تم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، آج تو دیکھا تم کو ہاتھ لگاتے"!

وہ چپ رہ گیا۔ کچھ نہیں بولا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکا کر چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو سہدیو نے دیکھا اس کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ رو رہا تھا۔ ایک لمحہ کیلئے ہی سہی، بے آواز ہی سہی مگر وہ رویا ضرور تھا۔ سہدیو کو افسوس ہوا وہ اچانک رک گیا۔

میری بات کا برا لگا تم کو۔؟

نہیں۔ اس سمے میں پئے ہوئے تھا۔

اس نے کالا چند کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ایسے ہاتھ رکھے چلنے لگا۔

صرف ایک چیز تم کو دھیرے دھیرے کھا رہی ہے۔

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ جیسے پوچھ رہا ہو۔ کون سی چیز۔

دارو۔!

اس نے جواب نہیں دیا۔ سر اٹھا کر الٹا ایک سوال کر دیا۔

کیا میں اکیلا پیتا ہوں۔؟ کولیری میں سب پیتا ہے،

مَیں سبھوں کو بولتا ہوں۔!

وہ بولا سہدیو آدمی مجبوری سے پیتا ہے۔

ایسی کون سی مجبوری ہے بھلا۔

یہ میں نہیں جانتا مگر پینا پڑتا ہے۔ کچھ نہ کچھ ایسا ہوتا ہے۔ جب آدمی چاروں طرف سے گھر جاتا ہے تو بس ایک راستہ رہ جاتا ہے۔ ہمکو تو سالا پر بھول جوشی پینے کا عادت ڈالا۔ مگر اور سب کو۔؟

بیچ کا ویران راستہ طے کر کے وہ بازار میں چلے آئے۔ بازار کیا تھا صرف چار دکانیں تھیں۔ دو چائے کی، ایک پان کی، اور ایک میں اسٹشنری کا چھوٹا موٹا سامان ملتا تھا۔ یہی بازار تھا جہاں رات بلّہ والے صبح کو اور دن بلّہ والے رات کو جمع رہتے، بڑے بڑے سامان خریدنے کے لئے یہاں سے پانچ میل پر شہر آباد تھا۔

سہدیو نے اس کو روک لیا۔

آؤ چائے پی لو۔

چائے کی دکان پر کھڑے ایک مزدور نے ازراہِ مذاق کہا۔

چائے سے اس کا کیا ہوگا۔

آج تنخواہ کا دن ہے اس کو جمنوا کی جھونپڑی میں لے جاؤ۔

دونوں نے اس کو گھور کر دیکھا، دونوں مذاق کے موڈ میں نہیں تھے۔ مزدور ان کے تیور دیکھ کر چپ ہو گیا۔

چائے پی کر دونوں پھر چل پڑے۔ سہدیو نے اسکے پیسے جیب سے نکال کر لوٹا دیئے۔ پہلے کالا چند کا دھوڑا پڑتا تھا پھر فرلانگ بھر آگے سہدیو کا۔ اس لئے پھر دونوں ساتھ چلنے لگے۔

چلتے چلتے سہدیو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

میری ایک بات مانو۔ پینا چھوڑ دو۔!

وہ بڑے اطمینان سے بولا سچا آدمی ہوں، اس لئے جھوٹ نہیں بولے گا، یہ اب ہم سے نہیں چھوٹے گی۔

کیوں نہیں چھوٹے گی۔

دیکھو سہدیو تم عمر میں ہم سے بہت چھوٹا ہے، ابھی تم کو چار دن ہوا کولیری میں آئے۔ دُنیا بھر کے جھوٹ میں ہم ہی ایک سچا کام کرتا ہے۔ اس کو کیسے چھوڑ دے گا۔ یہ چیز..... یہ دارو جو ہے نا، بہت سچا چیز ہے۔ یہ سچ سوچنے پر مجبور کرتا ہے، سچ بولنے کا ہمت دیتا ہے اس کو چھوڑ دیگا تو ہم بھی کوئلہ ہو جائے گا۔ کالا کوئلہ، ایسا اس نے راہ میں پڑے ایک کوئلے کے ٹکڑے کو ٹھوکر ماری۔

سہدیو ہنسا! اگر تھوڑے دن تمہارے ساتھ رہوں تو میں بھی شروع کر دوں گا۔

تب تک کالا چند کا گھر آگیا تھا۔ مگر گھر کے سامنے پہنچکر دونوں ٹھٹھک گئے۔

وہاں ایک موٹی تازی عورت کھڑی تھی۔

عورت کی عمر ڈھل رہی تھی۔ مگر اس نے اتنا بناؤ سنگار کر رکھا تھا، اتنے چست اور مہین کپڑے پہن رکھے تھے کہ اپنی عمر سے کافی کم دکھلائی پڑتی تھی، اس لئے موٹاپے میں بھی ایک دلکشی برقرار تھی۔ اسکو دیکھتے ہی کالا چند برہم ہو گیا۔

تم یہاں کیوں آئی ہو۔ ؟

عورت نے جواب دینے کی بجائے اُلٹا سوال کیا۔

تم نے آج پھر جھگڑا کیا ہے۔

میں پوچھتا ہوں تم یہاں کیوں آئی ہو۔ ؟ ہم نے تو تم کو منع کر دیا ہے اپنے گھر آنے سے۔

عورت دھیمے سے بولی۔

میں نے سُنا ہے کہ ان لوگوں نے تم کو مارا ہے۔

اس سے تم کو کیا۔ ؟

تم آخر ان لوگوں سے بَیر بسا کے کیسے رہ سکتے ہو۔

اس کا فکر تم مت کرو۔

تم ایک کام کرو، ان لوگوں کا چکتا کر دو۔ !

وہ ایک دم سے برہم ہو گیا۔

یہ ہمارا معاملہ ہے ہم سمجھے گا۔ تم یہاں سے جاؤ۔ ہم تمہارا شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

عورت کو بھی غصّہ آ گیا۔ مت دیکھو میری شکل مگر اس کو رکھ لو۔

عورت نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلایا۔ اس میں سو سو کے چار نوٹ تھے۔ کالا چند نے آپے سے باہر ہو کر اس کے ہاتھ سے روپیہ لیکر فرش پر پھینک دیا۔

نہیں چاہیئے ہم کو کُتیا "!

سہدیو جو اتنی دیر سے چُپ کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر ہوا میں بھاگتے نوٹوں کو چُن لیا۔

کالا چند! اس کو رکھ کیوں نہیں لیتے۔!

عورت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

تبھی اچانک بالکل غیر متوقع طور پر کالا چند اپنے دھوڑے میں گھس گیا اور ٹین کا ایک ٹٹے کا دروازہ بند کر لیا۔

وہ دونوں باہر کھڑے رہ گئے۔

کہیں کوئی نہیں تھا، سیاہ دھول سے بھرا راستہ ایکدم خالی تھا بالکل ننگا۔

کالا چند تمہارا کون لگتا ہے۔؟

عورت آنسو پونچھ کر بولی۔ میرا بھائی ہے، کسائی ہے"۔!

سہدیو نے کسی قدر حیرت سے عورت کی طرف دیکھا۔ تمہارا بھائی ہے؟

عورت نے اثبات میں گردن ہلائی۔

کچھ دیر بعد عورت بولی۔

میں نے ابھی ابھی سُنا کہ کیبل سنگھ کے آدمیوں نے اس کو بے عزت کیا۔ مارا بھی اور دھوتی کھولکر ننگا بھی کر دیا، سو میں پیسے لے کر چلی آئی کہ اس کو اس جنجال سے چھٹکارا دلادوں مگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔

ذرا اکھڑ آدمی ہے"۔!

اکھڑ ہونے سے تو کام نہیں چلتا۔ دُنیا میں رہنا ہے تو دُنیا داری بھی کرنی پڑتی ہے۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ میں پکڑے نوٹ اسکی طرف بڑھا دیئے۔

لو اس کو رکھ لو۔!

نہیں تم ہی رکھے رہو مگر جیسے بھی ہو کیبل سنگھ سے اس کی جان چھڑا دو۔

میرے لئے یہ مشکل ہے۔ اصل جھگڑا تو مجھی سے ہوا ہے۔!

وہ بھی میں نے سُنا ہے! اگر تم دو چار آدمی لیکر کوشش کرو تو بات بن سکتی ہے۔

مجھے تو امید نہیں کہ وہ میری سُنے گا، مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ ویسے یہ روپے تم رکھ لو میں بعد میں لے لوں گا۔

نہیں! اسکو تم اپنے پاس رکھے رہو۔ مگر اس سے کاغذ ضرور لے لینا۔ یہ سب بڑے بے ایمان لوگ ہیں۔

کیسا کاغذ۔؟

قرض کا کاغذ۔!

اچانک اسکے ذہن میں ایک نام چمکا۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔

تمہارا نام رانی ہے نا۔؟

وہ چونکی۔ اس کو غور سے دیکھا۔ تمہیں کس نے بتایا۔؟

بتایا کسی نے نہیں صرف تمہارا ذکر سُنا تھا اس کے ذہن میں کلیان کا جملہ کوندھ گیا۔

کس سے سُنا تھا۔؟ کالا چند کچھ بولا تھا میرے بارے میں۔؟ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

نہیں اس نے تو کبھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ میں نے دوسرے لوگوں سے سُنا تھا۔

وہ مایوس ہو گئی۔ ہاں وہ میرا ذکر کبھی نہیں کرتا۔ میری صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔ تم بتاؤ میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے شادی کر لی، نہیں کرتی تو کیا کرتی۔؟ وہ تو اور خراب بات تھی بس اسی بات پر وہ ناراض ہے"!

اس نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ شرابی آدمی ہے۔ روز شراب کے لئے یہاں وہاں قرض لیتا رہے گا تم کہاں تک چکاؤ گی؟

نہیں وہ دارو پینے کے لئے قرض نہیں لیتا۔ یہ قرض تو وہ ...... وہ ذرا اسا رکی پھر پوچھا۔

اس نے تم کو بتایا نہیں کہ یہ قرض اس نے کیوں لیا تھا؟

نہیں، ! میں نے پوچھا بھی تھا مگر وہ ٹال گیا۔

یہ قرض اس نے میرے ہی لئے لیا تھا۔ کوئی سال بھر پہلے جب میرے پہلے آدمی نے مجھکو گھر سے نکالدیا تو ساتھ ہی تھانے میں لکھا دیا کہ میں اس کے یہاں سے پانچ سو روپیہ لے آئی ہوں۔ تھانے سے بات ہوئی تو وہ سو روپیہ پر معاملہ رفع دفع کرنے پر راضی ہوا، میرے پاس بالکل پیسہ نہیں تھا۔ یہ بات کسی طرح کالا کو معلوم ہوئی اس نے کیل سنگھ سے پیسہ لیکر تھانہ بھجوایا اور مجھے نجات دلائی۔

اچانک وہ بولی اچھا تو میں چلتی ہوں، تم کاغذ لیکر مجھے خبر کرنا۔ حاضری بابو کے کوارٹر میں، حاضری بابو ... وہ ایک بار پھر چونکا۔ شاید اسی لئے کالا چند کبھی حاضری نہیں لگواتا۔ اسکی حاضری ایسے ہی بنجاتی ہے۔ وہ پھر حاضر ہو جیسے بھی۔

شام کو ننکو اس پر بہت گرم تھا۔

کالا چند تمہارا کون لگتا ہے۔؟ کیوں گئے تھے اسکے لئے لڑنے۔؟ جانتے ہو کیل سنگھ کون ہے۔؟؟

وہ چپ رہا ننکو بولتا ہی رہا۔

وہ ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کا چپراسی نہیں ہے۔ یہ تو ایک آڑ ہے۔ دو ہزار روپیہ مہینہ کماتا ہے وہ بیسویں ہزار روپیہ اس کا سود میں لگا ہوا ہے۔ دو جوئے کے اڈے چلاتا ہے۔ تین شراب کی جھونپڑیاں چلتی ہیں۔ اس کی اس سارے کاروبار کو چلاتے اور سود کا روپیہ وصول کرنے کیلئے درجنوں آدمی بدمعاش آدمی تنخواہ پر رکھے ہوئے ہے۔ پوری تمرسا کولیری میں بلکہ آس پاس کی دو چار کولیریوں میں بھی کوئی اسکے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کمپنی کا خاص آدمی ہے۔ اس کی اتنی چلتی ہے کہ جس کو چاہے رکھے جسکو چاہے نکلوا دے۔ اور تم گئے تھے اس سے الجھنے۔ ارے وہ چاہے تو تمہیں چیونٹی کی طرح مسل دے۔

بہت دیر بک بک کرنے کے بعد جب وہ دھیما ہوا تو بولا۔

مجھ سے پوچھ رہا تھا تمہارے بارے میں، بہت سمجھایا کہ لڑکا ہے، ناسمجھ ہے غلطی ہو گئی ہے۔ وہ پھر بھی چپ رہا۔ دراصل وہ ننکو کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ ڈر کے مارے اس کی حالت خراب تھی، چہرے پر پسینہ آگیا تھا۔ آنکھیں ڈر سے پھیل گئی تھیں۔ ذرا سا رک کر وہ پھر بولا۔

تم ایسا کرو، میرے ساتھ چلو اور اس سے معافی مانگ لو"!

معافی ۔۔ ؟

کیوں کیا معافی مانگنے سے تمہاری عزت چلی جائے گی۔ ؟

معافی تو میں نہیں مانگ سکتا"! اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ننکو جھلا گیا۔

آخر تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپکو ۔۔؟ ان لوگوں سے بیر لیسا نا چاہیئے ۔۔ ؟ ۔۔

شیر نہیں ہے وہ جو مجھے کھا جائے گا۔

شیر ہی ہے وہ، کتنوں کو کھا چکا ہے، تم کل آئے ہو تم کو کیا پتہ اچھے اچھوں کا پتہ پانی ہوتا ہے اس سے، پھر بھی میں معافی مانگنے نہیں جاؤنگا۔!

ننکو اسکے دو ٹوک جواب سے فکر مند ہو گیا، کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

اچھا دیکھو ایسا کرو تم صرف میرے ساتھ چلو۔ وہاں بولنا کچھ نہیں۔ میں خود بات کر لوں گا۔

ٹھیک ہے چلوں گا مگر آج نہیں۔

دوسرے روز شام کو وہ ننکو کے ساتھ چلا۔ کپل سنگھ بڑی سڑک کے کنارے رہتا تھا۔

وہاں اس نے اپنا نجی مکان بنا رکھا تھا۔ پکا مکان، زمین ڈسٹرک بورڈ کی تھی یا کولیری کی کچھ پتہ نہیں، اس نے جبراً یہ زمین دخل کی تھی۔ اور بزور مکان بنوایا تھا۔ سامنے دو کانیں بنوا کر کرائے پر اٹھا دی تھیں اور باقی کے دو کمرے اس نے اپنے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ اندر کے چار کمروں میں اس کے ادالی موالی رہتے تھے۔ سامنے کے دو کمرے جو اس نے اپنے لئے رکھ لئے تھے۔ وہ دراصل اسکی بیٹھک تھی۔ اسکے سارے پلان یہیں بنتے، سارے کاروبار کی دیکھ ریکھ یہیں سے ہوتی ہے۔ اسلئے عموماً شام کو دو چار آدمی ضرور جمع رہتے ہیں۔ جس وقت ننکو اس کو لیکر وہاں پہنچا اس وقت بھی چار آدمی وہاں بیٹھے تھے۔ سہدیو نے اس کو دیکھا وہ لمبا تڑنگا دبنگ آدمی تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور چہرے پر ایک زخم کا گہرا نشان بائیں کان سے ہونٹ تک کھینچا ہوا تھا۔ اس نشان سے اس کا چہرہ کچھ زیادہ ہی بھیانک نظر آتا۔ اس نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ ننکو کے ساتھ اس کو دیکھ کر اس کو سمجھتے دیر نہیں لگی کہ وہ کون ہے۔

کا ہو! کول وری میں کام کرے کے من با کا نا؟

اس کے بولنے سے پہلے ننکو بولا۔

ابھی نیا نیا آیا ہے مالک پہچانتا نہیں ہے۔!

کول وری کے گینتا چھوڑی تک ہم کو پہچانتا ہے۔ کتنا دن ہو گئل ہو۔؟

جواب ننکو ہی نے دیا ـــــ چار مہینہ ہو گیا۔

ہم کو تو لوگ چار دن میں پہچان لیتے ہیں"۔!

ننکو بولا۔ سیدھا لڑکا ہے کہیں آتا جاتا نہیں ہے بس دھوڑ اسے کھاد اور کھاد سے دھوڑا۔ اس کو کیا معلوم ہے کہ کولیری میں کون کیا ہے"۔

کیس سنگھ بریمی سے بولا۔ جب کچھ نیکے جانت تو او، جھینزی کے بھائی سنگ دوستی کیسے ہو گئیل۔

ابکے سہدیو بولا۔ میری اس سے کوئی دوستی نہیں ہے۔

ننکو تڑ سے بولا۔ تب تم بیچ میں کیوں آئے۔؟

وہ لوگ اس کو مار رہے تھے ۔

ننکو ہی بولا ۔ یہ کون سی نئی بات ہے ۔ یہاں تو سب سالے پٹاتے ہیں ۔

یہ اس لیے کہ ان میں ایکتا نہیں ہے ۔

ایکے کیل سنگھ نے اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور مسکرا کے بولا ۔

لیڈر بننے کے بچار با کا ہو ۔؟ جوالا بابا کے ہاتھ کو تھام لا کلیان ہو جائی تہار ، جا ہے او ، سری واستو کے دھرلا ۔

میں لیڈر بننا نہیں چاہتا ۔ مگر اس طرح سرعام کسی کو ننگا کر دینا ۔ ۔ ۔ ۔

ننکو بات کاٹ کر جھٹ بولا ۔ قرض کا ہے کو لیتے ہیں پھر ۔؟

قرض لینے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو سرِ راہ بے عزت کیا جائے ۔ !

عزت کس سالے کی ہے یہاں ۔! ایکے کیل سنگھ غصہ سے بولا ۔ او سالے باوری بچے کی عزت ہے ۔

چار آدمی کے بعد اس کی بہن اُبھی حاضری بابو کے پاس گئی ہے ، بہن چھنار بھیا بانکے ای ہے نا عزت بارے ۔

وہ چپ رہ گیا ۔ بس اسی ایک لمحہ کی مصلحت اندیشی اس کے کام آگئی ، اوپر سے ننکو نے معاملے کو سنبھالا ۔

اَیے جائے دیئی مالک ۔

ٹھیک ہے ننکو ، اب تم آگئے تو کونو بات نہیں ۔ تمرا آدمی ہے تو ہمر آدمی ہے ۔ مگر اس سالے کالا کو کہدینا کہ ابکی ہفتہ پیسہ نہ ملا تو ٹانگ چیر دیب ۔" !

اس کا پیسہ میں لیکر آیا ہوں ۔" ! اسہد یو جھٹ سے بولا تو سب لوگ اس کو دیکھنے لگے ۔ ننکو حیران رہ گیا ۔

تم لیکر آئے ہو ۔؟

ہاں !

تم کو معلوم ہے کتنا پیسہ ہے ۔؟

ہاں اس نے سو روپیہ لیا تھا ۔

کپل سنگھ اطمینان سے بولا۔ وہ سو روپیہ بڑھ کر دو سو ہو گیا اور سود بیس روپیہ ہفتہ۔ پانچ ہفتہ سے سود نہیں دیا ہے۔

سہدیو نے تین سو روپئے نکال کر سامنے رکھ دیا۔

دیکھئے۔ سہدیو کپل سنگھ کو سمجھانے لگا۔ دیکھئے وہ ایک پیسہ دینے لائق نہیں ہے۔ آپ اس کو کیا کیجئے گا۔

ماریئے گا۔ ٹانگ توڑ دیجئے گا۔ مگر اس سے پیسہ تو وصول نہیں ہو گا۔

کپل سنگھ کا موڈ اچھا تھا اس لئے وہ ہنسا۔

کا ہو ننکو ای کل کے پیدا سمجھائے لاگل۔

ننکو بھی خوشامد میں ہنسا۔ بڑا اچھا لڑکا ہے مالک، بہت پڑھا لکھا ہے۔ دس کلاس پاس ہے"!

کیا رے! تب جھوٹ میں کو لوری میں کوئلہ کاہے کاٹتا ہے۔ ہمرے یہاں منشی رہ جا۔

ننکو خوشامد میں بولا۔ ارے آپ ہی کا تو آدمی ہے سرکار، بارہ بجے رات کو بھی ضرورت پڑ جائے تو حاضر ہو جائے گا۔ آپ کے حکم پر۔

اَب کپل سنگھ ایک دم رام ہو گیا۔ اس نے سامنے پڑے پیسے اٹھائے اور دوسری چارپائی پر بیٹھے آدمیوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے بولا۔

کالا چند کا کاگج لا دو،

ایک آدمی اندر گیا اور تھوڑی دیر میں ایک کاغذ لا کر کپل سنگھ کو دیدیا۔ کپل سنگھ نے وہ کاغذ لیکر سہدیو کی طرف بڑھا دیا۔

لے جا! بولدینا ابکی کہیں بھن پھنسے تو ہمرے پاس مت آئے۔

وَہاں سے نکلا تو ننکو اس کے سر ہو گیا۔

یہ پیسہ کہاں سے آیا۔؟ کیا تم کو کالا چند نے دیا تھا۔؟ کہیں تم نے اپنا پیسہ تو نہیں دیدیا؟

وہ چپ رہا......

ننکو نے اس کی بانہہ پکڑ لی، سچ سچ بتاؤ یہ پیسہ تمہارا تو نہیں تھا۔

نہیں میرا نہیں تھا۔ کالا چند ہی کا پیسہ تھا۔

ہونہہ...... نکو نے اطمینان کی سانس لی پھر بولا۔

جانتے ہو کولفیلڈ کی سب سے بڑی چیز کیا ہے ــــ؟ پیسہ! اس کو دانت سے پکڑ کر رکھو نہیں تو کالا چند جیسے ہزاروں ہیں جو تمہاری کھلی آنکھوں کے سامنے تمہاری جیب کاٹ لینگے۔ سچی بات تو یہ ہے سہدیو کہ کولیری بہت بُری جگہ ہے۔ یہاں بھلے اور ایماندار آدمی کا گذارہ نہیں۔ یہ چوروں، بے ایمانوں، سود خوروں اور دلالوں کی دنیا ہے۔ یہ آدم خور شیروں کا گڑھ ہے۔ یہ خون چوسنے والی جونکوں کا علاقہ ہے۔ یہاں ہر قدم سوچ کر رکھنا چاہیئے۔ یہاں آدمی آدمی کو کھاتا ہے کچا ــــ ......

وہ دونوں پکی سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر آگئے۔ وہ ٹھنڈ کا موسم تھا اور شام دھواں دھواں ہو گئی تھی۔ کوارٹروں اور دھوڑوں میں جلنے والے چولہوں کوئلے کے بھٹوں سے جو دھواں اُٹھ رہا تھا۔ وہ بجائے اوپر جانے کے آہستہ آہستہ نیچے ہی جمع ہوتا جا رہا تھا۔ نکو موٹی سوتی چادر سے بدن کے علاوہ سر اور کان بھی ڈھانپے ہوئے تھا۔ یہ چادر اوڑھنے کا ایک الگ ڈھنگ تھا۔ آج کل ٹھنڈ کا زور بڑھ گیا تھا۔ کان کے اندر کا حبس اور گرمی تو ایک حد تک کم ہو گئی تھی مگر باہر جان نکل رہی تھی۔ ویسے بھی جو لوگ کان کے اندر کام کرتے ہیں۔ ان کو ٹھنڈک کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے۔ کہتے ہیں انڈر گراؤنڈ میں، بدن میں مستقل رہنے والی گرمی رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے۔

نکو نے مشکوک انداز میں پوچھا۔!

سُنا تم رانی سے بھی کچھ بات چیت کر رہے تھے؟

اس نے چونک کر نکو کی طرف دیکھا۔ جواب نہ پا کر نکو نے دوسرا سوال کر دیا۔

کب سے جان پہچان ہے اس سے ــــ؟

اس سے میری کوئی جان پہچان نہیں۔ جس دن کالا چند اور کپل سنگھ کے آدمیوں میں جھگڑا ہوا تھا۔ اسی دن ملی تھی۔

نکو ہوشیار کرنے کے انداز میں بولا ــ اس سے ہوشیار رہنا بڑی خطرناک عورت ہے"!

سہدیو ہنس دیا، خطرناک آپ کیلئے ہو گی میرے لئے نہیں ــــ!

دیکھو لوگ کہتے ہیں اس کے پاس کوئی جڑی ہے۔ وہ جس آدمی کو چاہے یا پان میں گھول کر پلا دیتی ہے وہی اس کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اب اسی حاضری بابو کو دیکھو۔ چتا تیار ہے اس کی اور اس نے اسکو گھر ڈالکر رکھا ہے۔ نہ عمر کا خیال، نہ ذات پات کا خیال، نہ سماج کا ڈر، نہ خاندان کے مریادہ کی پرواہ۔ سب ختم.......

سہدیو کی آنکھوں کے سامنے اس موٹی مگر دلکش عورت کا سراپا آ گیا۔ اس میں ہزار خوبی سہی، ہزار ناز نخرے سہی مگر ایسی تو کوئی خاص بات اس میں نہیں تھی کہ آدمی پاگل ہو جائے۔ رہ گئی جڑی کی بات تو یہ محض ایک مفروضہ ہے۔

ننکو اس کو ابھی تک بغور دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے اس کے چہرے سے کچھ پڑھنا چاہتا ہو۔ سہدیو کو ہنسی آ گئی۔

ننکو بھائی ایسا مت سمجھئے گا کہ میں اس پر ریجھ گیا ہوں۔ عورتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ننکو بولا — عورت کو یہاں کون پوچھتا ہے ٹکے ٹکے کو ملتی ہیں۔ جتنی چاہو۔ مگر قاعدہ یہ ہے کہ آدمی ڈھول ضرور بجائے مگر اس کو گلے میں نہ ٹانگے۔

سہدیو نے اچانک پوچھا — اچھا یہ تو بتائیے یہ بات آپ کو کس نے بتائی۔

کونسی بات —؟

یہی میرے اور ائے رانی کے بات چیت کرنے کی۔

جگیشر نے —!

جگیشر —؟ سہدیو کو تعجب ہوا۔ جگیشر اس کے گاؤں گھر کا آدمی تھا۔ اسی کے ساتھ آیا تھا۔ اسی کے ساتھ کام پر بھی لگا تھا۔ وہ ایک ہی دھوڑے میں رہتا تھا۔ مگر کسی قدر الگ تھلگ۔ وہ کبھی گھل مل نہیں سکا۔ حالانکہ کول فیلڈ میں چلے ہے اور کوئی بات نہ ہو مگر اپنے گاؤں گھر کا، اپنے علاقے کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے۔ اپنے علاقے کے لوگ سمٹ سمٹ کر اکٹھے رہتے ہیں۔ الگ الگ کولیریوں میں کام کرنے والے ایک ہی علاقے کے لوگ بھی تعلقات بنائے رکھتے ہیں۔ جگیشر کچھ چُپو قسم کا آدمی تھا۔ کسی سے زیادہ بولتا چالتا بھی نہیں تھا۔ زیادہ تر باہر رہتا۔ دیر رات کو لوٹ کر دھوڑا واپس آتا اور کبھی کبھی پی کر آتا۔ ننکو اسکی

طرف مڑ کر بولا۔

جگیشر کو دیکھو! بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے کسی کے پھٹے میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ اس نے آفس کے بابو لوگوں کو بھی خوش کر رکھا ہے۔ کپل سنگھ سے بھی سلام دعاء بنائے رہتا ہے کل کپل سنگھ اسکی تعریف بھی کر رہا تھا۔

سہدیو بولا۔ میں کسی کی خوشامد نہیں کرتا۔ یہ میری عادت میں ہے۔ پھر مجھ کو بابو لوگوں سے یا کپل سنگھ سے کیا لینا دینا ہے۔ مجھے تو کوئلہ کاٹنا ہے اور اپنی مجوری لینی ہے۔

ننکو بولا۔ دیکھو جیسا دیس ویسا بھیس تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔ یہاں اتنے آدمیوں میں رہنا ہے مل جل کر نہیں رہو گے تو کیسے گذر ہوگی۔؟

مل جل کر رہنے کیلئے کیا کپل سنگھ ہی رہ گیا ہے۔؟

نہیں تو کیا کالا چند دوستی کرنے جوگ ہے۔ یا اسکی بہن۔؟

ننکو کا وار تیکھا تھا۔ سہدیو دھیمے سے بولا۔

میری اس سے دوستی نہیں ہے، بس سنجوگ سے ایسا ہو گیا۔

سنجوگ کی کیا بات ہوئی۔؟ کالا چند کو مار کھاتے کیا تم نے اکیلے ہی دیکھا تھا؟ وہاں تو پچاسوں آدمی موجود تھے۔ خود جگیشر بھی تھا اس نے تو کوئی لوٹ ٹاک نہیں کی۔

جگیشر —؟ پتہ نہیں کیوں شروع سے یہ آدمی اسکو پسند نہیں آیا تھا وہ تقریباً اس کا ہم عمر تھا۔ اور اسی کی دیہہ کاٹھی کا بھی۔ صرف اسکی آنکھیں چھوٹی اور چمکدار تھیں یہ آنکھیں ہمیشہ، ہمہ وقت داہنے بائیں اوپر نیچے ناچتی رہتی تھیں۔ ایک سکنڈ کے لئے بھی استھر نہ رہتیں۔ ایسا لگتا جیسے وہ کسی چیز کا متلاشی ہو۔ ایسی آنکھوں والے لوگ سادھارن نہیں ہوتے۔ یہ بات سہدیو جانتا تھا شاید اسی لئے وہ خود بھی اس کی طرف زیادہ نہیں جھکا۔ اس کی جگہ رحمت میاں جو ایک الگ دھرم الگ جاتی کا آدمی تھا اسکے نزدیک آگیا۔ کبھی کبھی تو اسکو لگتا ہے جیسے بچپن سے ساتھ رہے ہوں۔

دوسری پگڈنڈی پر اترتے اترتے انہیں رحمت مل گیا۔ وہ انہیں کی تلاش میں آرہا تھا۔ بے حد گھبرایا ہوا۔ ان لوگوں کو آتے دیکھا تو اس کی جان آئی۔

کیا ہوا۔؟ تم لوگوں کو دیر ہوئی تو میں سمجھا کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو گئی ہو۔ لالو کہتا تھا۔

ان لوگوں کا کوئی ٹھیک ہے۔ یہ سالے اپنے باپ کے بھی نہیں۔

سہدیو سہج بھاؤ سے بولا۔ لوگ جھوٹ موٹ ڈرتے ہیں۔ ان سے وہ بھی ہماری طرح آدمی ہی ہیں۔

نکو بولا آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے ابھی تمہیں آئے کتنے دن ہوئے ہیں۔ سال دو سال رہ جاؤ تو پتہ چل جائے گا۔

رحمت میاں اس کو ڈانٹنے لگا۔ تم جھوٹ موٹ کسی کے معاملے میں مت پڑا کرو۔ یہی سالا کالا چند ہم لوگوں کو درگاپوجا کا پاٹھا کہا تھا کہ نہیں۔

دھوڑہ پہنچے تو لوگ ان کے منتظر تھے۔ انہیں بخیریت واپس آتا دیکھ کر سبھوں نے اطمینان کی سانس لی۔!

حاضری بابو بہت ٹھنڈے دماغ کے، بہت ٹھنڈے دل کے، بہت ٹھنڈے جسم کے اور بہت ٹھنڈے سبھاؤ کے آدمی ہیں۔ ایسی گرم عورت سے کیسے جا ٹکرائے یہ کوئی نہیں جانتا۔ شاید اس ساری ٹھنڈک کو دور کرنے کے لئے انہیں کسی گرم چیز کی ضرورت تھی ادھر رانی کو گرم یا ٹھنڈے سے کوئی مطلب نہیں تھا اسے کوئی عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا چاہئے تھا۔ اور یہ دونوں صفات حاضری بابو میں موجود تھیں۔

تنخواہ تو وہی دو سو روپیہ مہینہ تھی۔ مگر سینکڑوں مزدوروں میں دس پندرہ حاضریاں روز بچا لینا ایسا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ کسی کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔ کوئی رات کو لونڈے ناچ دیکھنے چلا گیا۔ کسی کے گھر سے کوئی خبر آگئی اور چھٹی نہیں ملی۔ حاضری بابو بڑے دیالو ہیں۔ سب کا کام کر دیتے ہیں شرط بس اتنی ہے کہ حاضری کا پیسہ وہ لے لیتے ہیں۔ اگر پندرہ حاضری بھی مل گئی تو اور مین (over man) اور مائننگ سردار کا حصہ نکال کر بھی بیس پچیس روپے بچ ہی جاتے ہیں۔ رنڈوے ہیں، کوئی اولاد بھی نہیں، دور نزدیک کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں دکھائی دیا کبھی سو بوند بوند کر کے تالاب اب اتنا بھر گیا ہے کہ کوئی بھی ڈول ڈال کر پانی نکال لینے کی سوچ سکتا ہے۔ یوں بھی اب رانی ہر طرح کی لکا چوری سے اوب چکی تھی۔ اس ڈھلتی عمر میں اسکو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی تاکہ اگر حاضری بابو چھوڑ بھی دے تو اسکو چھوڑتے چھوڑتے اتنا بٹورلے کہ گھر گھر دانہ چگنے کی ضرورت نہ رہے۔

باؤریوں کے یہاں اگر کسی کی بہن یا بیٹی ذرا سا کھیل کھالے" تو یہ بہت خاص بات نہیں ہوتی مگر ان میں بھی کالا چند جیسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے دامن پر ذرا سا بھی داغ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ہی یہ گوارہ کرتے ہیں کہ کوئی انگلی اٹھاکر یا آنکھ کے اشارے سے بتائے کہ فلاں کا بھائی یا فلاں کا باپ ہے۔ رانی کو بے انتہا چاہنے کے باوجود اس نے برسوں پہلے سے اس کو صبر کر لیا ہے۔ اس وقت سے جب سے وہ پہلے پہل پر پھول جوشی کی داشتہ بنی، پچھلے پندرہ برسوں سے اسکو معلوم ہے کہ وہ کہاں کہاں بھٹکتی رہی ہے۔ مگر اس نے کبھی اس کی کھوج نہیں لی۔ کبھی راستہ باٹ میں مل گئی تو منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ کسی نے ذکر کیا تو فرش پر تھوک کر پاؤں سے مسل دیا۔ ایک آدھ بار اس کے گھر بھی آئی کہ پرانے رشتے پھر سے استوار ہو جائیں مگر اس نے کھڑے کھڑے دھتکار دیا۔ آخری بار جب وہ حاضری بابو سے لگی تو اسکنے کان میں حاضری لگوانی ہی چھوڑ دی۔ یہ بات تقریباً سب لوگ جانتے ہیں۔ حاضری بابو سے مذاق مذاق میں بہت کچھ کہہ بھی جاتے ہیں۔ مگر کالا چند سے اس سلسلے میں مذاق کرنا تو دور رہا بات کرنے کی بھی کوئی جرائت نہیں کر پاتا۔ یہاں تک کہ حاضری بابو کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو کچھ کہہ لیں۔ وہ بے چارے تو موٹے شیشے کی عینک سے اس کو آتا جاتا دیکھتے رہتے ہیں وہ ایسے آدمی ہیں جو اپنے کام میں کہیں سے کوئی کھونچ نہیں چھوڑتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کالا چند اگر اسکو قبول نہ بھی کرے تو اس کے لئے کدورت بھی نہ رکھے۔ وہ جو اس دن کالا چند اور کپل سنگھ میں جھگڑا ہوا تھا۔ اس دن انھوں نے ہی یہ بات رانی کو بتائی تھی اور اسی نے رانی کے ہاتھ روپے بھجوائے تھے۔ ان کا یہ خیال غلط نہیں ہے کہ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ مگر کالا چند کے سلسلے میں یہ وار بھی خالی گیا تھا۔ رانی نے سارا ماجرا انھیں رو رو کر سنایا تھا۔

وہ دن چھٹی کا تھا حاضری بابو اپنے کوارٹر کے برآمدے میں ایک کرسی ڈالے بیٹھے تھے۔ حاضری بابو نے بہت ٹھنڈی آنکھوں سے اس کو دیکھا اور بہت ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

کون ہو تم؟ اور کس سے کام ہے۔؟

جی میرا نام سہدیو ہے۔ مجھے کالا چند کی بہن رانی سے ملنا ہے۔

اچھا تو وہ پیسے تم ہی کو دے آئی تھی۔

جی۔۔۔!

کام ہو گیا ہے۔؟

جی ہاں ہو گیا۔

کتنا لگا پورا چار سو۔۔۔۔۔

نہیں سو روپیہ کسی طرح لڑ جھگڑ کر چھڑا یا۔

یہ بھی کمال ہے۔ ورنہ وہ لوگ ایک پائی چھوڑنے والے نہیں۔ خون چوس لیتے ہیں آدمی کا۔

میں نے انہیں بہت سمجھایا، تھوڑی خوشامد بھی کی۔

حاضری بابو بولے۔ خوشامد تو اس کی اچھے اچھے کرتے ہیں۔ وہ تو بس کہنے کو چپراسی ہے۔ سچ پوچھو تو آدھی کولیری اس کی مقروض ہے۔ طاقت اتنی رکھتا ہے۔ کہ جس پر چاہے ہاتھ ڈال دے۔ اس سے کون الجھتا ہے۔

اسی لئے تو میں نے بھی الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ کسی طرح اپنا کام نکال لیا۔!

چلو اچھا کیا۔۔۔ رانی تو تم کو پیسہ دے آئی۔ پوچھا کس کو دیا تو تمہارا نام بھی نہ لے سکی، حلیہ پوچھا تو وہ بھی نہ بتا سکی، میں نے سوچا کہ لو یہ چار سو بھی گئے۔ اس کو ڈانٹا کہ تم کس کو روپیہ دے آئی تو وہ بولی کہ وہ آدمی ضرور ایماندار ہو گا۔ بتاؤ وہ اس کلجگ میں ایمان کی بات کرتی ہے۔

سہدیو ہنسا۔ اس نے کچھ غلط تو نہیں کہا ہے۔

تمہارا نام سہدیو ہے نا۔ تم تو جنرل شفٹ میں ہو۔

ہاں دن پلہ ہیں۔

چارپائی کھڑی ہے اس کو گرا کر بیٹھو، کھڑے کیوں ہو؟ کاغذ لے آئے ہو۔

جی ہاں! سہدیو نے کاغذ حاضری بابو کو دیدیا۔ حاضری بابو نے اس پر ایک نظر ڈالی پھر

سہدیو سے بولے۔

تم نے دیکھا اس کو۔ انھوں نے رقم کا ہندسہ دکھلایا اس کو سو روپے کی رقم کی جگہ وہاں ہزار روپیہ لکھا ہوا تھا۔

یہی کرتے ہیں وہ لوگ، نکلنے نہیں دیتے اپنے جال سے۔

اسی وقت اندر سے رانی نکل آئی۔ اس کو دیکھا تو خوش ہو کر حاضری بابو سے بولی، دیکھو میں نے کہا تھا نا کہ وہ ضرور آئے گا۔!

حاضری بابو خوشدلی سے ہنسا۔ ایک تو تم بے وقوف تھیں کہ ایک انجان آدمی کو روپیہ دے آئیں۔ اور یہ ایک تم سے بھی بے وقوف ہے کہ اس روپیہ کو ہضم نہ کر سکا۔ کام بھی کر دیا۔ اور سو روپیہ بچا کر واپس بھی کرنے آ گیا، کم سے کم یہ سو روپیہ تو جائز تھا اس کے لئے۔

رانی بولی! سب تمہاری طرح تھوڑے ہی ہیں کہ ادھر آنکھ چوکی ادھر مال اندر۔

آگے حاضری بابو ذرا کھل کر ہنسا۔ دیکھو یہ الزام غلط ہے۔ میں آنکھ پھیرنے پر کوئی کام نہیں کرتا۔ جو ہوتا ہے سب کی کھلی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ اگلے جنم میں میں براہمن رہا ہوں گا۔ اس لئے اس جنم میں خود ہی لوگ میری جھولی بھر جاتے ہیں۔

رانی نے بڑی ادا سے ذرا سا منہ بچکایا اور سہدیو سے مخاطب ہوئی۔

کام تو ہو گیا۔ اب تو کالا سے کوئی معاملہ نہیں رہ گیا۔ کاغذ لے لیا تھا۔؟

ہاں لے لیا تھا۔ اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا حاضری بابو سمجھتے ہیں۔

رانی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ اچھا تم بیٹھو، جانا مت، میں چائے بنا کر لاتی ہوں "!

وہ اندر چلی گئی تو حاضری بابو نے اس سے پوچھا۔

کچھ پڑھے لکھے ہو یا وہی انگوٹھا چھاپ۔؟

دس کلاس تک پڑھائی کی ہے "!

دس کلاس۔؟ حاضری بابو حیرت زدہ رہ گیا۔ کیونکہ وہ خود مڈل پاس تھے انہیں تو اور پر بھی کام مل جاتا۔

اور پر کام میں نے خود پسند نہیں کیا۔ سو ڈیڑھ سو کی کلرکی میں زندگی گذر جاتی۔

ارے تو انڈر گراؤنڈ میں ہی کون سا ہن برس رہا ہے۔

کم از کم آگے بڑھنے کے مواقعے تو ہیں۔ اور نہیں کچھ تو مائننگ سردار۔

مائننگ سرداری کیا آسان ہے؟ ہر شیکشن میں چھ مہینہ کم کے کام کرنا پڑے گا، ملکٹا، لوڈر، ٹرامر، کھونٹا مستری وغیرہ کم سے کم تین برس تو نکل جائیں گے۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، جتنا تم سمجھ رہے ہو"۔

ایک آئڈیا یہ بھی ہے کہ دھیرے دھیرے کچھ رقم جمع کر لونگا اور اسی رقم سے گاؤں میں زمین خرید کر لوٹ جاؤں گا۔

حاضری بابو نے بڑے ترحم سے اسکی طرف دیکھا۔ تم سچ مچ بڑے بھولے ہو، تمہیں شاید پتہ نہیں، کہ یہ خواب سبھی دیکھتے ہیں، مجھے ہی دیکھو، اورنگ آباد کا رہنے والا ہوں، میں نے بھی یہی سپنا دیکھا تھا مگر کیا ہوا؟ گاؤں میں پہلے سے جو زمین تھی اس کو بھی بیچ دیا۔

اسی وقت رانی اندر سے چائے لیتی آئی۔ حاضری بابو نے اسے بتایا۔

یہ اپنا سہدیو ہے نا یہ بہت پڑھا لکھا ہے دس کلاس پاس ہے۔

اوماں! وہ بنگالیوں کے مخصوص دلنشیں انداز میں بولی —— تب پھر یہاں کالا ڈھول بجانے کیوں آگئے۔ کلکتہ چلے جاتے۔

اس علاقے میں جتنے بنگالی ہیں سب کا کعبہ کلکتہ ہے۔

کی شہر آچھے ماں گو۔ وہ بے حد میٹھے لہجے میں بولنے لگی، کتنا بڑا شہر ہے۔ کتنا بڑا بڑا بلڈنگ ہے۔ کتنا گاڑی چلتا ہے۔ ہمارا تو وہاں سے آنے کا من نہیں کر رہا تھا۔

وہ سن نہیں رہا تھا صرف اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک اکیلی عورت، چاروں طرف جوجھتی، لڑتی حالات سے ٹکراتی، ..... لوگ کہتے ہیں کہ اس نے کتنے کھیل کھیلے ہیں۔ مگر دراصل اس نے صرف ایک کھیل کھیلا ہے۔ زندہ رہنے کا کھیل۔ وہ ہر بار حالات کو اپنے رُخ پر موڑتی رہی ہے۔ اکیلی۔ اس کے پاس صرف ایک ہتھیار رہے۔ اس کا جسم، سانولا۔ سلونا۔ بنگال کی کیوال مٹی سے بنا بس ایک جسم، اس نے اس ہتھیار کو آج تک کند نہیں ہونے دیا۔ اس ڈھلتی عمر میں بھی کہیں کچھ ہے جو مقناطیس کی طرح آدمی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے وہ شاید اپنے فن کی ماہر ہے۔

اس نے چائے ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا اور بظاہر حاضری بابو کو مخاطب کر کے بولا۔

اچھا میں چلتا ہوں -!

حاضری بابو نے اس کو بے حد ٹھنڈی آنکھوں سے دیکھا۔

کبھی کوئی کام پڑ جائے تو بولنا۔ انچارج بابو سے میری اچھی جان پہچان ہے۔

●

رحمت گھر سے واپس آیا ہے۔

آٹھ مہینہ بعد چھ دن کی چھٹی لیکر گیا تھا۔ پندرہ دن کے بعد واپس آیا ہے، جتنا ناغہ ہوا ہے اسکی حاضری حاضری بابو نے بنادی ہے۔ اور اسکے تاخیر سے آنے پر ایک جملہ بھی جڑ دیا ہے۔

کیا جی! کمبل تم کو نہیں چھوڑ رہا تھا یا تم کمبل کو ___؟

لالو بولا۔ حاضری بابو! رحمت میاں ایکدم بدھو آدمی ہے۔

وہ کیسے؟ حاضری بابو نے نظر اٹھاکر اسکی طرف دیکھا۔

اس کو چاہیئے تھا کہ کمبل کو ساتھ لیتا آتا ___!

کوئی اور بولا۔ اچھا کیا جو کمبل ساتھ نہیں لایا۔ ورنہ کوئی دوسرا ہی اوڑھ کر گھومتا۔

ایک دبلے پتلے مزدور نے لجاجت سے کہا، میں تو رحمت بھائی سے مانگ لیتا۔

قہقہے کے بیچ کسی نے ازراہ مذاق پوچھ لیا۔ کمبل نیا ہے یا پرانا۔

چلو جاڑا کٹ جاتا ہوگا۔ ہے نا.....

اس کمبل پر بہت دیر تک ہنسی مذاق چلتا رہا۔ فقرے اور بولیاں اور فوارول کی طرح پھوٹتے قہقہے۔ اس دوران سہدیو اپنے ہی کمبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ جلیا کی شادی ہوگئی ہے دھرمپور کے کسی آدمی کے ساتھ۔ یہ خبر رحمت میاں نے دی ہے۔ یہ کوئی دو مہینہ پہلے کی بات ہے۔ بھابی کی کئی چٹھیاں اس بیچ آئی ہیں۔ کسی میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ شاید اس کو معلوم بھی نہ ہو۔ کہ جلیا اسکے لئے کیا تھی البتہ بھابی کو پتہ تھا۔ اس بارے میں ایکبار اس نے بھابی سے پوچھا تھا۔

جلیا کا ذات گوتر ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے ___؟

اس کی بھابی چونک گئی تھی پھر پوچھا تھا۔

کیا بات ہے ___؟ کہیں کچھ......

ہٹ — ! وہ بھاگ نکلا تھا کانوں میں بھابی کی آواز دور تک سنائی دی تھی۔

کہو تو تمہارے بھائی سے کہوں!

اس دن کے بعد اس نے پھر کبھی کوئی ذکر جلیا کا نہیں اٹھایا تھا گو اس کی بھابی نے کئی بار چھیڑا بھی۔

ہولی میں وہ گھر نہیں جا سکا تھا۔ پتہ نہیں جلیا نے تہوار منایا یا نہیں، لیکن اس نے گرہ دھاری کے کنویں میں ڈوب کر جان نہیں دی تھی اور بیاہ کر وھر میور چلی گئی تھی۔ کوئی چیز تھی جو کھو گئی، افسوس ہوا، بڑی رات تک آنکھیں جاگتی رہیں۔ سلونا چہرہ، چمکیلی آنکھیں، اور بات کرنے کا ڈھیٹ تیکھا اور تحکمانہ انداز، یادوں کا ایک بھنور تھا جس میں اس کی نیند چکر کھاتی رہی۔ ساری رات، صبح کو سب کچھ اداس، غمگین اور بے رس تھا۔ ہونٹوں پر ایک تلخ ذائقہ، ذہن میں ہزیمت کا احساس، شاید کوئی بچہ ایسے ہی ٹھگا سا کھڑا رہ جاتا ہوگا۔ جس کے ہاتھ سے چپ دونا جھٹک کر لے اڑتی ہوگی۔

ایک بات اور رحمت میاں نے بتائی ہے اور وہ بھی کم افسوسناک نہیں ہے، اس نے بتایا کہ کھرسواں ہائی اسکول کا ہیڈ پنڈت دینا ناتھ جس کو سب لوگ پگلا پنڈت کہتے تھے مر گیا۔

آنکھوں کے سامنے ایک بے حد گورا، بالکل سفید چہرہ ابھر آتا ہے اس کی آنکھیں ہمیشہ ادھ کھلی رہتی تھیں۔ جیسے نشے میں ہوں۔ دبلا پتلا شریر، اتنا دبلا کہ زور کی ہوا چلے تو اڑ جائے مگر آواز غضب کی ہے۔ بولتا ہے تو لگتا ہے کوئی دوسرا ہی آدمی بول رہا ہے۔ مائیک بے کار ہے اس کے سامنے جس گھڑی کسی بات پر گرجتا ہے تو لگتا ہے جیسے شیر دھاڑ رہا ہو۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کتنا پڑھتے ہیں پنڈت جی،

دوسرے روز دن بھر بے چینی سی رہی۔ کام میں بھی اس کا من نہیں لگا۔ وہ کارڈ لوڈ کرتے کرتے وہ اکتا گیا۔ رات کو جب سب لوگ سو گئے تو وہ چپکے سے رحمت کے بستر پر جا بیٹھا تھا۔ اس نے جلیا کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ جلیا کے بارے میں رحمت میاں کچھ جانتا بھی نہیں ہوگا۔ اس نے تو بس سنا ہوگا۔ کہ اس کے گاؤں کی خلاں لڑکی کی شادی ہوگئی ہے یا ممکن ہے اس کی بھابی نے جان بوجھ کر اس کو یہ بات بتائی ہو بہرحال بندھن ٹوٹ گئے تھے پنچھی اڑ چکا تھا۔ دوسرے دیس، پرائے دیس، جو کچھ ہونا ہے

اس کے اندر ہی ہو ...... باہر کیوں آئے ۔؟ نہیں وہ باہر کچھ بھی نہیں آنے دیگا۔ ایک چنگاری بھی نہیں ..... دھوئیں کی ایک لکیر بھی نہیں۔ جو آگ ہے اس کو اندر ہی رکھے گا۔

چنانچہ اس بابت اس نے کچھ نہیں پوچھا اس نے بس بگلا پنڈت کے بارے میں دریافت کیا۔

بگلا پنڈت بیمار تھا کیا؟ کیسے مر گیا۔؟!

نہیں بیمار نہیں تھا۔ پاگل ہو گیا تھا"

پاگل ۔۔؟ اسکو بہت تعجب ہوا پھر وہ ہنس کر بولا۔

پاگل تو وہ تھا ہی "!

نہیں ادھر بہت بگلا گیا تھا۔ لڑکوں کو پڑھانا لکھانا کچھ نہیں تھا۔ رات رات بھر سڑکوں پر بے مطلب پھرتا۔ اندھیری اکیلی جگہوں میں بھاشن دیتا ..... لوگ سمجھا بجھا کر لاتے تو کہتا میں کہاں جاؤں ۔؟ سب لوگ مر گئے ہیں۔ سارا کوروکیشتر لاشوں سے پٹا پڑا ہے۔ ایک بھی آدمی جیوت نہیں۔ میں کس کو مخاطب کروں؟

ایک دن وہ ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں گھس گیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر سے اس نے بڑے اُستاد سے پوچھا تھا۔

اچھا یہ بتائیے سر کر شیو جی نے منتھن کیا۔ اور وہاں سے امرت نکالا اور سارا وِش خود پی لیا۔ اگر ایسا تھا تو وہ امرت کہاں ہے۔ اور پھر زمین پر زہر کہاں سے آگیا؟

ہیڈ ماسٹر بے چارے کام میں اُلجھے تھے۔ بُری طرح برافروختہ ہوئے۔

یہاں آپکو کس نے بھیجدیا میرا دماغ چاٹنے کو۔؟ جائیے باہر جائیے۔

نہیں سر یہ سوچنے کی بات ہے کہ نہیں؟ آخر زہر جب شیو جی پی چکے تو پھر۔

ہیڈ ماسٹر ایک دم سے گرج پڑے۔

مَیں کہتا ہوں آپ باہر جائیے۔

وہ کرسی سے اٹھا، باہر جانے لگا مگر پھر لوٹ کر آگیا۔

وہ تو ٹھیک ہے سر! میں چلا جاتا ہوں ..... لیکن آخر دھرتی کو بھی ایک منتھن کی ضرورت ہے کہ نہیں ۔۔؟

ہیڈ ماسٹر آپے سے باہر ہو گیا، چپراسی کو بلوایا۔ چپراسی نے اس کو بازو سے پکڑ کر باہر کیا۔

اب تم ہی بتاؤ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے ۔ ہیڈ ماسٹر نے اوپر اس کی رپورٹ کی، سارے ماسٹروں کی رائے میں وہ ایکدم پاگل ہو گیا تھا۔ ابھی اسکو ابھی پاگل خانہ لیجانے کی بات ہو ہی رہی تھی کہ اس نے اسکول کے چھت سے کود کر خودکشی کر لی۔

خودکشی ۔ ؟ سہدیو نے ایکبار پھر اندھیرے میں اس کو حیرت سے دیکھا۔

ہاں خودکشی ۔ اور وہ کرتا بھی کیا ۔ سروا سچ مچ پاگل تھا ہو۔ رحمت ہنسا۔

سہدیو ہنسا نہیں صرف ایکبار اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمکیں اور بجھ گئیں۔ اس نے ایک عجیب سی، بے نام سی خلش محسوس کی، ویسی جیسی وہ اسکول کے زمانے میں تب محسوس کرتا تھا۔ جب کوئی مشکل سوال سمجھ نہ پاتا، یا جب وہ سوال سمجھ میں آتے آتے رہ جاتا۔ رحمت بولا۔

کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ وہ پہنچا ہوا آدمی تھا۔ مؤکل اسکے قبضے میں تھے ۔

مؤکل کیا ۔ ؟

مؤکل مطلب جنات، روح ، اگر وہ چاہتا تو ہیڈ ماسٹر کی گردن مروڑوا دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیوں۔ اس میں بھی کچھ مصلحت ہو گی ۔

سہدیو نے اسکو کچھ نہیں کہا بس چپ رہ گیا۔ اس کو بہت غم نہیں ہوا۔ آدمی کی موت کوئی معنی نہیں رکھتی اس لئے کہ ہر کسی کو ایک دن مرنا ہے، لیکن بعض اوقات کسی کسی کے مرنے سے ایک کھٹک رہ جاتی ہے ۔ بس ایک کھٹک ...... لگتا ہے ۔ جیسے کوئی زندہ آدمی مر گیا ہو۔ ایکدم زندہ اور جوالنت ......

رحمت نے اس سے پوچھا ۔

تم تو اس سے بڑے ہو ۔ ؟

ہاں ۔ !

ایکدم پگلا تھا کہ نہیں ۔ ؟ وہ ہی ہی کر کے ہنسا ۔ سہدیو نے اس کی ہنسی میں ساتھ نہیں دیا۔ صرف بڑے یقین سے اتنا کہا۔

نہیں وہ پاگل نہیں تھا۔ وہ اس پاگل دنیا کا ایک ہوشمند انسان تھا۔

رحمت ہنسنے لگا — اب تم بھی پگلاوگے لگتا ہے "۔!

دونوں چپ ہوگئے۔ بہت دیر تک چپ رہے پھر سہدیو نے پوچھا۔

میرے گھر گئے تھے۔ سب لوگ ٹھیک تھے۔

سب آنند میں ہیں۔ میری بہت خاطر کی، ایک روز روک رہے تھے۔ مگر میرا کمبل.....

رحمت میاں دن کی بات یاد کر کے ہنسا۔

تمہارے اپنے یہاں ٹھیک ہے سب۔؟

میرے یہاں ہے ہی کون۔ ایک بوڑھا باپ ہے۔ ایک بیوی ہے اور ایک بچہ۔ پھر اس نے خوش ہوکر بتایا۔

میرا بیٹا پڑھنے لگا ہے اسکول میں۔ ابھی نیا نیا کھلا ہے گاؤں میں سرکاری ہے۔!

اگر دن ہوتا، یا ڈھبری جل رہی ہوتی تو وہ رحمت میاں کے خوش و خرم چہرے کو دیکھ پاتا۔ ایسے چہرے کو جس کے روم روم سے خوشی پھوٹ پڑنے کو بے چین تھی۔ شاید آنکھوں میں اتر آنے والے غرور کے نشے کو بھی دیکھ پاتا جس میں کہیں ایک چھوٹی سی حسین دنیا کی تصویر بسی ہوتی، کنوئیں سے پانی لاتی۔ اس کا بستر لگاتی، اپنے بیٹے کو جانگیہ پہ بٹھاتی۔ کسی ان کہی، ان سنی بات پر کھلکھلا کر ہنستی۔ ایک مکمل اور بھرپور عورت، آسودہ اور مطمئن، لبالب بھری ہوئی،

رحمت بولا۔

تم سوؤ گے نہیں آج۔؟

سونا رحمت میاں بھی نہیں چاہتا۔ مگر ایکانت چاہتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے مناظر کو بار بار دیکھنا چاہتا ہے....... لگاتار.....

سہدیو اسکے بستر سے اٹھ کر اپنے بستر پہ چلا آتا ہے کھینی تھوک کر لیٹ گیا۔

بھائی نے اس کو بلایا ہے۔ بہت دن ہو گئے ہیں۔ ہونے دو..... آخر کیا فائدہ ہے... کیا فائدہ ہے ویران اکیلا گاؤں۔ آخر کیا دھرا ہے گاؤں میں۔؟ چھٹی آتی ہے، خیر خبر مل ہی جاتی ہے، پھر گاؤں جانے کا کیا فائدہ ہے، نہیں، وہ نہیں جائے گا۔ اگلے پھاگن میں بھی نہیں جائے گا۔ کھیتی گرہستی سے اسکو کیا لینا ہے۔ وہ ایک فیصلہ کرتا ہے اور اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے،

پگلا پنڈت کی آدھ کھلی آنکھیں یاد آتی ہیں۔

وہ چمکیلی، اور روشن آنکھیں۔

مجمدار نے اس کے لئے کمرے کی اکلوتی کرسی کھسکائی اور خود چارپائی پر بیٹھ گیا۔

میں نے تم کو کپل سنگھ کے آدمیوں کے ساتھ جھگڑا کرتے دیکھا تھا۔ آفس کے سب لوگ باہر نکل آئے تھے۔ سب کو یقین تھا۔ کہ آج کچھ ہوگا۔ ایسے مناظر لوگ بڑے چاؤ سے دیکھتے ہیں۔ انسانی تذلیل کے منظر۔ تم ان کے سامنے ڈٹ گئے تو لگا جیسے آج کوئی غیر معمولی بات ہوگی۔ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ ان کے سامنے کھڑا ہونے کی جرات کوئی نہیں کرتا۔ تم میں بہت آگ ہے، بہت تیج ہے۔ مگر سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کول فیلڈ میں سب آگ بجھ جاتی ہے۔ ایکدم راکھ ہو جاتی ہے۔ بالکل پانی......!

وہ مجمدار کا کمرہ تھا۔ مجمدار کولیری میں جونیئر کلرک ہے۔ بہت کم لوگوں سے ملتا ہے، بہت کم لوگوں سے بات کرتا ہے۔ آج راستے میں مل گیا تھا اور اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تھی۔ بابو اور لیبر کے بیچ جو ایک سیڑھی اوپر اور ایک سیڑھی نیچے کا رشتہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی انہیں ایک دوسرے کے نزدیک نہیں ہونے دیتا۔ لیبر کسی بابو کو سلام کر سکتا ہے۔ بلا بھی سکتا ہے، مگر کوئی بابو بلا ضرورت کسی لیبر کو منہ نہیں لگاتا ہے۔ چنانچہ آج مجمدار کی دعوت پر اسے خوشی کم اور تجسس زیادہ تھا۔

بڑی سڑک پر کوئی فرلانگ بھر چلنے پر ایک بستی ملتی ہے۔ سونا پور۔ اسی بستی میں مجمدار نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے۔ جب شروع شروع میں بحال ہوا تھا تب کولیری کا کوئی کوارٹر خالی نہیں تھا۔ اس لئے مجبوراً اس کو بستی میں ایک کمرہ لینا پڑا۔

اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے شادی خود ہی نہیں کی تھی۔ دو سو روپیہ مہینہ میں تو بیوی کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ جب تک دو سو روپے بڑھ کر تین سو ہوں گے۔ تب تک کئی بچے آ چکے ہوں گے۔ اور دنیا کے رسم و رواج میں پھنس کر سر پر جو تھوڑے سے بال بچ گئے ہیں وہ بھی غائب ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس کی بیوہ ماں اس کو سمجھاتے سمجھاتے مر گئی۔

مگر اس نے شادی نہیں کی۔ اب آفس میں کوئی شادی کی بات پوچھتا ہے تو وہ انگریزی کا ایک مقولہ دہرا دیتا ہے۔

When the milk is avalale in the market, there is no need to perchak a cow.

اور یہاں کول فیلڈ کے بازار میں دودھ نہ صرف یہ کہ بکثرت ملتا ہے۔ بلکہ بہت سستا ملتا ہے اور اکثر مفت، ویسے اس کو عورتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں کتابوں کا شوق بہت ہے چنانچہ سہدیو اس کے کمرے میں دیکھتا ہے کہ چاروں طرف کتابوں اور اخباروں کا انبار لگا ہوا ہے، دیوار میں بنی الماری میں کتابیں سجی ہیں۔ طاق میں ٹھونسی ہوئی ہیں، بستر پہ بکھری ہوئی ہیں۔ بلکہ فرش پر بھی ایک آدھ پڑی ہیں۔ دوسرا پگلا پنڈت!

چنانچہ اس کو کرسی پر بیٹھا کر اس نے جو پہلا سوال کیا وہ یہی تھا۔

میں نے سنا ہے تم بہت پڑھے لکھے ہو۔ کتنا پڑھا ہے۔؟

ہائی اسکول فائنل نہ دے سکا تھا"!

تب تو کافی پڑھائی کی ہے تم نے باہر کی کتابیں بھی پڑھیں ہیں۔؟ میرا مطلب ہے کورس کی کتابوں کے علاوہ گھر پر پڑھتا تھا۔ پر یہاں تو کتابیں نہیں ملتیں۔

اب تک کیا پڑھا ہے تم نے مارکس کو پڑھا ہے۔

نہیں ـ!

پریم چند، ٹیگور......

نام یاد نہیں۔ اسکول میں ایک پگلا پنڈت تھا۔ وہی ہمیں کتابیں دیا کرتا تھا۔ کبھی کہانیوں کی، کبھی ناول، کبھی ایسی کتابیں جو ہمیں بالکل سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ انھوں نے ہمیں مہابھارت بھی پڑھوائی تھی۔

مہابھارت میں کرشن کا کردار کتنا عجیب ہے، ہے نا۔؟

اتنی گہرائی سے میں نے نہیں پڑھا تھا۔ پھر دس کلاس کے طالب علم کے سمجھ میں آ جائیگی وہ"؟

علم اور دانائی اسکول یا کالج کے کلاسوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ بس کتاب پڑھنا چاہیئے

کیونکہ کتابیں سچ بولتی ہیں۔ ایکدم سچ، کھری بات، میں تو کتاب پڑھنے کو پوجا کے برابر مانتا ہوں،
خیر چھوڑو ان باتوں کو جس دن تمہارا جھگڑا کپل سنگھ کے آدمیوں سے ہوا تھا اسی دن سے میں
تم سے ملنا چاہتا تھا، تمہارے تیور......

اس دن میں چھوٹ موٹ ہی اس جھگڑے میں پھنس گیا تھا۔ لوگ کالا چند کو گھیر کر مار رہے
تھے۔ مار کیا رہے تھے۔ ذلیل کر رہے تھے۔ اور یہی بات مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔

مگر دیکھنا پڑتا ہے۔ کتنے دن ہوئے تمہیں کولیری میں آئے۔

آٹھ مہینہ۔!

اسی لئے۔!

سہدیو نے استفہامیہ انداز میں اسکی طرف دیکھا۔

اس کول فیلڈ میں رہنے کی یہ پہلی ہے کہ دیکھو سب کچھ، سنو سب کچھ، مگر بولو کچھ نہیں، ایک
لفظ نہیں یوں سمجھ لو یہاں کے لوگوں کے پاس آنکھ ہے۔ کان ہے۔ مگر منہ نہیں، زبان نہیں، چھ
سال ہو گئے مجھ کو مختلف کولیریوں میں کام کرتے، میں نے کسی کو بولتے نہیں سنا، کسی کو آواز
اٹھاتے نہیں پایا۔ جو بولتے بھی ہیں وہ ایک مقررہ حد میں اپنی بات کو کسی دوسرے معنی میں لپیٹ کر۔
حالانکہ تمام ایک ہی بات ہے۔ سارے کول فیلڈ میں۔

کون سی بات۔؟

وہی دھن چکر، وہی استحصال، پیروں کے تلے روند کے رکھتے ہیں سب کو اوپر سے یہ سود خور
گدھ!

مگر سوال یہ ہے کہ ہم روپیہ لیتے ہی کیوں ہیں سود پر۔؟ یہ تو سب جانتے ہیں کہ سود کا
دھندہ تباہ کرنے کا دھندہ ہے۔ کیا ہمارے گاؤں میں مہاجن نہیں ہوتے۔؟ وہ بھی تو یہی کرتے
ہیں۔ اور یہ بات سب لوگ بھلی بھانتی جانتے ہیں۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا، قریب رکھے اسٹو stove کو اٹھایا پھر ہلا کر اس بات کا اندازہ کیا کہ اس
میں تیل ہے یا نہیں پھر سہدیو کی طرف مڑ کر بولا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ آدمی قرض تفریحاً لیتا ہے۔؟

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، ایک لمحہ اسکے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ اسٹو میں ہوا

بھرتے ہوئے بولا۔

اصل بات یہ ہے کہ جب تنخواہ پیٹ بھرنے سے کم ہو تو بھوک آدمی کو پاگل کر دیتی ہے، آدمی ایک دن بھوکا رہ سکتا ہے دس دن بھوکا رہ سکتا ہے مگر کب تک۔؟ بچوں کو بھوک سے روتے بلکتے کب تک دیکھا جا سکتا ہے پھر اور بھی مسائل ہیں، بیماری، شادی، موت، بچے، پرسو، جانتے ہو بیس فی صد عورتیں یہاں زچگی میں مر جاتی ہیں۔ یہ مجبوری جو ہے نا سہدیو یہ بہت بری چیز ہے۔ کبھی کبھی آدمی ایسا اُلجھ جاتا ہے۔ چاروں طرف سے کہ کوئی راہ نہیں ملتی۔ بھوکی مچھلی چارے پر لپکتی ہے اور پھنس جاتی ہے اور جو پھنس گیا......

مکر جال کا نام سُنا ہے تم نے"؟

اسٹواب مسلسل شوں شوں کی آواز نکال رہا تھا۔ مجمدار نے چائے بناتے ہوئے پھر اسکی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور کوئی جواب نہ پاکر تلخی سے ہنس دیا۔

تم نئے آئے ہو۔ دو چار برس رہ جاؤ گے اور اپنے چاروں طرف دیکھو گے تو تم کو ایک قیامت برپا نظر آئے گی ہر طرف۔!

اس نے بغیر ہینڈل کے کپ میں اس کو چائے بڑھائی۔ ساتھ میں پاؤ روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ سہدیو لجاجت سے بولا۔

اسکی کیا ضرورت تھی"!

ضرورت نہیں تھی مگر تھا اس لئے دیدیا۔ نہیں ہوتا تو نہیں ملتا۔ میں تکلف نہیں کرتا۔ تم بھی مت کرنا آخر تو ہم ایک ناؤ پر سوار ہیں"!

سہدیو مسکرا کر بولا— ناؤ تو دو ہے ایک بابو کی ناؤ اور ایک لیبر کی ناؤ۔

وہ بہت زور سے ہنسا۔ چائے چھلکنے لگی تو اسکو چارپائی کی پٹی پر رکھدیا۔

بابو لوگوں کی حالت بھی تم لوگوں سے کچھ بہتر نہیں ہے۔ سب باہری چمک دمک ہے۔ اندر سے وہ بھی سڑے ہوئے ہیں۔ ایک بات بتاؤں؟ یہ بابو لوگ جو ہیں نا یہ بھی سود خوروں کے چنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ تم سود نہیں دیکر دو گالی بھی سُن سکتے ہو۔ موقع ملے تو جھگڑا بھی کر سکتے ہو۔ مگر یہ بیچارے تو اپنی عزت کی ڈر سے کچھ نہیں کر سکتے جب بہت پھنس جاتے ہیں تو نوکری تک چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ پھر کوئی دوسری کولیری

کوئی تیسری کولیری ....

سہدیو بولا۔ آپ نے جو کہا کہ ہم گالی بھی سُن سکتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ کم از کم میں گالی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ میم نے بچپن کی عادت ہے۔ میں گاؤں میں بھی اکثر اس بات پر جھگڑا کر بیٹھتا تھا۔

وہ ہنسا۔ گالی تو یہاں اتنی عام ہے کہ اس کا مطلب ہی ختم ہو گیا ہے۔ کبھی تو نیا دھوڑا اور اس کے نیچے جو کچھ جھگی جیسی جھونپڑیاں ڈال کر لوگ آباد ہیں ادھر گئے ہو ــ؟

وہ ادھر گیا تھا۔ ادھر وہ لوگ آباد تھے جو کولیری کے نوکر نہیں تھے۔ جو کسی کے نوکر نہیں تھے۔ یا یوں کہہ لیں کہ جو بیکار تھے۔ یہ کوئلہ چوری کر کے اور ٹھیکیداروں کے یہاں گاہ بہ گاہ کام کر کے اور شہر سے ناجائز شراب کے کنستر ڈھو کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ صبح دم یہ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بید کی جھوڑیوں میں کوئلہ لیکر نکل جاتے ہیں۔ چار پانچ میل چل کر قصبہ کی چائے کی دکانوں اور شہر کے کارخانوں، بیکریوں اور گھروں میں بیچ آتے ہیں۔ انھیں کوئلوں کی جھوڑیوں میں چوری کے لوہے بھی ہوتے ہیں۔ بڑے لوہے ان کے مرد اور نوجوان لڑکے کبھی کپڑوں میں لپیٹ کر اور کبھی بوروں میں بھر کر صبح تڑکے نکل جاتے ہیں۔ کولیری کے چپراسیوں سے رقم بندھی ہے۔ پھر آگے رنگدار گھیرتے ہیں۔ پولس والے الگ گھات میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ سب کو جُل دیکر کچھ کی مٹھی گرم کرتے بچتے بچاتے شہر پہنچتے ہیں، اور مال فروخت کر کے سیدھے کلالی یا تاڑی گودام میں اتر پڑتے ہیں پیتے ہیں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیتے ہیں جھگڑتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں۔ بے تحاشہ گالیاں بکتے ہیں۔ ایسی ایسی ننگی اور فحش گالیاں جن کو سن کر خود گالیوں کو پسینہ آجائے۔ عورتیں آنچل کا کونا کمر میں کھونس کر ہاتھ نچا نچا کر، جھک جھک کر، آگے جاتے جاتے پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کے جنسی کارناموں کا بکھان کرتی ہیں۔ کبھی کبھی اپنے مردوں سے الجھ پڑتی ہیں۔ تو اور مزہ آتا ہے۔ مرد اسکو مارنے پیٹنے کی دھمکی دیتا ہے، اور وہ اکڑ کر للکارتی ہے۔

لے آمار سے کلام کے بٹیا۔ دیہہ جرا کے پوت۔!

یہ دونوں گالیاں مرد کے باپ کو پڑتی ہیں۔ چنانچہ وہ غصہ سے بے قابو ہو کر اسکے گندے غلیظ بالوں کو مٹھی بھر پکڑ کر گھسوٹتا ہے۔

عورت درد سے دوہری ہوکر زمین پر پچھاڑ کھاتی ہے ۔ چار میٹر کی چھوٹی ساڑی اس کے جسم کو ڈھکے رہنے سے معذور ہو جاتی ہے ۔ سیاہ بدن جگہ جگہ سے جھانکنے لگتا ہے، کبھی کبھی بالکل کھل جاتا ہے۔

مگر عورت کا تاؤ کم نہیں ہوتا اسی حالت میں چیخ کر کہتی ہے ۔

ارے کلام کے بیٹیا۔ ارے رنڈی کے پوت ارے تور منہ میں......

بھیڑ لگ جاتی ہے۔ لوگ آوازے کستے ہیں۔ مزہ لیتے ہیں۔ شہ دیتے ہیں۔ خوب ہنستے ہیں یہ بے پیسے کا سینما ہے۔ پھوکٹ کا بائیس کوپ ..... کوئی انہیں منع نہیں کرتا۔ کوئی روکتا نہیں بلکہ اور چڑھاتے ہیں، کھیل جتنا طویل ہوگا۔ اتنا ہی مزہ آئے گا۔

جب جھگڑا نہیں ہوتا تو مزے میں بازار سے ایک روپیہ میں ایک ٹوکری سڑا ہوا آم جس کو دکاندار اس لئے رکھ چھوڑتا ہے کہ کوئی کوئلہ بیچنے والی پھنس گئی تو لے ہی جائیگی۔ خرید کر اٹھلاتے، جھومتے جھامتے چلے آتے ہیں۔ آم کے سڑے ہوئے حصے کو نوچ کر پھینک دیتے ہیں اور بقیہ آم ایک ہاتھ سے پکڑ کر چوسنے لگتے ہیں، کبھی کبھی سفید کپڑا (پلو) ہاتھ کے پچھلے حصے پر رینگنے لگتا ہے تو اسے ہاتھ جھٹک کر گرا دیتے ہیں، ہاتھ منہ آم کے گودے سے لت پت ہو جاتا ہے جن پر مکھیاں جو جھتی، اڑتی بیٹھتی ان کے ساتھ چلتی ہیں اور دیکھنے والے کو یقین نہیں آتا کہ یہ آدمی ہیں۔ اشرف المخلوقات یا یہ کہ ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔

سہدیو سوچتا رہتا ہے اور مجمدار اس کے چہرے پر نظر گڑوائے رہتا ہے، بہت دیر بعد بولا۔

تو نیا دھوڑے یا باوری دھوڑے میں بھی اسی طرح کے مناظر دکھائی دیتے ہیں، یہ تعجب خیز بات نہیں ہے، غریبی، افلاس اور روزمرہ کی چیزوں کا ابھاؤ انہیں جانوروں کی زندگی جینے پر مجبور کرتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ؟

سہدیو کے پاس جواب نہیں ہے۔ اس نے اس سلسلے میں کچھ سوچا بھی نہیں ہے بس دیکھا ہے۔ اور جو بات وہ جانتا ہے وہ وہی بات ہے جو ہزاروں سال سے بڑے لوگوں کو سمجھاتے چلے آرہے ہیں۔ اور وہی بات وہ دھراتا بھی ہے۔

امیر غریب چھوٹا بڑا۔ اونچ نیچ تو بھگوان بناتا ہے۔

نہیں بھگوان نہیں۔ ہم بناتے ہیں۔

ہم ؟

مجمدار نے اسکو آگے بولنے نہیں دیا۔

غریب، چھوٹا اور نیچ انہیں بھگوان نے نہیں بنایا۔ ان کو نیچے گرایا گیا ہے۔ ان کا استحصال کیا گیا ہے۔ ان کو بھوکا اور ننگا رکھکر، سود میں جکڑ کر، بیگار لیکر مار پیٹ کر، اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ کیڑے بھرے آم کھانے پر آمادہ ہو گئے۔ سارا سماجی شعور، سارا معاشرتی اور تہذیبی تصور ان کے یہاں مفقود ہو گیا۔ صرف ایک بات وہ جانتے ہیں کہ زندہ رہنا ہے۔ دیہاتی بات جو ایک جانور جانتا ہے۔ یہ سب ایک دو سال یا دس بیس سال میں نہیں ہوا، بلکہ ہزاروں سال سے چلتا رہا ہے یہ سب کچھ، پہلے فیوڈل نظام ......

اب مجمدار جو کچھ بول رہا تھا وہ سب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بالکل نہیں آرہا تھا۔ اس لئے وہ چائے کی پیالی رکھکر اٹھ کھڑا ہوا۔

اب چلنا چاہیئے۔!

مجمدار نے ہنس کر اسکا ہاتھ پکڑا اور پھر بیٹھا لیا۔

یہ سب باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں ہے نا۔؟ مگر ان کو سمجھنا چاہیئے اور یہی سب کچھ بتاتی ہیں کتابیں، سچائیاں، زندگی کی سچائیاں جن کو جاننے کے بعد ہی زندہ رہنے کا مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے۔

سہدیو خوشدلی سے ہنسا۔

لیکن مجھے لیڈر نہیں بننا ہے۔ اس کیلئے ہمارا جوالا مصر ہی کافی ہے۔

جوالا مصر لیڈر ہے۔؟ اسی کو لیڈر کہتے ہیں۔؟ عیاش وہ، شرابی وہ، مزدوروں سے رشوت وہ کھائے، کوئلہ چوروں اور لوہا چوروں سے پیسہ وہ وصول کرے، جس آدمی کے مورل کا یہ حال ہو اسکو لیڈر کہا جائے گا"؟

سہدیو نے ویسے ہی سہج بھاؤ سے کہا۔ مگر میرا تو اس نے بہت ساتھ دیا، کیس سنگھ کے جھگڑے کے بارے میں اس نے سُنا تو مجھے بلا کر کہا کہ تم ان سالوں سے

ڈرنا مت۔ میں تمہارے پیچھے ہوں۔ یونین تمہارے پیچھے ہے۔

اس دن جیسے ہی کان سے اوپر اٹھا تھا دو آدمی اسکے منتظر تھے۔

تم کو مصرجی نے بلایا ہے۔؟

کس نے۔؟

جوالا مصر نے وہ یونین آفس میں بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

اس کو تعجب ہوا۔ ایسی کونسی بات ہو گئی کہ جوالا مصر نے اس کو آدمی بھیجکر بلوایا ہے۔ وہ تو جلدی دکھائی بھی نہیں دیتے۔ کبھی یہاں وہاں آتے جاتے میں دعا سلام ہو جاتی ہے۔ اور بس۔ ان کو آج ایسی کیا ضرورت آپڑی۔ وہ ویسے ہی کالک میں پوتا انڈر دیر اور بنیان پہنے یونین آفس پہنچ گیا۔ کھپریل کی ایک کوٹھری جس میں چار یا پانچ کرسیاں اور ایک سستا کرم خوردہ ٹیبل پڑا تھا، جوالا مصر ٹیبل پر پڑے کاغذوں کو انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ اس کو دیکھا تو خوشدلی سے بولا۔

کا ہو سہدیو۔!

پالاگی بابا۔!

جیا، آنند کرا۔

ہم تم کو بلائے تھے...... بابا بغیر تمہید کے شروع ہو گئے۔... ہم تم کو بلائے تھے کہ سنا تمہارا کپیل سنگھ کے آدمیوں سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ کیا بات ہوا تھا۔؟

وہ کالا چند کو سود کیلئے تنگ کر رہے تھے۔ اسی بات پر تھوڑی کہاسنی ہو گئی تھی۔

جوالا بابا بولے۔ ای سالا کپلا بہت بڑھ گیا ہے اس کا رسی کھینچا ہوگا۔ پھر سہدیو سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

کوئی بات تو نہیں ہوا۔؟ کوئی مار پیٹ۔؟؟

نہیں مار پیٹ تو نہیں ہوئی۔ بس کہاسنی ہو کر رہ گئی۔

ڈرنا مت، اور تنگ مت گھرانا۔ اب سمجھ لو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، یونین تمہاری ہے۔ اگر آدمی کا ضرورت ہو تو وہ بھی ہو جائے گا۔ نیتا جی کے پاس بہت آدمی ہیں ایک سے ایک پہلوان، لٹھیت، بس اشارہ بھر کی دیر ہے۔ اس لئے ڈرنا نہیں، اس سالے سے

ایک بار ٹکرانا ہی ہوگا۔

وہ متانت سے بولا۔ نہیں اب اسکی ضرورت نہیں ہوگی۔ معاملہ سلٹ گیا ہے۔

معاملہ سلٹ گیا۔؟ کیسے سلٹ گیا۔؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔

ہم گئے تھے شام کو، اسکا پیسہ چکتا کر کے کالا چند کا کاغذ لے آئے۔

دیدیا اد کاغذ۔؟ بابا نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

ہاں دیدیا۔!

سالا سنکر وا نسی گرہ باندھنا ہے گلے میں، جتنا چھوٹنے کی کوشش کرو اتنا کسنا جاتا ہے کیسے جو تم کو چھوڑ دیا۔ سمجھ گیا ہوگا کہ جوالا کا آدمی ہے۔ نیتا جی کی یونین کا ممبر ہے اسی لئے اس نے بات نہیں بڑھائی۔ سالا مالک کا پہلوان ہے، ہمیں چیر اسی کا، کام سود کا کولیری کے لیبر کا سارا پیسہ تو وہی کھاتا ہے۔ چوس لیتا ہے۔

ہم سے تو بات نہیں بڑھایا۔ حالانکہ نشہ میں تھا تھوڑا۔

نشہ میں تو اد چوبیس گھنٹہ رہتا ہے۔ اس کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کا باپ جوالا ابھی موجود ہے کولیری میں۔ آفس میں بیٹھے لوگ ہنسنے لگے۔ ان میں سے ایک بولا۔

اس کی کو ریس آپ ہی سے دبتی ہے۔ ورنہ کولیری میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔

جوالا مصر نے پیار سے اس آدمی کو دیکھا۔

ارے اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ یونین چلانے دیتا، دو دن میں کھدیڑ کر باہر کر دیتا۔ دیکھتے نہیں لال جھنڈا والوں کو ادھر کا رُخ نہیں کرنے دیتا۔ ایک سری واستو ہے۔ وہ بھی اسی کا دلال ہے۔ دونوں سالے چور ہیں"؟

سب لوگ کھی کھی کر کے ہنسنے لگے۔ سہدیو نے بے زاری سے ان لوگوں کو دیکھا پھر بولا۔

تو ہم جائیں بابا۔؟

بابا بولے۔ ہاں جاؤ مگر اپنا خیال رکھنا۔ یہ لوگ سالے سانپ ہیں۔ کب کاٹ لیں گے پتہ نہیں اور کوئی بات ہو تو اس کو بتا دینا کہ تم جوالا کے آدمی ہو۔!

ٹھیک ہے بابا۔!

وہ آہستہ سے بولا تھا اور باہر نکل آیا تھا۔

مجمدار جو اتنی دیر سے اس کے چہرے کو پڑھ رہا تھا بولا۔

اگر تمہارا کبھی جوالامصر سے جھگڑا ہو جائے تو بالکل یہی بات تم سے کیل سنگھ کہے گا۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرانا چاہتے ہیں مگر خود نہیں۔ وہ سامنے سامنے کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ چاہیں گے کہ کوئی دوسرا ٹکرائے اور یہ کام نکال لیں۔ کیل سنگھ کمپنی کا غنڈہ ہے تو جوالامصر نیتاجی کا غنڈہ ہے کوئی خاص فرق نہیں ہے دونوں میں۔ دونوں کے راستے الگ ہیں مگر منزل ایک ہے۔ پیسہ ..... اور یہ پیسہ وہ مزدوروں سے حاصل کرتے ہیں، ایک چھین کر حاصل کرتا ہے اور ایک اپنی حکمتِ عملی سے۔ یہ دونوں جونک ہیں، جونک جانتے ہو؟ یہ ایک جانور ہوتا ہے جو خون چوستا ہے، آہستہ سے بدن سے چمٹ جاتا ہے اور خون چوسنے لگتا ہے۔ بڑھتا اور موٹا ہوتا جاتا ہے۔ اور جتنا موٹا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ خون چوستا ہے۔ سچ تو یہ ہے سہدیو کہ ٹریڈ یونین یہاں ایک مذاق سے زیادہ کچھ نہیں۔ اتنا ہی بڑا مذاق جتنا بڑا مذاق کیل سنگھ جیسے کمپنی کے دلالوں کے گروہ کا ہے۔

سہدیو اکتا کر بولا — مگر رہنا تو انہیں کے ساتھ ہے، مجمدار بابو"!

ہاں انہیں کے ساتھ رہنا ہے۔ اسی اندھیرے میں رہنا ہے . . . . . اسی راستے پر چلنا ہے جو اتھاہ اندھیرے میں ڈوبا ہے۔ وہ ذرا سا رکا پھر سہدیو کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

مگر اس اندھیرے میں بھی ایک دھندلی، قدرے روشن مگر بہت پتلی سی پگڈنڈی ہے۔ اس کو لوگوں کے پیروں کا اسپرش چاہیئے۔ پھر وہ بڑھتی اور چوڑی ہوتی جائے گی۔ اور ایک دن شاہراہ بن جائے گی . . . . . . !

اب سہدیو ایکدم بور ہو گیا تھا۔ اتنا فلسفہ تو پگلا پنڈت بھی نہیں بگھارتا تھا

وہ اٹھا تو مجمدار نے ہاتھ ملایا۔

کبھی کبھی میرے گھر آیا کرو۔

باہر نکلتے نکلتے اس نے پلٹ کر کہا۔ آیا کروں گا۔ ■■

اندھیرے میں چلتے ہوئے رحمت نے اس کا ہاتھ چھوا تھا۔

"میرے ساتھ ساتھ چلو، مجھے ڈر لگتا ہے" !

ڈر — ؟ اس نے چونک کر رحمت کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہاں اندھیرا بہت تھا۔ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ رحمت کا چہرہ بھی نہیں۔ . . . گو ان کے ہاتھ میں لیمپ تھا مگر اس کی روشنی اتنی محدود تھی کہ صرف نیچے کا فرش دکھلائی دیتا تھا۔ اور وہ بھی بس چند قدم — اس نے لیمپ اٹھا کر رحمت کا چہرہ دیکھا۔

زرد مُرجھایا ہوا چہرہ جو پہلے ہی اپنی ساری لالی مسلسل گرسنگی، مسلسل ناداری اور فاقہ مستی کی نذر کر چکا تھا۔ وہی لالی اب برسوں کی نوکری اور بھر پیٹ کھانے کے باوجود دوبارہ بحال نہ ہو سکی تھی۔ اس دم یہ چہرہ خوف سے ایک دم پیلا لگا۔ پسینے میں بھیگا ہوا۔ . . .

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کو بازو سے تھام لیا۔

"کس بات کا ڈر لگتا ہے تم کو" ؟

ڈر اس کو بھی لگتا ہے۔ شاید سب کو لگتا ہے۔ انتھاہ اندھیرے میں موت گھات میں پھندہ لگائے موجود ہے۔ دکھلائی نہیں دیتی مگر ہے۔ ہر قدم جو اٹھتا ہے اس میں کہیں نہ کہیں شک و شبہ شامل ہوتا ہے۔ کیا پتہ آگے . . . . بظاہر ہنستے بولتے گپ کرتے لوگوں کا انبوہ — خطروں کا سونگھنا، اندر ہی اندر ڈرتا۔ اپنی سلامتی کیلئے دعائیں مانگتا نیچے ڈھلان میں۔ اس اندھی سرنگ میں اترتا جاتا ہے۔ گہرا۔ سو، دو سو فٹ نیچے، ہزار فٹ نیچے ایکدم پاتال میں۔ جہاں باہر کی دنیا کا کچھ نہیں ہوتا۔ جہاں اپنی ہی تیز تیز چلتی سانس کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ اپنے ہی دل کی ڈھڑکن کو گنا جا سکتا ہے۔ چھت کو بار بار تاکتے۔ ٹرام لائین کے تاروں سے بچتے لوگ اور آگے بڑھتے ہیں۔ اور نیچے اترتے ہیں — نہیں کوئی بھی لمحہ قیامت بن کے ٹوٹ سکتا ہے۔ ایک آدمی کیلئے۔ دو کیلئے۔ دس بیس کیلئے۔ اس لئے عام طور پر زمین کے اندر آدمی کی چہل ختم ہو جاتی۔

رحمت کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس کے لئے کچھ بول پانا مشکل سا لگتا ہے۔ سہمدیو اسکے

اس کے بازو کو ہلا کر پھر پوچھتا ہے۔

کس بات کا ڈر لگتا ہے تم کو؟

لچھمی کہتا تھا یہاں ایک آدمی مرا تھا چند سال پہلے۔ اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے۔

وہ تھم کر کھڑا ہو گیا۔ کتنے دن ہو گئے کان میں آئے۔!

رحمت پھر جواب نہیں دیتا۔ سہدیو جانتا ہے کہ کان میں کام کرتے دو برس ہو چکے ہیں۔ ہاڑ توڑ محنت کے دو سال پسینے اور کوئلے، اور کالک میں ڈوبے دو سال، ان دو سالوں نے چاہے اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ ایک خود اعتمادی ایک بھروسہ ضرور دیا ہے۔ ایک دیا روشن ہوا ہے۔ جس کی روشنی یہاں سے گاؤں تک پھیل گئی ہے۔ اب تو نیا اپنے بیٹے کے لئے کھیت خریدنے کی بات نہیں کرتی۔ اب وہ اسکو پڑھانا چاہتی ہے۔ یہی تو بہت سارے خواب ہیں۔ جو ان دو سالوں میں ملے ہیں۔ چھوٹے ہی سہی، چمکیلے تو ہیں۔ مدہوش تو کرتے ہیں۔ ہنسی خوشی زندگی گذار دینے کے لئے اور کیا چاہیئے۔ یہی تھوڑا اسا نشہ......

اور لوگ بھی تو کہتے ہیں کہ اس کا بھوت سرنگوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ ہالج کی گھنٹی بجا دیتا ہے۔ کبھی گاڑی الٹ دیتا ہے۔ کچھ لوگوں نے تو اس کو دیکھا بھی ہے،

سہدیو نے آہستہ سے پوچھا۔

تم بھوت پر یقین رکھتے ہو؟

رحمت میاں نے جواب دینے کی بجائے ایک سوال کر دیا۔

اور تم نہیں رکھتے کیا"؟

نہیں بھوت دنیا میں ہوتا ہی نہیں"!

واہ کیسے نہیں ہوتا۔ جو آدمی وقت سے پہلے مر جاتا ہے اسکی روح......

اس کو ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی آیا۔ مگر یہاں، زمین کے تیرہ سو فٹ نیچے بے پناہ اندھیرے اور حبس میں نہ اس کا مذاق اڑایا جا سکتا تھا اور نہ ہی اس کو ڈانٹا جا سکتا تھا۔ اسی لئے اس نے صرف اسکو یقین دلانے کی کوشش کی۔

بھوت دوت کچھ نہیں ہوتا۔ جاہل لوگ ہمیشہ کسی نہ کسی وہم میں مبتلا رہتے ہیں۔

یہ انڈر گراؤنڈ کی اندھیری دنیا تھی۔ تیرہ سو فٹ نیچے سرنگوں کا ایک جال بچھا تھا کالی دیواریں، کالا فرش اور کالی چھت، ہاتھ میں ڈھبری لیے جو سیکڑوں کی تعداد میں اس عجیب و غریب گپھا میں داخل ہوئے تھے۔ اب مختلف فیسوں یا ادتانوں میں بنٹتے بنٹتے صرف آٹھ رہ گئے تھے۔ آدمیوں کا ایک مجموعہ جسے ڈنگل کہا جاتا ہے۔

وہ اور رحمت لالو کے ڈنگل میں تھے۔

لالو دسادھ بہت گھسا ہوا ملکٹہ ہے۔ جس کو کولیری کی ہر گیلری، ہر فیس کا علم ہے۔ جو کوئلہ کی قسمیں، اسکی بناوٹ اور اسکی قیمت تک جانتا ہے، جسے معلوم ہے کہ چال گرنے کے کیا آثار ہیں، اور کون سی چال کتنی دیر میں گر جائیگی۔

ادتان پہنچ کر سبھوں نے اپنے گینتے، بیلچے، اور جھوڑیاں رکھدیں۔ چار آدمیوں نے سروں پر گمچھے اور رومال باندھے۔ اور گینتے سنبھالکر کوئلہ کاٹنے میں لگ گئے جبکہ باقی چار آدمی پلٹ کر رکھی گئی جھوڑیوں پر بیٹھ گئے۔ لالو نے کہا۔

رحمت جھوٹ نہیں بولتا یہاں ایک سایہ ہے۔!

سہدیو ہنسا۔ اب تم چچا ایک نیا شگوفہ چھوڑو گے۔

شگوفہ کی بات نہیں میں نے اسکو بالکل سامنے سے دیکھا ہے۔

ایں چچا تم کو ڈر نہیں لگا"؟ جھوڑیوں پر بیٹھے لوگوں میں سے کسی نے حیرت سے پوچھا۔

ڈر تو بعد میں لگا۔ پہلے مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کیا بات ہے۔ ادھر ہالج لائین کے اسٹیشن پر سے گذر رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ کھینی مانگ رہا تھا۔

جرا کھئینا دے ہیں نہ ہو۔ جرا کھئینا دے ہیں نہ ہو۔

اندھیرے میں کچھ دکھائی تو دیا نہیں۔ میں نے سوچا کوئی ہو گا، میں نے کھینی نکالکر چونا ملایا اور مسلنے لگا۔ اس بیچ اس نے کوئی بات نہیں کی بس کبھی کبھی کھینی مانگ لینا جرا کھئینا دے ہیں نا ہو۔ مجھے غصہ آگیا۔ میں نے کہا سن تو لیا تم ایک بات کی رٹ کیوں لگائے ہو۔ یہ کہہ کر چٹکی میں کھینی پکڑ کر اس کو دینے کو مڑا تو دیکھا وہاں کوئی نہ تھا"؟

کوئی نہیں ۔۔۔ ؟ بے حد ڈری ہوئی آواز میں کسی نے پوچھا۔

نہیں کوئی نہیں۔ میں نے ڈھبری اونچی اٹھا کر چاروں طرف نظر دوڑائی، چاروں طرف سناٹا تھا۔ نہ آدمی نہ آدم زاد جھن سے میرا جی اڑ گیا۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کھاد سے نکلا تو بخار سے تپ رہا تھا۔ پانچ دن بعد بلیا پور سے سنتوش اوجھا آیا۔ سرسوں سے جھاڑا تب کہیں جا کر میرا بخار اترا۔

سہدیو کوئلہ کاٹتے اس کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ وہ ایک دم چپ رہ گیا۔ اتنی لمبی کہانی کے بعد اور کیا رہ گیا ہے کہنے کو۔ مجمدار ٹھیک کہتا ہے ان لوگوں نے لیبروں کو انگنت اندھیرے کنوؤں میں بند کر رکھا ہے، جاتی واد کا کنواں، علاقائی عصبیت کا کنواں، توہم کا کنواں، یہ کتنے کنوؤں سے نکل پائیں گے ۔۔؟ نہیں سہدیو یہ مشکل ہے۔ بہت مشکل،

مجمدار نگلا نہیں ہے۔ پچھلے سال بھر سے وہ اس کے سمپرک میں ہے۔ اتوار کا دن اسی کے گھر میں گذرتا ہے۔ گھر یعنی وہی اکیلا کتابوں سے بھرا کمرہ وہ اسے کتابیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اخبار کی خبریں بتاتا ہے، بحثیں کرتا ہے۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ روشن ہوتا جا رہا ہے۔ آنکھیں دور تک دیکھنے لگی ہیں۔ یہاں سے امریکہ تک، روس چین اور انقلاب تک، وہ محنت کی قیمت جان گیا ہے۔ اسکو یاد ہے بہت پہلے کالاچند نے کہا تھا کہ یہ لوگ چوس لیتے ہیں۔ اور گنڈیری کی طرح تھوک دیتے ہیں۔ تب یہ بات اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی، مگر اب وہ سمجھ گیا ہے۔

اس نے پلٹ کر لالو کی طرف دیکھا۔ وہ کھینی کھا کر ہاتھ جھاڑ کر کوئلہ جمع کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لمحہ کیلئے سوچا کہ اگر اس کو وہ بھوت مل جائے تو ......

اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اپنی پوری قوت سے گینتا اپنے سامنے کی سیاہ دیوار پر دے مارا۔ کھچاک کی آواز ہوئی گینتے کا پھل دور تک کوئلے کی نرم چھاتی میں اترتا چلا گیا پھر اس نے گینتے کو جھٹکا دیا اور کوئلے کا ایک بڑا سا ٹکڑا اس کے پیروں کے پاس آ گرا۔

کوئلہ کاٹنے کا یہی طریقہ رائج ہے۔ آٹھ آدمی میں چار کوئلہ کاٹتے ہیں اور چار آدمی کٹے ہوئے کوئلے کو جھوڑیوں میں بھر کر گاڑی میں لوڈ کرتے جاتے ہیں۔ پھر دوسرے چار کوئلہ کاٹتے ہیں اور یہ چاروں گاڑی بوجھتے ہیں، گاڑی کا وزن ایک ٹن ہوتا ہے۔

ایک دن مجمدار نے اس سے پوچھا تھا۔

ایک گاڑی کوئلہ کا وزن کتنا ہوتا ہے معلوم ہے۔؟

ایک ٹن۔

جانتے ہو ایک ٹن کتنے سی ایف ٹی CFT میں ہوتا ہے۔؟

نہیں۔

ایک ٹن ہوتا ہے 36 سی ایف ٹی میں اور کول ٹب جو بنائے جاتے ہیں جسے تم لوگ گاڑی کہتے ہو وہ چالیس CFT کا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر کول ٹب میں چار CFT کوئلہ ایسا کٹتا ہے جسکی اُجرت لیبر کو نہیں ملتی اور مالک کو جس پر کوئی لاگت نہیں آتی۔

وہ حیرت سے مجمدار کا منہ تاکنے لگا۔

حیرت کی بات نہیں ہے یہ لیبر کی محنت ہی ان مالکوں کا عیش و آرام ہے۔ یہ سادھارن آدمی نہیں ہیں۔ یہ ڈاکو ہیں، لیٹرے ...... صرف اسی بات پر مت جاؤ، یہ لیبروں کی چھٹیاں، ان کے اوور ٹائم، ان کے بونس اور ان کو ملنے والی کئی طرح کی سہولتیں سب ہڑپ لیتے ہیں۔ جانتے ہو مجھے تنخواہ دو سو روپیہ ملتی ہے اور دستخط ڈھائی سو پر کرنے پڑتے ہیں۔

سہدیو نے پھر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

مجمدار ہنسا۔ تم سوچتے ہو گے میں اتنا قابل بنتا ہوں، اتنی لمبی لمبی بات کرتا ہوں، پھر بھی اس طرح کی ناانصافی کو برداشت کر لیتا ہوں۔ کیا کیا جائے یہ مجبوری ہے، اتنے بڑے گرم توے پر اگر ایک بوند پانی ٹپکا بھی تو کیا ہوگا، چھن سے جل جائیگا فوراً۔

مجمدار کبھی کبھی اتنا سچ بولتا ہے کہ جلدی یقین نہیں آتا۔

تابڑ توڑ گینتا چلاتے رہنے سے اس کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا اور اب اسکے بدن پر کینچوے کی طرح رینگ رہا تھا۔ یہاں پسینہ کوئی پونچھتا نہیں۔ ایسے ہی سر، گردن، پیٹھ پر سے رینگتی ہوئی پسینے کی دھار پیروں سے گذر کر زمین میں "چو" جاتی ہے۔ کوئلہ مٹی کی طرح پسینہ کو جذب نہیں کرتا۔ اپنے پاس جمع رکھتا ہے۔

کوئلے کی دھول اس کو ڈھکتی رہتی ہے۔ سکھاتی رہتی ہے۔ کوئلے کی تازہ دھول پسینے سے ہم آمیز ہو کر سونے کی طرح چمکتی ہے۔

وہ جب ذرا استانے کیلئے رُکا تو لالو سے بولا۔

تم ایسا کرو چچا کہ اپنے بھوت سے مجھے ملوا دو کسی دن۔

لالو دساد ھ نے اس کو گھور کر دیکھا۔ مذاق مت اڑاؤ کسی دن دیکھ ہی لوگے یہ غلط بات نہیں ہے، یہیں اُترا ہیں وہ مہتو لڑکا، کیا نام تھا اسکا شمبھو میرے سامنے مرا تھا بس مہینہ بھر پہلے تو بیاہ ہوا تھا اسکا۔ سب جانتے ہیں ای بات۔

سہدیو ہنسا تھا۔ چچا بات دراصل یہ ہے کہ یہ بھوتوں کا علاقہ ہے ہی۔ یہاں سیکڑوں کولیریاں ہیں۔ ہزاروں لوگ ان کولیریوں میں مرے بھی ہوں گے۔ اس طرح ہر کولیری میں پانچ دس بھوت تو ضرور مل جائیں گے۔ پھر ڈرنے کی کیا بات ہے "

لالو بُرا مان گیا۔ بولا۔ تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے اس لال جھنڈے والے مجمدار نے، چار اکھشر کیا پڑھا دیئے کہ ایکدم سے پنڈت ہو گئے۔ مطلب یہ کہ گرو گڑ رہ گیا اور چیلا چینی ہو گیا۔

سب لوگ ہنسنے لگے۔

مجمدار سے اس کی بات تمام پھیل گئی ہے۔ سب لوگ یہ بھی جان گئے ہیں کہ سہدیو پڑھا لکھا ہے۔ اکثر کولیری کے مزدور کسی بات پر اُلجھ جاتے ہیں تو اس کے پاس صلاح لینے چلے آتے ہیں وہ اکثر یونین کے پاس نہیں جاتے، کپل سنگھ سے مدد نہیں مانگتے۔ بس سیدھے اس کے پاس چلے آتے ہیں۔ اسکی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور اس اندھیر نگری میں جو جتنا مقبول ہوتا جاتا ہے۔ اتنا ہی یونین اور مینجمنٹ دونوں کی نظروں میں چڑھتا جاتا ہے۔ دونوں اس کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ اسکے فائدے کیلئے نہیں، اپنے مفاد کیلئے۔ جو الامصر اسکو اکثر پکڑ کر یونین آفس لیجاتا ہے۔ کئی بار ضد کر چکا ہے کہ تم یونین کیلئے کام کرو کپل سنگھ بھی کبھی کبھی آتے جاتے بلا کر بٹھا لیتا ہے۔

ارے چھوڑ نوکری، کا دھرل با۔ کو نو ٹھیکیداری کر لا۔!

مجمدار کہتا ہے۔ یہ گڑھے ہیں۔ اور گڑھوں پر جال ہیں۔ جہاں اس پر پاؤں رکھا کے گئے

چھپاک ..... اور اوپر سے جال کس جائے گا۔ اس لئے دونوں سے بچتے رہو۔

مجمدار اپنا کام بہت لگن سے کرتا ہے اس نے گیارہ ممبر بنا لئے ہیں۔ اپنی پارٹی کے جی ہاں وہی لال جھنڈا، حالانکہ کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ گرم توے پر جہاں ایک بوند پانی چھن سے اڑ جائے گا وہیں گیارہ بوند پانی بھی کیا کر سکے گا۔

اس نے ایک دن مذاق میں مجمدار کو مشورہ دیا تھا۔ تم جوالا کی یونین میں شامل ہو جاؤ۔ وہیں سے کام شروع کرو بعد میں پوری یونین کی شدھی کر دینا"!

وہ خوب ہنسا تھا مطلب یہ کہ تم بھی وہی داؤں سکھا رہے ہو جو یہاں اکثر چلا جاتا ہے

آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔

یہ سدھانت کی بات ہے سہدیو۔

سدھانت کون بدلنے کو کہتا ہے میں تو صرف تھوڑے دنوں کے لئے بہروپ بدلنے کو کہہ رہا تھا۔ آخر یہ لوگ کتنے ہتھکنڈے دکھاتے ہیں۔ کیا کیا چال چلتے ہیں۔ ایک داؤں تم بھی چل لو گے تو انرتھ ہو جائے گا۔

ہمارے یہاں اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ پارٹی سب کچھ ہے۔ اور پارٹی کی پالیسی سے باہر نکلنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ یہی ہم لوگوں کا اصول بھی ہے۔

تو مت توڑو اپنے اصول، اور بیٹھے صرف انقلاب کے خواب دیکھتے رہو۔

چار گاڑی لوڈ کر کے ان لوگوں نے ہالج اسٹیشن تک دھکیل کر پہونچا دیا۔ اب کے لانو وغیرہ کی باری تھی، کوئلے کاٹنے کی۔ وہ چاروں سستانے لگے لئے بیٹھ گئے۔ رحمت سہدیو سے بولا۔

میں بھوت پریت سے نہیں ڈرتا ہوں۔ بس ایک وہم سمایا رہتا ہے دل میں ہمیشہ۔

کیسا وہم۔ ؟

ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہو گا۔ کوئی ایکسی ڈنٹ، کوئی حادثہ ....

دیکھو یہ ڈر تمہارا اکیلا نہیں ہے۔ ہر آدمی جو کان کے اندر اترتا ہے یہ خوف کہیں نہ کہیں اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے آدمی چوکنا بھی رہتا ہے۔ ہر چیز کو دیکھتا جاتا ہے۔ خاص طور پر خطرے والی جگہوں پر ایک طرح سے سوچو تو یہ اچھا ہی ہے۔!

مگر مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی دن اچانک میں مر جاؤں گا۔

ہش۔۔: سہدیو نے اس کی بات کاٹ دی۔ پاگلوں کی طرح کیوں سوچتے ہو۔

نہیں سہدیو بھائی۔ مجھ کو ایسا لگتا ہے۔

سہدیو جھلا گیا۔ جب تم کو اتنا ڈر لگتا ہے تو تم گاؤں ہی چلے جاؤ۔

گاؤں۔۔؟ وہ کچھ سوچنے لگا پھر کچھ دیر سوچ کر بولا۔ گاؤں میں بھی کیا ہے؟ نہ جگہ نہ جمین، وہاں بھی تو مجوری ہی کرنی ہے۔ یہاں کم سے کم کھٹتے ہیں تو پیسہ تو ملتا ہے۔ خان صاحب لوگوں کا رعاب تو نہیں سہنا پڑتا۔

پھر اتنا گھبراتے کیوں ہو۔۔؟ ہم لوگ بھی تو کام کر رہے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں لوگ کام کر رہے ہیں۔ سہدیو نے اس کو پیار سے دیکھا۔ بری بات سوچنا چھوڑ دو۔ چار پانچ سال کام کرنا ہے۔ پھر ہم لوگ گاؤں میں زمین لیکر لوٹ جائیں گے۔

سہدیو نہیں جانتا کہ یہ خواب ہے۔ وہ خواب جو تقریباً ہر ملکٹا دیکھتا ہے۔ اس کو اس بات کا پتہ نہیں کہ کولیری کی نوکری گڑ بھرا ہنسوا ہے۔ جو ٹیڑھا اتنا ہے کہ نگلا نہیں جاتا اور میٹھا اتنا ہے کہ چھوڑا بھی نہیں جاتا۔

رحمت کے دل میں جو ڈر سما گیا تھا وہ کبھی نہیں نکلا۔

آنکھ کھلتی ہے تو چھپر کے سوراخوں میں آسمان کے سفید، دودھیا ٹکڑے ٹنگے ہوئے ہیں۔ کانوں کو جھاڑو لگانے کی سپ سپ کی مخصوص آواز سنائی دیتی ہے کبھی کبھی مرغوں کی بانگ کی آواز ساری خاموشی کو جھنجھوڑ ڈالتی ہے۔ اکا دکا جانوروں کے گلے میں بجتی ہوئی گھنٹی کی آواز بھی اور آوازوں میں شامل ہونے لگتی ہے۔ گاؤں میں ہر روز صبح ایسے ہی نمودار ہوتی ہے۔ اسی مخصوص انداز میں، یہ سب اس کو دو برس بعد بھی ایک دم مانوس لگا۔ مانوس اور اپنا۔

وہ دو برس بعد گاؤں لوٹا ہے، خود سے نہیں لوٹا، اسکا بھائی لانے گیا تھا۔

اب اِن لوگوں کو اندیشہ ہو چلا تھا کہ وہ شہر میں کسی "پھند" میں پھنس گیا ہے۔ یہ شبہ اس لئے ہوا کہ اس نے ادھر خط لکھنا، بلکہ خطوں کا جواب دینا بھی تقریباً بند کر دیا تھا۔ ایسے میں ایک دن کام پر سے واپس آیا تو اپنے بھائی کو آیا پاکر ایکدم حیران رہ گیا۔

آپ۔؟ کب آئے۔؟؟

اس کا بھائی جواب دینے کے بجائے اس پر گرم ہو گیا۔

تم کو کچھ گھر کی فکر ہے۔؟ دو برس ہو گئے تم نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ ہم جی رہے ہیں یا مر چکے ہیں"!

پیسے تو میں برابر بھیج دیتا ہوں"! وہ لجاجت سے بولا۔

پیسے بھیجنے سے کیا ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے پیسے کے لوبھ میں تم کو پردیس ہانک دیا ہے۔ ویسے بھگوان جانتا ہے جو کچھ کیا ہے۔ تمہارے بھلے کیلئے ہی سوچ کر کیا ہے۔

سہدیو بولا۔ لوگ بکتے ہیں بکنے دیجیئے۔ کتّا بھونکتا رہتا ہے اور ہاتھی چلتا رہتا ہے۔ لوگوں کی میں پرواہ نہیں کرتا۔ تمہاری بھابی نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ بار بار یہی کہتی ہے سہدیو ہاتھ سے بے ہاتھ ہو گیا ہے۔ وہ ضرور کسی پھند میں پھنس گیا ہے"!

پھند میں پھنس جانا ایک مخصوص محاورہ ہے، یہ پھند عورت بھی ہو سکتی ہے، شراب بھی اور جوا بھی۔

سہدیو دھیرے سے ہنسا۔ عورتوں کو تو ہمیشہ یہ خدشہ لگا ہوتا ہے۔ ان دو برسوں میں چار پانچ بار تو رحمت میاں گھر ہو آیا ہے۔ اس سے تو پوری خبر مل ہی جاتی ہو گی۔

ہاں اس نے بتلایا تھا کہ تم آجکل بہت کتابیں پڑھتے ہو بگلا پنڈت کی طرح۔ رات کو جب سو جاتے ہیں۔ تب تم ڈھبری جلا کر پڑھتے ہو۔ اس نے ایک بات اور بتائی ہے۔ اسکے بھائی نے رک کر رازجویانہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

کیا بتایا ہے اس نے۔؟

یہی کہ تم کمیونسٹ ہو گئے ہو۔ بھگوان پر وشواش نہیں رکھتے۔

بھگوان پر وہ یقین رکھتا ہے، وہ مجمدار کی طرح اتنی دور نہیں گیا ہے۔ کہ ساری جیرنل

کو صاف صاف بالکل واضح شکل میں دیکھ سکے۔ کئی نسلوں کا یا شاید جنم جنم کا سنسکار اتنی جلدی نہیں چھوٹتا۔ مجمدار خود کہتا ہے کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب کی جڑیں بہت دور تک اور بہت گہرائی تک پھیلی ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو آزاد کرنا سہل نہیں ہوتا۔ مذہب جو معصوم اور سادہ لوح انسانوں کو یکجا رکھنے اور ایک مخصوص اخلاقی راہ پر چلانے کے لئے ایک سماجی ڈھانچے کے طور پر ایجاد ہوا تھا۔ اس کا اتنا غلط استعمال ہوا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا پہلے فیوڈل لوگوں نے پھر سرمایہ داری کے ٹھیکیداروں نے اور اب سیاسی رہنماؤں نے اسکو ایک مہلک، مضبوط اور اچوک ہتھیار کی طرح استعمال کیا ہے۔

سہدیو مجمدار کی بات یاد کر کے مسکرایا۔ اگر بھیا سے اس کی ملاقات ہو جاتی تو مزہ آجاتا۔

وہ گاؤں جانا نہ چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے چھٹی نہ ملنے کا بہانہ بھی بنایا۔ مگر اس کا بھائی اس کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہیں ہوا۔ اس بار اس کو بہرحال لیجانا ہی تھا۔ چنانچہ ننکو کی مدد سے اس کے بھائی نے اس کو پندرہ دن کی چھٹی دلادی اور اسی دن رات کی گاڑی سے اس کو گاؤں لیتا آیا۔

گاؤں ویسا ہی تھا جیسا وہ دو برس پہلے چھوڑ کر گیا تھا۔ ہرا بھرا اور سبزہ کی مخصوص خوشبو بکھیرتا ہوا، میلے ٹھیلے اور تیج تہواروں سے سجا سنورا، اب صرف یہ ہوا تھا کہ لڑکے ذرا بڑے ہو گئے تھے۔ لڈو بولنے اور دوڑنے لگا تھا۔ اور کچھ لڑکیوں نے فراک چھوڑ کر ساڑی باندھنا شروع کر دیا تھا۔ گردھاری کا باپ اور سندری چچائین دونوں مر گئے تھے۔ دکھن لال کی بیوہ کے کھیت چودھری صاحب نے بے ایمانی سے نالش کر کے اپنے کھیت میں ملا لئے تھے۔ زندگی ویسے ہی سست رفتاری سے گذر رہی تھی گاؤں میں۔

اب چھپر کے سوراخوں سے زرد دھوپ کی لمبی لمبی لکیریں کھینچ گئی تھیں۔ اور دیواروں پر، کائی جمی دیواروں پر دھوپ یوں دکھلائی دے رہی تھی جیسے ان پر زردوزی کی گئی ہو۔ اچانک اس کی بھابی بھڑے دروازے کو دھکیل کر اندر چلی آئی۔

اب کیا سارا دن سوتے رہو گے۔ شہر میں جا کر عادت بگاڑ لی ہے۔

گاؤں کے لوگوں کا ایک وشواس بن گیا ہے کہ شہر کے لوگ عالی شان کمروں میں دن چڑھے

سوتے ہیں۔

انہیں معلوم نہیں کہ شہر میں بھی اس کے گاؤں سے بدتر جگہیں ہیں۔ اندھیری، متعفن اور بجباتی ہوئی نالیوں والی جگہیں انہیں بھی منھ اندھیرے اٹھنا پڑتا ہے۔ اور ایسی شدید محنت کرنی پڑتی ہے کہ جسم سے پسینے کے ساتھ تیل نکل آتا ہے۔ مگر اس نے اپنی بھابی کو کچھ نہیں بتایا۔ چپ چاپ سے اٹھکر بستر پر بیٹھ گیا۔

میں سمجھتی تھی اب تم آؤ گے ہی نہیں۔ کسی کو گھر ڈال لیا ہوگا۔ وہاں تو بہت ملتی ہے۔ مہین ساڑی سے بدن جھلکتا ہے ان کا۔ پاوڈر اور لالی سے منھ لال بھبھوکا۔

اس میں جلنے کی کیا بات ہے بھابی۔ تم بھی جاؤ نا بسو بھیا کے ساتھ شہر۔ روکا کس نے ہے۔ اس کی بھابی نے منھ بچکایا۔ تمہارے بھیا لے جائیں گے؟ کتنا ضد کیا کہ میں بھی کول وری (کولیری) جاؤنگی اور شہر دیکھوگی۔ مگر تمہارے بھائی نے ناچھوڑ کر ہاں نہیں کیا۔

وہ ہنسا۔ وہاں کولیری میں کیا دیکھوگی۔؟ چہرہ کالا ہو جائے گا۔

"ہونے دو۔ وہاں گاڑی نہیں ہوتی؟ بڑے بڑے مکان، سینما، تھیٹر، بڑی بڑی جگمگ کرتی دکانیں۔ ایک سے ایک تو سامان بکتا ہے وہاں"!

اس کی بھابی نے جو خاکہ کھینچ رکھا ہے اپنے ذہن میں اس کو وہ توڑنا نہیں چاہتا۔ اس لئے مسکرا کر رہ جاتا ہے۔ اس کی بھابی ہی بولتی ہے۔

بہت موج مزہ کر لیا۔ اس بار تو تمہیں ایسے جانے نہیں دونگی۔ پاؤں میں بیڑی ڈال ہی دونگی"!

پاؤں میں بیڑی یا گلے میں پھندہ؟

اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ کوئی درد، کوئی شکوہ، کوئی گلا، اس کی بھابی کو سمجھتے دیر نہیں لگی۔ ایسی باتوں کے لئے عورتوں کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ فوراً ٹھیک جگہ پر آگئی۔

جلیبیا کیلئے تمہارے بھائی کو کہا تھا مگر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے۔ ذات گوتر میں وہ لوگ ہم سے اونچے تھے"!

سُکھدیو نے اپنی ساری سماعت یکجا کر لی، اس کی بھابی بتلائے گی کہ کیسے جلبیا نے

نیل مچائی تھی۔ کیسے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ کیسے ڈوب مرنے کی کوشش کی تھی، کتنا بڑا ہنگامہ مچا تھا..... مگر اس کی بھابی کچھ نہیں بولی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اب جلدی سے اٹھو۔ کہیں باہر نہیں جاؤ گے۔؟

اس کی بھابی چلی گئی۔ وہ ویسے ہی چادر اوڑھے السایا سا بیٹھا رہا۔ بالکل خالی الذہن، باہر لڈ داس کا لایا ہوا پلاسٹک کا باجا تمام بجاتا پھر رہا تھا۔ ٹین کے ڈبی جس پر ایک خوبصورت عورت کی تصویر بنی تھی۔ اس کو گلے میں لٹکا رکھا تھا۔ آج وہ کسی بڑے رئیس کی طرح اپنے شہری کھلونوں کو لئے گاؤں میں دندناتا پھر رہا تھا۔ اور تمام یہ خبر بھی پھیلتی جا رہی تھی کہ سہدیو گھر آ گیا ہے۔

دوپہر کو سندر لال اس سے ملنے آیا۔ سندر لال اسکا دوست تھا، دونوں کھرسوا ہائی اسکول میں سات کلاس تک ساتھ پڑھے تھے۔ پھر وہ کھیتی گرہستی میں لگ گیا تھا۔ اس سے چھٹنے کے بعد بھی دونوں کی دوستی کم نہیں ہوئی تھی۔ دن رات کا ساتھ تھا۔ کبھی کبھی وہ سہدیو سے جلیا کے بارے میں کہتا۔

ارے یار یہ چوما چاٹی چھوڑو۔ اور اس کو لیکر اڑ جاؤ، باقی جو ہوگا میں سنبھال لونگا"

اس کا ماما دار وغہ ہے۔ پٹنہ میں۔ بھجوا دے گا سات برس کیلئے۔!

بھجوا کیسے دے گا۔؟ میاں بی بی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔

دونوں خوب ہنستے۔ سہدیو اسے لے اڑنے پر راضی نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ اسکا بیاہ اسی سے ہوگا۔ اس نے اپنے بھابی کو قریب قریب بتلا ہی دیا ہے۔ جلیا بھی اپنے گھر میں کسی نہ کسی کو اپنا عندیہ کہہ ہی چکی ہو گی۔

سندر لال اس سے بہت سنجیدگی سے ملا۔ اس کو سہدیو کے صدمے کا احساس تھا چند رسمی اور تقریباً غیر ضروری باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں نے ساتھ کھانا کھایا۔ اور سہ پہر کے بعد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر باہر نکل گئے۔ پھاگن کا مہینہ جب صبح کو ٹھنڈک لگتی ہے مگر دن کی دھوپ تیکھی ہو جاتی ہے اور شام ہوتے ہوتے ہوا میں رس اتر آتا ہے۔ اسی رس بھری ہوا میں دونوں بے مطلب گاؤں کا چکر کاٹتے رہے۔

جلیا کے گھر کے پاس سے گذرتے ہوئے سہدیو نے پوچھا۔

بارات بہت بڑی آئی تھی؟

نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی!

تم نے بر کو دیکھا تھا۔؟

بر تو تمہارے پاؤں برابر بھی نہیں تھا۔ سوکھا، مرا، برسوں کا بیمار، پتہ نہیں کیا دیکھکر دیا اس کو"!

شادی میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔؟

نہیں تو"!

جلیا نے کہا تھا اگر اسکی شادی کسی دوسری جگہ ہوئی تو وہ گمردھاری کے کنویں میں ڈوب کر جان دے دیگی۔

ارے یار..... سندرلال نفرت سے بولا۔ تم بھی عجیب احمق ہو۔ عورت کمبخت بولتی بہت ہے مگر کرتی کچھ نہیں مزے میں جیتی سادھ لیتی ہے"!

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھاگئی۔ دونوں کھیت کی آری پر چلتے دُور نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد یکایک سندرلال نے پوچھا۔

تمہیں اس کا بہت غم ہے۔؟

اس نے ایک لمحہ کیلئے رک کر سندرلال کی طرف دیکھا پھر بولا۔

نہیں—!

ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ پاؤں کی جوتی، ایک نہیں رہی دوسری لے لیں گے۔

کہیں ایک غصہ سہدیو کے اندر سرسراتا ہے۔ ایک تلخ، تیکھا، اچانک پھٹ پڑنے والا غصہ۔ وہ سامنے پڑے مٹی کے ڈھیلے پر زور سے ٹھوکر مارتا ہے۔ مٹی کا ڈھیلا ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔

ذرا دیر بعد سندرلال بولا۔

بھابی کہہ رہی تھی تمہارے لئے اس نے سرامپور میں کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے۔

اس نے رک کر پھر سندرلال کی طرف دیکھا۔

میں شادی نہیں کرونگا"!

کیوں نہیں کروگے۔؟ اگر جلبیا سے اچھی نہ ہو تو مت کرنا"!

سوال اچھی بُری کا نہیں ہے"!

پھر ــــ؟

بس ایسے ہی میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔

دونوں خاموشی سے چلنے لگے، جیسے سب کہنا سُننا ختم ہو گیا ہو۔

پورے گاؤں کا چکر لگا کر وہ لوٹے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ ہوا میں خنکی آگئی تھی، گاؤں کی جھپڑوں سے دھواں نکلنے لگا تھا اور ایک مغموم دھندلکا، ایک بے نام اداسی آہستہ آہستہ چاروں طرف بسیط ہوتی جارہی تھی۔ بسندر لال نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا۔

ہاں کم سے کم اتنا مضبوط تو ضرور ہوں کہ کوئی فیصلہ کرسکوں۔

چاہے وہ فیصلہ غلط ہو۔؟

غلط اور صحیح کا فیصلہ تو بہت بعد ہونا ہے۔

پھر دونوں چپ ہو گئے۔ شام کے گہرانے دھندلکے میں دونوں نے ایک دوسرے کے چہرے کو پڑھنا چاہا اور دونوں ہی ناکام ہو گئے۔ سہدیو نے بات پلٹ کر اچانک پوچھا۔

گاؤں میں کسی کے پاس سائیکل ہوگی۔؟

کہاں جاؤ گے۔؟

رسولپور جانا ہے۔ وہاں کا ایک میاں میرے ساتھ کام کرتا ہے۔ اس کے پیسے اور سامان پہنچانا ہے،،!

سائیکل تو.......سائیکل تو...... وہ من ہی من یاد کرتا ہے پھر بتلاتا ہے، کرپا کے پاس ہے سائیکل۔ اس کو بیاہ میں ملی ہے۔ بالکل نئی ہے.....میں مانگ کر لادونگا۔

٭٭٭٭٭٭

٭٭٭

رسولپور اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا؟

پانچ برس پہلے ایک بار اس کا بیل کھو گیا تھا تب وہ بیل کھوجتا ہوا، رسول پور پہنچ گیا تھا۔ خانصاحب کے پکا مکان میں جو گاؤں کے پہلے ہی واقع ہے اور جسے لوگ حویلی کہتے ہیں۔ وہیں پوچھ تاچھ کی تھی۔ اور وہیں سے واپس بھی ہو گیا تھا۔ گاؤں میں گھسنے کی، یا گاؤں دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ آج رسولپور پہنچا تو دوپہر ہونے کو آ رہی تھی۔ صبح اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی اور پھر بھابی نے صبح صبح جو پکوان پکائے تھے اسکے بھوگ کے بغیر کیسے جانے دیتیں، راستہ بھی لمبا تھا۔ سات کوس، وہ تو سائیکل نئی تھی۔ اور راستہ سوکھا تھا اس لئے بغیر رکے دندناتا ہوا پہنچ گیا تھا۔ کئی آدمیوں سے پوچھتا گاؤں پار کر کے آخری سرے پر آ گیا یہاں غریب اور بے زمین لوگوں کے گھر تھے۔

انہیں گھروں میں سے ایک گھر رحمت میاں کا تھا۔ دو کمروں کا گھر۔ سامنے چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ اسی برآمدے کے کونے میں چولہا بنا تھا۔ یہ گویا باورچی خانہ تھا۔ سامنے ایک پرانی خستہ حال چوکی پڑی تھی۔ جس کا ایک پایہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی جگہ درخت کی ایک موٹی ٹہنی کاٹ کر ٹھونک دی گئی تھی۔ اب یہی بوسیدہ چار چار چوکی "تخت" کہلاتی ہے۔ جیسے خان صاحب کا چھوٹا سا گھر حویلی کہلاتا ہے۔ اسی بات کو کوئیری میں سنتوش مہتو بہت مزے میں کہتا ہے۔

گیج بھر کپڑا دستر خوان۔ واہ رے بٹیا ملمان

رحمت میاں کے گھر کے سامنے اس نے سائیکل کی گھنٹی بجائی تو ایک عورت نے ڈری سہمی نظروں سے باہر جھانکا۔ اور خلاف توقع ایک صاف ستھرے کو نئی چمچماتی سائیکل میں آیا دیکھ کر ایک دم سے گھبرا گئی۔ شاید وہ سمجھی کوئی کورٹ کچہری کا آدمی ہے۔ اس کے سسرال کی زمین پر جب مقدمہ چل رہا تھا تو ایسے پیادے کئی بار آئے تھے اور آخر میں زمین خانصاحب نے نیلام کروا لی تھی۔ سہدیو نے ڈری سہمی، بے حد گھبرائی ہوئی عورت کو دیکھا، عورت کافی قبول صورت تھی بلکہ کافی خوبصورت تھی۔ اس کو کمیل کی بات یاد آئی۔ مطلب یہ کہ کمبل نیا ہی زیادہ

لگتا تھا۔ چمک دمک ابھی قائم تھی اور بہت زیادہ استعمال کے آثار بھی دکھلائی نہ دیتے تھے۔
یہ سب سوچ کر وہ من ہی من مسکرا دیا۔

پانچ چھ برس کے ایک لڑکے نے قدرے تتلا کر پوچھا۔

کس کو کھودتے ہیں۔؟

اس نے سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کر دی اور ذرا سا جھک کر اس کو گود میں اٹھالیا۔

تم کو کھودتے ہیں۔!

اب اپنی ماں کی طرح لڑکا بھی حیران رہ گیا۔ وہ لڑکے کو اٹھائے اندر آکر چوکی پر بیٹھ گیا۔!

میرا نام سہدیو ہے میں رحمت کا لو اکا ہوں ۔ بھتیجا ہوں

آگے بولنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ شتونیا فوراً سمجھ گئی۔ رحمت میاں نے ساری تفصیل اسے پہلے ہی بتا رکھی تھی۔ وہ جب بھی گاؤں آتا ایک بار رحمت کا لو ا ضرور جاتا تھا۔ وہ جھٹ سے سر پر آنچل ڈال کر باہر آگئی۔

تم نے بھیا ڈرا ہی دیا تھا۔ میں سمجھی تھی کوئی کچہری کا پیادہ ہے"!

سہدیو ہنسا۔ پیادہ تو ہوں ہی بھلے کچہری کا نہ ہوں بلکہ رحمت بھائی کا ہوں۔

کب آئے ہو بھیا۔؟

پرسوں آیا ہوں۔!

ابھی تو رکو گے کچھ دن۔؟

ہاں پندرہ دن کی چھٹی ہے۔ دو برس بعد آیا ہوں۔

"دو برس۔؟ تم لوگوں کا شہر میں من لگ جاتا ہے تو گاؤں آنے کا من نہیں ہوتا۔ ہے نا.....؟

اس کے جملے میں جو شکوہ چھپا تھا۔ اس کو سمجھتے دیر نہیں لگی سہدیو کو۔ مسکرا کے بولا۔
ہمارے رحمت بھائی کا من تو شہر میں ذرا نہیں لگتا۔ ہر مہینے گاؤں آنے کی بات کرتا ہے۔

شتونیا شرما گئی۔ اب بھیا تم بھی ہنسی کرنے لگے"!

سہدیو نے روپے نکال کر لڑکے کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔

تمہارے باپ نے بھیجے ہیں۔!

پھر اٹھ سائیکل کے ہنڈیل سے لٹکتے تھیلے کو اُتار کر دیدیا۔ تھیلا پاتے ہی لڑکا خوشی سے مچل گیا۔ اور وہیں چوکی پر تھیلا اُلٹ دیا۔ اس میں ایک جوڑی لڑکے کا کپڑا تھا۔ ختونیا کی ایک ساڑی تھی۔ تھوڑے چاکلیٹ اور پلاسٹک کی موٹر۔ لڑکا سب چیز وہیں چوکی پر چھوڑ کر موٹر اٹھاکر بھاگ کھڑا ہوا۔ ختونیا نے بکھرے سامان کو پھر تھیلے میں بھر دیا۔ پھر المونیم کے گلاس میں پانی لاکر اس کے سامنے رکھا۔

اب بھیا کھانا کھاکر اُلٹے پہر جانا۔ اتنی دور سے سائیکل چلاکر آئے ہو۔!

دیر ہوجائے گی۔ گھر سے نکلتے نکلتے دس دفعہ تو بھابی نے کہا کہ جلدی لوٹ آنا۔

وہ سب میں نہیں جانتی بنا کھائے تو میں جانے نہیں دونگی کسی حال میں۔!

پھر وہ اچانک کسی سنکوچ میں پڑگئی۔ دھیرے سے پوچھا۔

پر بھیا تم ہمارے یہاں کا بنا کھاؤگے۔؟

کیوں۔؟

نہیں گانوں میں لوگ اکثر نہیں کھاتے۔

کول فیلڈ میں سب پھر سٹ ہوگیا ہے۔ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں چھوا چھوت کی بات کوئی سوچتا بھی نہیں۔ میں اور رحمت تو کبھی کبھی ایک ہی تھالی میں کھا لیتے ہیں،

پر گاؤں میں تو نیم دھرم ہے ابھی۔!

نیم دھرم کو چھینکے پر ٹانگ دو۔ میں یہ سب نہیں مانتا۔ پہلے بھی نہیں مانتا تھا۔ تم بناؤ میں کھاؤں گا۔!

ہاں بھیا! بنا کھائے جاؤگے تو تمہارے بھائی کیا کہیں گے کہ میرے دوست کو سوکھے منہ بھیجدیا۔ بھات اور چوکھا بنا دیتی ہوں۔

سہدیو ہنس کر بولا۔ تم زہر دیدو، وہ بھی کھالوں گا۔

اس بیچ رحمت کا بیٹا گاؤں کے کئی گھروں کا چکر کاٹ کر واپس آگیا تھا۔ سہدیو نے اس کو اپنے قریب کھینچ لیا۔

کیا نام ہے تمہارا۔؟

اِلفان ـ !

ارے یہ اِلفان کیا ہوا ـ ؟

ختو نیا بیچ میں بولی ـ اس کا نام عرفان ہے بھیّا ـ

اچھا عرفان تم پڑھتے ہو ـ ؟

ہاں !

کیا پڑھتے ہو ـ ؟

الف ـ بے ـ پے ـ ـ ـ ـ !

سہدیو ہنس کر بولا ـ الف بے پے ـ اَمّاں مرغی لے دے ـ

اِس بار ختو نیا منہ پر آنچل ڈال کر ہنسنے لگی ـ

سہدیو نے عرفان سے پوچھا ـ اپنے باپ کے پاس چلے گا ـ ؟

ماں جائے گی تب ـ !

ختو نیا تنک کر بولی ـ مجھے کیوں لے جائیگا تمہارا باپ ؟ اسکے عیش میں خلل نہیں پڑے گا ـ

سہدیو بولا ـ بھابی ابکی رحمت آئے تو تم ضرور اسکے ساتھ آؤ ـ

ختو نیا بولی ـ کتنی بار کہا کہ یہاں کیا ہے ـ بوڑھا ہے اور میں ـ بس دو پرانی وہیں رہیں گے ـ تو نہیں ہو گا ـ وہاں تو عورت بھی کام کرتی ہے ـ مجھے بھی کوئی نہ کوئی مجبوری مل ہی جائے گی ، کم سے کم شہر میں لڑکا تو پڑھ جائے گا ـ یہاں تو مولوی صاحب الف دو زبر اَن بے دو زبر بن میں ساری عمر پار کر دیں گے ـ

سہدیو کو تعجب ہوا ـ یہ معمولی مہوہ چُننے والی عورت اتنی عقل کہاں سیکھ آئی ـ مرد ہے تو بھولا بھالا ـ ایک دم گائے ـ ٹھیک سے بات تک کرنی نہیں آتی ـ کچھ لوگ عورت کے معاملے میں کافی خوش نصیب ہوتے ہیں ـ

ابھی عرفان اس کی گود ہی میں تھا کہ رحمت کا باپ آگیا ـ جمعہ کا دن تھا ـ اور وہ کھرسواں کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا تھا ـ ایک اجنبی آدمی کو اپنے برآمدے میں بیٹھا اور اس کی گود میں عرفان کو دیکھکر استہفامیہ انداز میں بہو کی طرف دیکھا ـ ختو نیا جلدی جلدی اس کا تعارف کرانے لگی ـ

عرفان کے ابو انہیں کے ساتھ کول دری میں کام کرتے ہیں۔ سہدیو بھیا۔ دہی ست گانوا والے جن کے یہاں وہ ہر بار جاتے ہیں۔

رحمت کا باپ سمجھ گیا۔ پوچھا۔

کب آئے بابو ؟

پرسوں آیا ہوں۔!

رحمت ٹھیک ہے نا۔؟

ہاں بالکل ٹھیک ہے۔

بات ایسی ہے بابو کہ کبھی پردیس نکلا نہیں ہے۔ ایک ہی لڑکا ہے۔ تین اور تھے سب بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بس یہی ایک بچ گیا۔ اب گھر چھوڑ کر کمانے نکلا ہے تو دم اسی پر اٹکا رہتا ہے۔ وہ گاؤں میں تھا تو میں نماز نہیں پڑھتا تھا۔ وہ چلا گیا ہے تو پنج وقتی پڑھتا ہوں اور ہر نماز میں اس کی سلامتی کیلئے دعا کرتا ہوں۔

آنکھوں کے سامنے رحمت کا خوف سے پیلا پڑتا چہرہ ابھر آتا ہے وہ اندھیری موت کی سرنگیں دکھلائی پڑتی ہیں۔ وہ دم گھٹنے والا حبس، اور جسم کے سارے مساموں سے پھوٹتا ہوا پسینہ اور ذہن میں لرزتا کانپتا وہ خوف، موت کا خوف، موت جو وہیں کہیں موجود ہوتی ہے۔ یہ شاید باپوں کی دعاؤں کا ہی پرتاپ ہے کہ ہم لوگ ہر روز موت کے منہ سے سلامت نکل آتے ہیں۔ سہدیو نے نظر اٹھا کر بوڑھے کو دیکھا۔ کمزور آدمی، کھچڑی بال۔ داڑھی اور بھوؤں کے ایک آدھ سفید بال، دھیرے دھیرے چلتا ہے۔ شاید ٹھیک سے دکھلائی بھی نہیں دیتا۔

رحمت کا باپ سہدیو کے بغل میں بیٹھ گیا۔

اس سے کہنا فضول چیزوں میں پیسہ برباد نہ کرے۔ اب اس نے بہو کیلئے ایک مہین ساڑی بھیج دی ہے۔ گاؤں میں ایسی ساڑی کون پہنتا ہے کہ انگ دکھلائی دے۔ یہ سب چلاوا شہر کا ہے۔ ابھی کما رہا ہے، دو پیسہ وہ اب کر نہیں رکھے گا تو آگے اولاد ہے۔ اسکے لئے بھی کچھ کرنا ہے۔ اِدھر اُدھر کر کے بیگھہ دو بیگھہ زمین خرید لے تو کم از کم بچے کا آدھار تو ہو جائے گا۔ لڑکے کا جھنجھنا بھیج دینے سے زندگی نہیں کٹتی.....؟!

اَچانک عرفان نے دادا کو مخاطب کیا۔

دادا۔؟ اور آج لائی ہوئی پلاسٹک کی موٹر اس کو چڑھانے کیلئے دکھائی۔

ایک دم خراب کر دیا ہے اسکو بھونے نے!

ختونیا منھ پر آنچل ڈال کر ہنسنے لگی۔

چار گھنٹے رسولپور میں گذار کر، میاں کے گھر کا بھات کجوس کر واپس ہوا تو اسکا من ایکدم ہلکا ہو چکا تھا۔ کل دن بھر جو کدورت تھی، جو ایک بے نام سی اداسی، یا احساس زیاں تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ ختونیا باہر نکلتے نکلتے سسر کی نظر بچا کر بولی تھی۔

عرفان کے ابو کو بولنا کہ وہ بول گیا تھا چاندی کی سکڑی بھیجنے کو، وہ بھیجدے، اگلے مہینے خاں صاحب کے یہاں شادی ہے۔ کیا ننگی بُچی جاؤں گی۔؟

ابھی اس نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ بوڑھا آدھمکا۔ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکل آئے۔ بوڑھے نے پیار سے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

فی امان اللہ۔!

سہدیو نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔

اس کا کیا مطلب ہوا بابا۔

اس کا مطلب ہوا جاؤ تمہیں خدا کی حفاظت میں دیا۔

واپسی میں سائیکل چلاتے ہوئے وہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ یہ دعا کس نے کس کو دی۔ ایک باپ نے ایک بیٹے کو، ایک دُکھی آدمی نے دوسرے دُکھی آدمی کو، یا ایک مسلمان نے ایک ہندو کو۔ مجمدار کہتا ہے۔ ایک جگہ پہنچکر مذہب آپ سے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کا بھید بھاؤ ناپید ہو جاتا ہے۔ ساری خود ساختہ لکیریں مٹ جاتی ہیں۔ وہ جگہ، وہ نقطۂ اتصال شاید یہی ہے۔

من نہیں لگا تھا گاؤں میں!

سب کچھ سونا سونا، لٹا لٹا سا محسوس ہوتا۔ ایسا لگتا جیسے کچھ کھو گیا ہو۔ یا جیسے وہ تھک گیا ہو۔ جلیبیا کا بہت غم بھی نہیں تھا۔ بہت زیادہ احساسِ زیاں بھی نہیں۔ بس ایک غصہ، ایک کڑھن، جھلاہٹ، اور اداسی، ہاں گہری بے نام اداسی، اس بار پھاگن بھی پھیکا پھیکا ہی رہا۔ نس نس میں لہر اکر چلنے والا لہو بھی جیسے ٹھنڈا ہی تھا۔ نہ کوئی ترنگ مچلی، نہ کوئی سرکش خواہش، کسی کو زبردستی دبوچ کر چوم لینے کی خواہش، جاگی۔ نہ گلیوں میں ناچنے کا من ہوا۔ نہ راستے میں ڈھول اڑانے پہ طبیعت آئی۔ ہولی اتنی پھیکی اور اتنی بے رس کبھی نہ تھی۔ اسی لئے وہ دن چڑھے تک سوتا رہا۔ اس کا من نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بستر سے باہر نکلے۔ اس کی بھابی نے کئی بار اسکی چادر کھینچی، دو ایک تیز تیکھی گالی بھی دی۔ جھلائی بھی۔ پاؤں رنگنے والا تیز گلابی رنگ اس کے چہرے پر مل دیا۔ سارا منہ لال ہو گیا۔ ایکدم جگ مگ گلابی۔ مگر وہ ویسے ہی ٹھنڈا پڑا رہا۔ آخر جب سندر لال اپنے ساتھیوں کے ساتھ آدھمکا۔ اور اس کو زبردستی گھسیٹ کر باہر لے گیا۔ تب اسکو معلوم پڑا کہ آج سچ مچ ہولی ہے۔ پھر بھی اس نے کوئی پریکٹیکل حصہ نہیں لیا۔ جس نے رنگ دیا لے لیا۔ جس نے ابیر لگائی لگوالی۔ سندر لال کے یہاں پوا پوری کھائی۔ سندر لال کی بیوی کے مذاق کا نشانہ بھی بنا۔ مگر بھانگ کھانے سے صاف انکار کر دیا۔

کولیری واپس آنے کیلئے وہ ہولی کے دوسرے ہی دن تیار ہو گیا تھا۔ مگر اسکے بھائی نے اسکو زبردستی روک لیا۔ دو دن کسی طرح اور کاٹ کر آخر پندرہ دن کی چھٹی کے دو دن ابھی باقی ہی تھے کہ وہ بھاگ نکلا۔ بھابی طعنہ سے بولی۔

ایسے ادتاؤلے ہو رہے ہو مانو وہاں کوئی تم سے ہولی کھیلنے بیٹھا ہے۔

بھائی بولا۔ شہر کی ہوا لگ گئی ہے اسکو۔ اب گاؤں تھوڑے ہی اچھا لگے گا اس کو۔

اس نے سے دونوں میں سے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔

رات بھر گاڑی میں جھکولے کھانے کے بعد جب صبح کو وہ کولیری پہنچا۔ تب اس کو ذرا سکون ملا۔ جس گاؤں کو چھوڑتے ہوئے پہلی دفعہ اس کا دل اتنا دکھا تھا۔ آج اس سے جدا ہوتے ہوئے ذرا سا احساس بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے ایک طرح کی راحت سی محسوس کی۔ حالانکہ دھوڑے میں بھی خلاف معمول ایک عجیب سی چپ لگی تھی۔ وہ پہلے والی چہل پہل، بولنا بتیانا بات بات

سب موقوف تھا۔ سبھی کی آنکھوں میں ایک انجانا خوف اور چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔ اس سے کسی نے حال چال بھی نہ پوچھا۔ نہ گاؤں گھر کے حالات معلوم کئے۔ نہ ہولی کی بابت دریافت کیا۔ بس اتنا بھر پوچھا۔

کیسے آگئے ابھی تو چھٹی میں دو دن باقی ہیں۔؟

بس مَن نہیں لگا گاؤں میں۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کو اس سرد رویئے کا احساس ضرور ہوا مگر وہ اتنا تھکا ہوا تھا اور اتنا دل برداشتہ تھا کہ اسکی طرف دھیان بھی نہیں گیا۔ گمچھا اٹھا کر پوکھر میں نہانے چلا گیا پھر وہاں سے واپس آیا تو چائے پینے نکل گیا۔ دھوڑے کے لوگ بھی کام پر جا چکے تھے۔

رات کو گھر سے لایا بھُنا چاول نکال کر سب کو دینے لگا تب اس نے دیکھا کہ رحمت میاں نہیں ہے۔ اس نے ایسے ہی پوچھ لیا۔

رحمت کیا رات کے پٹلے میں ہے۔؟

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ ایسا لگا کہ اس کے سوال پر اچانک سب گھبرا سے گئے۔ مگر سہدیو نے اس کا نوٹس نہیں لیا اور اپنی رو میں بولتا گیا۔

میں اسکے گھر گیا تھا۔ اس کا کمبل واقعی نیا ہے۔ کیا فرسٹ کلاس عورت ہے۔

کمبل کی بات اتنی عام ہو گئی تھی کہ سب لوگ جان گئے تھے کہ کمبل سے مراد رحمت کی بیوی ہے' مگر اس بات کا بھی کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔ نہ کوئی ہنسا اور نہ ہی کسی نے جواب دیا۔ وہ لوگوں کے رویئے سے چونک سا گیا۔

کیا بات ہے؟ کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟

ننکو نے کھکھار کر گلا صاف کیا پھر بولا۔

وہ رحمت میاں ......!

کیا ہوا رحمت میاں کو۔؟

ہوا کچھ نہیں بس وہ تین دن سے لاپتہ ہے۔

وہ ایک دم سے حیران رہ گیا۔ لاپتہ.....؟ مطلب؟؟

مطلب یہ کہ تین دن پہلے وہ کام پر گیا ہے۔ اندر ہمارے ساتھ ہی اترا ہے۔ پھر کھادسے

نکلکر پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔

مگر اتنی دیر سے کسی نے مجھے بتایا بھی نہیں۔

ہم لوگوں نے سوچا وہ گھر چلا گیا ہوگا۔

بغیر کسی کو بولے، بتائے وہ گھر کیسے جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی ہولی میں، جب مسلمان اور اور لوکل لیبر بہی کو لیری چلتی ہے۔

جگیشر بولا۔ میرا خیال ہے گھر سے کوئی خیر خبر مل گئی ہوگی اس لئے اچانک چلا گیا۔ میں بھی تو پرسوں آیا ہوں۔ تم تو اس کے گھر ضرور گئے ہوگے۔

اس کے گھر تو میں کوئی دس دن پہلے گیا تھا۔

یہ بات تو تین دن پہلے کی ہے۔

سامان لے گیا ہے اپنا۔؟

نہیں سامان تو ویسے ہی پڑا ہے سب کا سب، یہاں تک کہ پاجامہ جسے وہ سوکھنے کیلئے رسی پر ٹانگ گیا تھا وہ بھی ویسے ہی پڑا ہے۔

مالک کو خبر ہے۔؟

سب کو خبر ہے۔ ایسے تو لیبر اکثر بھاگ جاتے ہیں۔

یہ بات کس نے بتائی تھی کہ وہ کان سے اوپر آیا تھا۔

حاضری بابو نے۔!

وہ عجیب خدشوں میں گھر گیا۔ کام چھوڑ کر بھاگ جانے کی بات گلے سے نہیں اتر رہی تھی۔ وہ کسی بری لائین میں بھی نہیں تھا۔ نہ شراب، نہ جوا، نہ عورت بازی، کسی سے دشمنی بھی نہیں تھی۔ گئو آدمی تھا۔ لے دے کہ ایک ہی بات دماغ میں ٹھہرتی تھی کہ وہ گھر ہی چلا گیا ہوگا۔

ننکو بولا۔ کل اسکے گھر چیٹھی بھی بھیجی ہے۔ اگر وہاں ہوا تو جواب آجائے گا۔

سہدیو نے اسکا پاجامہ جو ابھی تک رسی سے لٹک رہا تھا۔ اٹھا کر تہہ کیا اور اس کے لکڑی کے بکسے پر رکھدیا۔ اس کی دری جو فرش پر ایک طرف سمٹ گئی تھی۔ اس کو بھی تہہ کر کے بکس پر ڈالدیا۔

اس روز رات بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ پھاگن کی ہوا ضرور ایسی تھی جو آدمی کو گھر بلالے،

ہولی میں مزدور گھر جانے کیلئے پاگل ہوا ٹھتے ہیں۔ چاہے چھٹی ملے نہ ملے۔ چاہے نوکری رہے یا نہ رہے۔ اس لئے عام طور پر ہولی میں رینز نگ ایکدم کم ہو جاتی ہے، بس وہی کچھ تھوڑے سے سیال لیبر اور وہ مزدور جو آس پاس کے گاؤں میں رہتے ہیں اور روزانہ کام کر کے لوٹ جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ اور کوئی نہیں ملتا۔ بابو لوگوں کی حاضری بھی ایکدم کم ہو جاتی ہے۔ دو چار آدمی جو آفس میں رہ جاتے ہیں۔ وہی سارا کام دیکھتے ہیں۔ مگر سوال یہ تھا کہ رحمت میاں مسلمان تھا۔ اس کا نہ یہ تہوار تھا اور نہ ہی اس کو چھٹی مل سکتی تھی۔ وہ اتنے گرم خون والا آدمی بھی نہیں تھا کہ اپنی نوکری کو داؤں پر لگا دے، ٹھنڈی طبیعت کا آدمی، اس میں ایسی آگ بھڑک ہی نہیں سکتی تھی اس سے زیادہ گرم تو اس کی بیوی لگتی ہے دیکھنے میں۔ ختو نیا کا سراپا آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس کی راز داری سے کہی بات یاد آتی ہے۔

عرفان کے ابو سے بولنا کہ سکرٹی بھیجدے کیا خانصاحب کے یہاں ننگی بچی جاؤنگی۔ میاں دو پیسہ کمانے لگا ہے تو ختو نیا کے ٹھاٹھ ہو گئے ہیں۔ وہ خانصاحب لوگوں کو دکھا دینا چاہتی ہے کہ وہ بھی گہنا پہن سکتی ہے۔ گلٹ کا نہیں۔ اصلی چاندی کا چاچم....

پھر یاد آتا ہے رحمت کچھ ڈرا ڈرا سا کچھ سہما سہما سا۔

تم میرے ساتھ ساتھ چلو مجھے ڈر لگتا ہے۔

ڈر۔

وہ ڈرتا بہت تھا۔ ہو سکتا ہے ڈر سے ہی بھاگ گیا ہو۔ سہدیو تھا تو اس کو بہت تقویت ملتی تھی ممکن ہے اکیلا ہونے کی وجہ سے بھاگ گیا ہو۔

نیند نہیں ہے آنکھوں میں اس کی طرح دوسرے لوگ بھی جاگ رہے ہیں۔ کروٹ پر کروٹ بدل رہے ہیں۔ ڈھبری بھی جل رہی ہے۔ کوئی بجھانے بھی نہیں اٹھا۔ شاید کسی کو یاد ہی نہیں رہا۔ ڈھبری کی مدھم پیلی دھواں اگلتی روشنی کوٹھری میں بکھری پڑی ہے۔ اور سارے لوگ بظاہر سوتے معلوم پڑتے ہیں۔ گہری بے چینی میں مبتلا ہیں۔

آخر رحمت میاں گیا کہاں۔؟

زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی تھی کہ وہ گھر چلا گیا ہے۔ چاہے تو گھر سے کوئی خبر آئی ہو۔ چاہے خوف کی وجہ کر۔ اکثر ایسی ہی مزدور کام کرتے کرتے نکل کر رفو چکر ہو جاتے

تھے۔ یہ عام سی بات تھی بہت۔

مگر اسکے پاس کیا تھا۔ بالشت بھر بھی تو زمین نہیں تھی گاؤں میں۔ وہ کس بوتے پہ بھاگ گیا؟ وہ تو کہو باپ نے ایک چھپر ڈال دی تھی۔ ورنہ کسی درخت کے نیچے پڑے ہوتے۔ پھر اسکو یہ مزدوری راس بھی آئی تھی۔ وہ تو ہر صورت ہی محنت بیچنے والا آدمی تھا۔ کولیری میں تو اس کو اپنی محنت کے دام بھی مل جاتے تھے۔ کم ہی سہی۔ وہاں تو بس بیگار تھی۔ جنم جات غلامی پھر وہ کیسے بھاگ سکتا ہے۔

رات ایسے ہی سوتے جاگتے کٹ گئی۔ صبح ہوئی۔ دن نکلا۔ لوگوں میں کام پر جانے کی ہوڑ مچی۔ مگر وہ چپ چاپ لیٹا چھپر کو تکتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اٹھا اور منہ ہاتھ دھوئے بنا جا پہنچا حاضری بابو کے پاس۔

حاضری بابو نہا دھو کر پوجا کر رہے تھے۔ یہ ان کا روز کا نیم تھا۔ ہر روز نہا دھو کر، ناشتہ کر کے ٹھیک کولیری جانے سے پہلے دو اگربتی جلاتے اور دیوار پر لگی لکشمی دیوی کی پوجا کرتے۔ آنکھیں بند کر کے اشلوک بڑبڑاتے اور ایک ہاتھ سے اگربتی گھماتے جاتے۔ اسی لکشمی کا پرتاپ تھا کہ ان کے گھر میں دھن لکشمی اور جن لکشمی دونوں موجود تھے۔

حاضری بابو پوجا سے فارغ ہوئے اور اپنے سامنے سہدیو کو کھڑے دیکھا تو چونک گئے۔ دم بھر کو ایک سایہ سا اسکے چہرے پہ رینگ گیا۔ ہونٹ کچھ سکڑ سے گئے۔ ہوشیار آدمی تھے۔ اس لئے جلد ہی اپنے پر قابو پا لیا۔ دھیمے سے مسکرائے اور بڑے پیار سے پوچھا'

کہو سہدیو۔ کیسے آنا ہوا صبح صبح۔؟

کچھ کہنے سے پہلے سہدیو نے نظر بھر کر حاضری بابو کو دیکھا وہ اس کو کچھ کمزور نظر آئے۔

وہ رحمت میاں کے بارے میں کچھ پوچھنا تھا۔

رحمت،؟ اوہ اچھا وہ رحمت۔ کچھ پتہ چلا۔؟

نہیں میں تو کل ہی گھر سے آیا ہوں۔!

وہ بھاگ گیا ہے۔ کمزور آدمی تھا نہیں سکا۔

یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔

کیوں۔؟ بیسیوں لوگ بھاگ چکے ہیں، کچھ کام کے ڈر سے کچھ چوری کر کے، اور کچھ

تو عورتوں ہی کو لے بھاگے۔

مگر رحمت میاں کے ساتھ یہ ممکن نہیں ہے حاضری بابو۔ وہ اس طرح کا آدمی نہیں ہے۔

دیکھو سُبہدیو۔ کون کسطرح کا آدمی ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ سب وقت آنے پر معلوم ہوتا ہے۔

مَیں اس کو بہت دن سے تو نہیں جانتا مگر جتنے دنوں سے جانتا ہوں اس سے یہ بات بھروسے کہہ سکتا ہوں کہ اتنا سیدھا اور شانت آدمی پوری تمرسا کولیری میں کوئی نہیں۔

اب حاضری بابو ذرا چیں بر جبیں ہو کر بولے۔

بات سیدھے یا بدمعاش کی نہیں ہے، بہت سے لیبر جو کولیری کی ہاڑ توڑ محنت برداشت نہیں کرتے اکثر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں۔ اچھا ہے تم اپنا دماغ خراب مت کرو۔

پھر یکایک حاضری بابو نے ایک دم نرم پڑ کر پوچھا۔

تم کام پر آرہے ہو آج سے۔ کتنا ناغہ ہوا۔؟

ابھی تو میری دو دن کی چھٹی باقی ہے۔

گھر میں سب کسل منگل تو ہے۔؟

ہاں سب ٹھیک ہے۔!

اب گویا بات ختم ہو گئی تھی۔ حاضری بابو اپنی چھڑی اور چشمہ ڈھونڈنے لگے۔ مطلب یہ کہ اب اس کو چلے جانا چاہیئے۔ جبھی اندر سے رانی نکل آئی۔

ارے سُبہدیو! کیسے آئے۔؟

سُبہدیو ٹال گیا۔ بس ایسے ہی حاضری بابو سے کام تھا۔

رانی شکوہ کے انداز میں بولی۔ کبھی تو ہمارے گھر آتے نہیں۔ کوئی چھوا چھوت ہے کیا۔؟

ابھی کل تو گھر سے آیا ہوں!

وہ رانی کو پھر آنے کیلئے کہہ کر باہر نکل گیا۔

سارا دن وہ تمام جگہوں میں تلاش کرتا رہا۔ چائے کی دکانوں میں پوچھا۔

کھینی کی گمٹی والے سے دریافت کیا۔ کولیری کے دھوڑوں میں، یہاں تک کہ شہر میں بھی ڈھونڈا، ریا کا چھوٹا سا شہر، وہ سب طرف گھومتا رہا۔ لوگوں کے چہروں کو تاکتا ہوا جیسے وہ کوئی بچہ ہے جو کھو گیا ہے۔ کلالی پٹی کے تاڑی خانے اور رنڈی خانے پر بھی ایک نظر ڈال لی حالانکہ ایسی جگہیں تو رحمت میاں نے زندگی میں دیکھی بھی نہیں ہوں گیں۔

لوٹتے لوٹتے شام ہو گئی تھی۔ کوارٹر آنے کی بجائے وہ بڑی سڑک پر آگے بڑھ گیا۔ سونا پور بستی، مجمدار کے گھر۔ مجمدار آفس سے آچکا تھا۔ اور اب نہا دھو کر کھانا بنا رہا تھا۔ اس کو دیکھکر ہنستے ہوئے بولا۔

اگر آنا ہی تھا تو کچھ پہلے آئے ہوتے۔ تمہارے لئے بھی چاول ڈیتیا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھکا تھکا سا آکر اس کی چارپائی پر کہنیوں کے سہارے لیٹ گیا۔ اس کے چہرے کی پریشانی اور اس کی حالت بھانپ کر مجمدار سنجیدہ ہو گیا۔

کیا بات ہے۔؟ بہت تھکے لگتے ہو۔؟

جھریا گیا تھا۔!

کیوں۔؟

رحمت غائب ہے پرسوں سے!

اچھا وہی جو تمہارے گاؤں کا ہے؟

خاص میرے گاؤں کا تو نہیں جوار کا ہے۔

ہاں ہاں! کہاں چلا گیا وہ۔

No Trace

مجمدار بولا۔ ارے یار گاؤں چلا گیا ہوگا۔ شاید اچانک گھر سے کوئی خبر آگئی ہو۔

اگر گھر جاتا تو کسی کو بتا کر ضرور جاتا۔!

ہو سکتا ہے اتنا موقع نہ ملا ہو۔ تم ایک دم سے Negative way میں کیوں سوچتے ہو۔!

میں ٹھیک سے کچھ سوچ بھی نہیں پا رہا ہوں۔ اتنا تک پتہ چلتا ہے کہ وہ کان کے اندر

گیا ہے پھر فوراً ہی یعنی بیس پچیس منٹ کے بعد باہر نکل گیا۔ اس کے بعد سے اس کا کوئی پتہ نہیں ہے "۔!

اس بات کی تصدیق تو حاضری بابو سے ہو سکتی ہے۔ اس کے پاس ایک کھاتہ ہے۔ جس کو Form-9 یا نو نمبر کھاتہ کہا جاتا ہے۔ انڈر گراؤنڈ سے جب کوئی کام کے دوران باہر آتا ہے تو اس کو اس کھاتے پر دستخط کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں باہر نکلنے کا ٹائم بھی لکھا جاتا ہے۔

میں آج حاضری بابو سے ملا تھا صبح کو مگر انھوں نے کوئی تذکرہ نہیں کیا اس کھاتے کا۔

بھول گیا ہوگا۔

اتنی بڑی بات کوئی بھول سکتا ہے۔؟

بھائی یہ بات تمہارے لئے جتنی بڑی ہے حاضری بابو کیلئے اتنی بڑی نہیں ہے۔ تم ایسا کرو تم کل پھر حاضری بابو سے مل لو۔ اور اس سے رحمت کی نکاسی کا وقت بھی معلوم کر لو اور رحمت کے دستخط بھی دیکھ لو۔

وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔

تب بھی اسکے انگوٹھے کا نشان تو ضرور ہوگا۔

مگر پتہ نہیں کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ رحمت اگر گھر بھی گیا ہوگا جب بھی کوئی بڑی بات ہوئی ہوگی تب ہی کسی کو بتائے بنا گیا ہوگا۔

بھات پک گیا تھا۔ ٹماٹر کا چوکھا پہلے سے تیار تھا۔ مجمدار نے اس کو اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔ لگتا ہے تم نے صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں۔

مجھے یاد ہی نہیں ہوا۔

میرے خیال میں تو یہ اتنا پریشان ہونیکی بات نہیں۔ تم اسکے گھر سے خبر کیوں نہیں منگوا لیتے "۔

گھر خط لکھا ہے منگوانے "۔

تب چار چھ دن انتظار کر لو۔

بھات کھا کر وہ وہیں لیٹ گیا۔ رحمت کا اداس خشک چہرہ پھر سامنے آ گیا۔ اس نے

سوچا کہ آدمی کو اتنا سیدھا اور بے وقوف نہ ہونا چاہیئے۔ وہ جہاں کہیں بھی گیا تھا کسی کو بتا کے جانا چاہیئے تھا۔ تمام ایک سینس پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اچانک اس نے فیصلہ کیا کہ اگر کل تک کچھ پتہ نہیں چلتا تو وہ خود اسکے گھر چلا جائے گا۔

مجمدار کے گھر سے نکلا تو رات کے دس بج چکے تھے۔ تمام اندھیرا گھر اگیا تھا۔ یوں بھی کولیریوں میں اندھیرا دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ راستے پر آمد و رفت بھی موقوف تھی۔ رات پلہ چالو تھا۔ دن پلہ کے مزدور اپنے دھوڑوں میں بے خبر ہو چکے تھے۔ صرف اکا دکا شراب کے رسیا کہیں کہیں دکھائی دے جاتے۔ وہ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد بری طرح تھک گیا تھا۔ آج اس کو بہت امید تھی کہ رحمت کا کچھ نہ کچھ پتہ مل جائے گا۔ مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ کسی نے اس کو دیکھا بھی نہیں تھا۔

باوری دھوڑے کے قریب سے گذرتے ہوئے اس کو کالا چند مل گیا۔ وہ بری طرح پیئے ہوئے تھا۔ اس کو دیکھا تو ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اتنا رات کو تم کدھر نکل آیا؟

ارے یار میرے ساتھ رحمت کام کرتا تھا نا اسی کو کھوج رہا ہوں۔ کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اور چلے گا بھی نہیں۔

سہدیو ایکدم سے چونک گیا۔ مطلب ”؟

مطلب مت پوچھو۔ یہ سالا مالک لوگ“ اس نے دانت پیسا۔ نشے کے جھونک میں ذرا سا جھولا۔ پھر سہدیو کا کندھا پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں نشہ کے بوجھ سے ادھ کھلی تھیں، مگر ایسے چمک رہی تھیں جیسے ان میں آگ جل رہی ہو۔

سہدیو نے اسکے دونوں کاندھوں کو پکڑ لیا۔

کالا چند! تم کچھ جانتے ہو ـــــ؟

کالا چند غصہ سے تھوک کر بولا۔ سب جانتا ہو گا مگر بولے گا کوئی نہیں۔ کوئی سالا نہیں! لوگ کیا جانتے ہوں گے، تم تو بولو۔

کیا فائدہ ۔! اب کچھ نہیں ہو گا۔

اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے کالا چند کے کندھے پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

دیکھو کالا چند مجھے صاف صاف بتاؤ۔

میں زیادہ نہیں جانتا۔

کتنا جانتے ہو۔؟

بس اتنا کہ اب رحمت اس دنیا میں نہیں ہے۔

نہیں۔۔۔۔۔ں۔۔۔۔۔ں۔۔۔۔۔!

ایک زوردار دھماکہ ہوا سہدیو کے اندر۔ اسی دم بالتھرڈیہہ لوکل ٹرین کی تیز سیٹی اس کی سماعت کو پارہ پارہ کر گئی۔ کولیری کے سارے بلب اچانک بجھ گئے۔ ساری دنیا ایک اتھاہ اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اس اندھیرے میں صرف ایک آدمی دوسرے آدمی کا کندھا پکڑے کھڑا رہ گیا۔ ایک آدمی جسکے پیروں کے نیچے زمین نہیں تھی۔ اور جو اتھاہ گہرائیوں میں گرتا جا رہا تھا۔۔۔۔ سہارے کیلئے۔۔۔۔ اپنے آپ کو گرنے سے بچانے کیلئے اس نے اپنے ہاتھ اسکے کاندھے سے اٹھائے اور اس کے پہلو میں ڈال کر دبوچ لیا۔ اس کو کئی لمحہ کالا چند دکھائی بھی نہیں دیا۔ پھر آہستہ آہستہ اسکی شکل دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگی اچانک اس نے کالا چند کو چھوڑ دیا۔

بتاؤ کیا ہوا کیسے ہوا؟ تم کیسے جانتے ہو یہ بات؟!

پورا بات ہم نہیں جانتا بس اتنا معلوم ہے کہ وہ ختم ہو گیا۔ اور اتنا بات سب سالا جانتا ہو گا۔

کون جانتا ہو گا؟

کالا چند غصہ سے بولا۔ سب! مگر بولے گا کوئی نہیں۔ سب سالا ڈرپوک ہے مالک کا دلال ہے"۔!

مگر تم کو کیسے معلوم ہوا؟

مدنا سے۔!

کون مدنا۔؟

وہی مدنا باوری جسکا جنازہ کوبیل سنگھ کا بھائی لیکر بھاگ گیا تھا۔ اوسالا سب جانتا ہے۔ پہلے تو نشہ کے جھونک میں ہم کو بتا دیا پھر ہم پوچھا کیسے ہوا۔ کیا ہوا تو ہاتھ جوڑ دیا۔ بولا ہمرا چھوٹا چھوٹا بُترو ہے۔ ہم کچھ بولے گا تو سب مر جائے گا۔

کچھ نہیں بولا کہ کیسے مرا۔؟

ایکسی ڈینٹ ہوا تھا۔ کھاد کے اندر۔۔۔۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کان میں اور آدمی ہوں گے۔

یہ سب ہم کو نہیں معلوم۔

مدنا رہتا کہاں ہے۔؟

یہیں تو رہتا ہے باوری دھوڑا میں۔ ہم گھر سے تیسرا والا۔

تب رحمت یاد نہیں آتا، ختونیا یاد آتی ہے۔ اس کا پھول سا کھلا چہرہ یاد آتا ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی چنچل آنکھیں یاد آتی ہیں۔۔۔۔۔ اور عرفان یاد آتا ہے۔

الف بے پے اماں مرغی لے دے۔

اور وہ بوڑھا باپ یاد آتا ہے۔ جو ہر نماز کے بعد اپنے بیٹے کی سلامتی کی دعا مانگتا ہے۔ جس کی پیشانی پر سجدے کا نشان ابھر آیا ہے۔ اور جس کی کمزور دھندلی، بوڑھی آنکھوں میں جتنی دور تک، جتنی گہرائی تک دیکھو، بس ایک شبیہہ نظر آتی ہے۔۔۔۔۔ اس کے بیٹے کی، اسکے رحمت کی شبیہہ۔۔۔۔۔۔ وہ گھر یاد آتا ہے جو برسہا برس کے بعد اب خوشیوں سے، تیز اونچی آواز سے بچے اور ماں کی بے لوث اور بے ساختہ ہنسی سے بھر گیا ہے۔۔۔۔ اور یہ ساری یادیں سہدیو کی آنکھوں میں انگارہ بن کر جل رہی ہیں۔۔۔۔ نہیں آنسو نہیں ہیں۔۔۔ ایک تیکھا، مضطرب کر دینے والا درد ہے جیسے اس کے اندر کسی آتش فشاں کا دہانہ کھل گیا ہو اور بڑی بڑی چٹانیں ٹوٹ ٹوٹ کر، چیخ چیخ کر بکھر رہی ہوں اور لاوا، گرم سیال آگ پھوٹ پڑنے کو آمادہ ہوا ٹھی ہو۔

کالا چند جا چکا ہے۔ اب وہ گھپ اندھیرے میں اکیلا کھڑا ہے، کہیں کوئی آواز نہیں، صرف کبھی کبھی کالیج کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی ہے۔ جیسے سیکڑوں عفریت ایک ساتھ چیخ رہے ہوں۔ پھر سناٹا چھا جاتا ہے۔ وقفے وقفے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایکدم سسٹومیٹک

ڈھنگ سے......

اب وہ کدھر جائے۔؟ گھر۔؟؟

نہیں۔

مجمدار کے گھر۔؟

نہیں وہاں بھی نہیں۔

پھر۔۔؟؟

وہ فیصلہ نہیں لے پاتا۔ بہت دیر تک کھڑا رہتا ہے۔ خاموش، اندھیرے میں ایک غیر مادی شے کی طرح۔ پھر اسکے پاؤں آپ سے آپ باوری دھوڑے کی طرف اٹھ جاتے ہیں' مدنا سویا نہیں ہے۔ چار دنوں سے نہیں سویا۔ دارو بھی بیکار گئی ہے۔ اس آدمی کی شکل آنکھوں سے اتر ہی نہیں رہی ہے۔ دھنسی ہوئی کھوپڑی، بیٹھا ہوا جبڑا، اور ٹوٹی ہوئی گردن؟ اور کوئلے کی چٹانوں میں پھنسا ہوا وہ میاں لیبر آج چار دن کے بعد بھی لگتا ہے جیسے سب کچھ ابھی ابھی وقوع پذیر ہوا ہے۔ جو بھی منظر کا تمام تر خوف وہراس اسکے روم روم میں سما گیا ہے۔ اس لئے وہ چار دنوں سے کام پر نہیں گیا بلکہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلا۔ کوئی آواز ہوتی ہے تو چونک جاتا ہے۔ مرے ہوئے آدمی اس نے بہت دیکھے ہیں مگر ایسے نہیں' اس طرح تو بالکل نہیں.... ہنستے بولتے یکا یک موت کے منہ میں چلے جانا......

اس کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی، بیوی سال بھر پہلے مر گئی تھی۔ کپل سنگھ کے بھائی سدا ما سنگھ کے یہاں سے گیارہ دن رہ کر لوٹنے کے بعد گیارہ قسم کی تو اس کو بیماری لگ گئی تھی، سارے بدن میں لال لال چکتے ابھر آئے تھے، جسم کے نازک حصّے زخموں سے بھر گئے تھے۔ برآمدے میں سر نہوڑ کر سارا دن روتی رہتی۔ علاج کیلئے تھا بھی کیا۔؟ دونوں میاں بی بی ملکر کماتے تھے تو دو جون کی روٹی چلتی تھی۔ ان میں سے ایک بیٹھ گیا تو سب آدھا ہو گیا۔ مگر پیٹ تو آدھا نہیں ہو سکتا، اوپر سے تین یہ چھوٹے چھوٹے ریزہ۔ ریزہ۔ بچے۔ دوا کہاں سے آئے۔؟ سوئی کہاں سے لگے۔؟ غریب تو ایسی بیماری بھی نہیں لگتی نا کہ کام بھی کرتے رہو اور علاج کرواتے رہو۔ سو علاج کے بنا ہی دو مہینہ بعد مر گئی۔ پتہ نہیں اپنے باپ کا ڈنڈ بھوگ کر یا دوسرے کے پاپ کا مگر اب یہ تین چھوٹے چھوٹے بچے، بڑی لڑکی سات سال کی ہے۔ باپ کے ساتھ چوکا برتن میں ہاتھ بٹاتی ہے، بن ماں کے

بچے دھول میں سنے، ناک بہتی ہوئی۔ سر پہ دھول مٹی کا تاج، مدنا کمائے کہ بچوں کی دیکھ ریکھ کرے، مگر پیار تو ہے ہی اس کو۔ سو کڑک مرغی جیسے اپنے بچوں کو پیٹ کے نیچے سمیٹ کر رکھے رہتی ہے۔ اسی طرح وہ بھی اپنے بچوں کو انگ لگائے رکھتا ہے۔ ان بچوں کے چلتے اس نے دارو بھی چھوڑ دی تھی۔ مگر چار دنوں سے اس نے پھر دارو شروع کر دی ہے۔ گو کوئی فائدہ نہیں نشہ ہی نہیں ہوتا وہ سب کچھ جو دماغ میں گھسا ہوا ہے۔ اس سے چھٹکارا ہی نہیں ملتا۔ دن تو خیر کسی طرح کٹ جاتا ہے۔ مگر رات؟ رات کو پھر وہی حادثہ ہوتا ہے، ہر رات کو ہوتا ہے۔

لوگ جب انڈر گراؤنڈ میں اسٹیشن پر Eye setting station دس پندرہ منٹ کیلئے رک گئے تو ان میں سے کچھ لوگ ادتان لوٹنے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں وہ خود بھی تھا۔ یہ سب الگ الگ گیلریوں میں جا رہے تھے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ وہ جس ادتان

کی طرف بڑھ رہا تھا اسی ادتان میں کوئی اس سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ وہ اس سے کوئی تیس گز آگے تھا۔ وہ تو دکھلائی نہیں دے رہا تھا مگر ڈھبری کی مدھم روشنی میں ایک انسانی ہیولا صاف دکھلائی دے رہا تھا۔ وہ ابھی چلا کر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ روف (چھت) سے کوئلے کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آس پاس کی سیاہ دھول کے ساتھ ملکر ایک سیاہ آندھی کی طرح سب کچھ ڈھانپ گیا۔ بجلی کی تیزی کے ساتھ وہ سرنگ کی دیوار سے چپک گیا ورنہ ہوا کا یہ تیز جھونکا اس کو دھڑام سے پٹخ دیتا۔ یہ اتفاق تھا کہ اسکی ڈھبری بجھنے سے رہ گئی۔ جب سیاہ دھول چھٹ گئی تب اس نے ڈھبری اٹھا کر چھت کو دیکھا۔ چھت ٹھیک تھی۔ اپنے سارے وجود کی ہمت کو مجتمع کر کے وہ آگے بڑھا اور پر نظر لگائے اس آدمی کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لایا۔ خطرے کی جگہ سے باہر آ کر اس نے ڈھبری نزدیک کر کے دیکھا۔ اس امید میں کہ شاید وہ زندہ ہو۔ مگر جیسے ہی اسکے چہرے پر نظر پڑی وہ سر سے پاؤں تک سہر گیا۔ سر ٹھوڑی کے پاس آ گیا تھا۔ اور ٹھوڑی گردن میں دھنس گئی تھی۔ اور گردن شانوں کے بیچ میں غائب تھی۔ مدنا اپنے سارے وجود سے کانپنے لگا۔ پہچان نہیں سکا۔ پہچان کیلئے چہرہ تھا بھی کہاں۔ الٹے پیروں بھاگنے کو ہوا تب ہی رام ادتار سردار بھاگتا ہوا آ گیا۔ وہ ہوا کے جھونکے اور ہوا میں کوئلے کے ذرات دیکھ کر سمجھ گیا تھا۔ اس نے آتے ہی ڈھبری سے مرنے والا کا چہرہ دیکھا تھا اور پوچھا تھا۔

کہاں ہوا۔؟

آگے ..... روف .....! وہ ٹھیک سے بول بھی نہ سکا۔

اچھا دیکھو تم سیدھے اوپر چلے جاؤ اور وہاں سے سیدھے گھر چلے جانا۔ کسی سے کچھ بولنا مت، ایک لفظ نہیں"!

پھر اس نے ایک آدمی کو بلایا اور سرنگ کے موڑ پر کھڑا کر دیا۔

کسی کو اس طرف کے اوتان میں جانے مت دینا۔ کہنا خطرہ ہے ادھر۔

رام اوتار سردار بھی اسکے ساتھ ہی اوپر اٹھا تھا۔ حاضری بابو کے کان میں کچھ پھونک کر انچارج بابو کے اوفس کی طرف بھاگا۔ مدنا ہانپتا ہوا بدحواس گھر آیا تھا اور سیدھے بستر پر جا گرا تھا۔

دوسرے دن کپیل سنگھ کا ایک آدمی اس کے گھر آیا تھا اور تاکید کی تھی۔

اس بات کی خبر کسی کو نہیں ملنی چاہیئے۔ تم کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کروگے۔ گھر سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کام پر بھی نہیں، تمہاری حاضری بن جائے گی۔ ہفتہ گھر پہنچ جائے گا۔ اور اگر تم نے کسی کو بتایا تو تمہارا تو جو ہوگا سو ہوگا ہی تمہارے بچے سڑک پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔

مگر اس سے پہلے ہی وہ دو آدمیوں کو بتلا چکا تھا۔ ایک اپنی سات سالہ بیٹی کسمی کو اور دوسرے اپنے ساتھ پینے والے کالا چند کو۔

جب سوچتے سوچتے اس کے دماغ کی ایک ایک رگ تن گئی تب وہ اندھیرا گھرانے کے بعد پینے چل دیا۔ پوری بوتل خریدی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ نشہ میں سب بھول جائے گا۔ دارو سب ٹھیک کر دے گی۔ مگر کچھ نہیں ہوا۔ لگا جیسے دارو نہیں پی دامودر ندی کا پانی پیا ہو۔ بدن کی ٹھنڈک بھی ذرا کم نہیں ہوئی۔ بدن کا کانپنا بھی بند نہیں ہوا۔ تب وہ قریب میں تنہا بیٹھ کر پینے والے کالا چند کے پاس چلا گیا۔ اور اس سے رازداری سے بولا۔

تم کو پتہ ہے کھاد میں حادثہ ہو گیا۔

حادثہ ــــ؟ کالا چند چونکا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر اطمینان سے پوچھا تھا۔

کیا بے زیادہ چڑھ گئی ہے ــ؟

گنگو قسم نشہ میں نہیں بولتا۔

کالا چند نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا ــــ ہاں تو بیٹا کب ہوا یہ حادثہ ــــ؟ کل ــ؟

نہیں آج۔!

کسی کو چوٹ لگا۔؟

ایک آدمی مر گیا۔

اچھا کون تھا وہ۔؟

یہ معلوم نہیں۔ پہچان نہیں سکا۔

کالا چند پورے نشہ میں تھا بولا۔

اچھا کیا بٹیا جو پہچانا نہیں۔ پھر اس سے از راہِ مذاق پوچھا۔

اسکا ارتھی تم اکیلے لے گیا تھا۔؟

تم یار مذاق سمجھتا ہے۔

کون سالا تم سے مذاق کرتا ہے۔ بولو تو کتنا بوتل پیا ہے۔

دُو بوتل مگر نشہ نہیں ہوتا۔ سالا لوگ پانی ملا دیتا ہے۔ پانی کا پیسہ لیتا ہے۔

ابے پانی نہیں ملائے گا تو کیا تم کو کھانٹی (خالص) دے گا۔ جانتا ہے کس کا دکان ہے۔ دوارکا پرشاد کا۔ کپل سنگھ کا آدمی ہے۔ وہ پانی نہیں بیچے گا تو کیا مہوہ کا پہلا دھار ڈالا بیچیگا۔

تب مدنا کو اچانک احساس ہوتا ہے کہ یہ سب اسکو نہیں بتلانا چاہیئے تھا کالا چند کو۔

وہ گھبرا کر اٹھا اور لڑکھڑا کر اندھیرے میں اتر گیا۔ سوچا اچھا ہوا کالا چند اس بات پر یقین نہیں کیا۔ ورنہ.....

ڈر سے اب اس نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ روز شام کو اپنی بیٹی سے دارو منگوا لیتا ہے جب تینوں بچے سو جاتے ہیں تب وہ پینا شروع کرتا ہے۔ گلاس بھر بھر کے آگ اپنے اندر انڈیلتا ہے، مگر بدن کی ٹھنڈک اور ہاتھوں کی لرزش ختم نہیں ہوتی۔ رات لمحہ لمحہ کٹتی ہے، کتوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھونکتے ہیں۔ سیار (گیدڑ) رُوتے ہیں۔ ٹالیج کی گڑگڑاہٹ سُنائی دیتی ہے۔......

آنکھیں نیند کو ترس جاتی ہیں...... ہر بار وہی چہرہ...... وہی ٹوٹی ہوئی گردن،...... کون تھا وہ! پھر آگے کیا ہوا۔؟..... لاش باہر کب لائی گئی۔؟...... اس کو پھونکا کب گیا۔؟...... کچھ معلوم نہیں،...... کوئی خبر نہیں،...... کولیری میں کوئی ہلا بھی نہیں ہے...... کہیں کوئی طوفان بھی نہیں اٹھا...... پھر اس کو کیوں قید کر رکھا ہے کپل سنگھ نے۔ اگر سب ٹھیک ٹھاک ہے تو اسکی

زبان کیوں بند کر دی گئی ہے۔

دروازہ پیٹنے کی آواز آرہی ہے۔ کوئی اس کا نام لیکر پکار رہا ہے۔

وہ دارو کا بوتل اور المونیم کا گلاس چارپائی کے نیچے دھکیل دیتا ہے۔ چاہتا ہے کہ باہر جو کوئی بھی ہے اس کو سوتا سمجھ کر واپس چلا جائے۔ اس لئے کوئی جواب نہیں دیتا۔ چپ رہتا ہے اتنی رات کو کون ہوگا۔؟ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے..... کہیں کپل سنگھ خود نہ ہو، مگر نہیں یہ کپل سنگھ کی آواز نہیں ہے۔ اس کی آواز وہ پہچانتا ہے۔ آرہ ضلع والی اینٹھی ہوئی زبان۔

دروازہ ایک زور زور سے پیٹا جا رہا ہے۔ یہ کون ہے۔؟ کمبخت کو معلوم نہیں کہ بچے جاگ جائیں گے۔ دروازہ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ ٹھیکیدار نے پیسہ لیا ہے۔ سال لکڑی کا پر بنوایا ہے جامن کا۔ ایک برسات ہوئی تو اینٹھ گیا۔ دوسری برسات ہوئی تو کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ اب تو گھن لگ کر ایسا جار جار ہو گیا ہے۔ کہ کوئی زور سے دھکا دے تو چوکھٹ سمیت اندر آجائیگا۔

دروازہ مسلسل پیٹا جا رہا ہے۔ وہ اٹھتا ہے۔ لڑکھڑا کر چلتا دروازے کی کنڈی کھولتا ہے، ذرا سا جھانک کر دیکھتا ہے۔ اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جبھی ایک مضبوط ہاتھ اندر آکے اس کو بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لیتا ہے۔ وہ خوف سے کانپنے لگتا ہے۔

تمہارا نام مدن ہے۔؟

وہ منہ سے جواب نہیں دے پاتا، کوئی آواز ہی نہیں نکلتی۔ صرف گردن ہلاتا ہے جو سہدیو کو دکھائی نہیں دیتی وہ اسکے بازو پر اپنی گرفت اور مضبوط کر دیتا ہے اور سانپ کی طرح پھپھکارتا ہے۔

تمہارا نام مدن ہے؟ مدنا باوری۔؟

ہاں۔!

رحمت میاں کیسے مرا۔؟

رحمت میاں ___؟ اچھا تو اس کا نام رحمت میاں تھا۔ وہ گنوآدمی، اونچا پاجامہ پہنتا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی لوگ اس کو مولی صاحب بھی کہتے تھے۔ سہدیو نے اسکو زور سے ہلایا۔

میں پوچھتا ہوں رحمت میاں کیسے مرا۔؟

اسکا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ چال کا ٹکڑا گرا تھا۔

تم نے دیکھا تھا اپنی آنکھ سے ۔؟

ہاں ۔!

کب ہوا یہ ایکسی ڈینٹ ۔؟

چار دن پہلے منگلوار کو ۔!

تم نے دیکھا تھا وہ رحمت میاں ہی تھا ۔؟

اس کی شکل اتنی خراب ہوگئی تھی کہ پہچانا نہ جاتا تھا ۔

مگر اس کی لاش کہاں ہے ۔؟

یہ مجھے معلوم نہیں ۔!

پھر وہ دھیرے دھیرے سب بتا دیتا ہے ۔ ساری بات بتا دیتا ہے ۔ جتنا بھر وہ جانتا ہے وہ سب کچھ ۔ مگر آگے کیا ہوا یہ بات اس کو معلوم نہیں ، کسی کو معلوم نہیں ۔ . . . سہدیو نے اس کو کہا ۔!

تمہیں کل چلنا ہوگا ۔ میرے ساتھ جوالا مصر کے پاس ۔

مگر کپل سنگھ نے منع کیا ہے کہ میں کسی سے کچھ نہ بولوں ۔

کپل سنگھ کی ایسی تیسی پہلے تو مجھے رام اوتار سردار سے ملنا ہے ، سالا دو مُنہا سانپ ۔

سہدیو واپس ہوتا ہے ۔ پہلے رحمت میاں لاپتہ تھا ۔ اب اس کی لاش غائب ہے ۔ تعجب ہے ۔ اتنا بڑا واقعہ ہوا ، ایک آدمی کی جان چلی گئی اور کسی کو خبر نہیں ہوئی ، اور اگر کچھ خبر بھی ملی تو لوگوں نے چپّی سادھ لی ۔ کیا یونین کو کچھ معلوم نہیں ۔؟

وہ اپنے دھوڑے میں آتا ہے ۔ وہ جگہ خالی ہے جہاں رحمت میاں کی دری بچھی ہوئی تھی ۔ وہ وہیں جا کر بیٹھ گیا ۔ دیوار کے ساتھ رکھے اسکے لکڑی کے بکس کو چھوا ، تہہ کر کے رکھے پاجامہ اور دری پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرا ۔ . . . . اس کے اندر ، بہت اندر ، بھبھکا کر دھواں اٹھا اور اندر کی ساری آگ آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ نکلی ۔ . . . . اندھیری کوٹھری میں وہ بے آواز روتا رہا ۔ . . . آگ کو بہنے دیا ۔ . . . بہہ جانے دیا ۔ . . . قطرہ قطرہ . . . بوند بوند گالوں پر رینگتی سیال آگ ، جو جلاتی نہیں ، ساری جلن کو ٹھنڈا کرتی جاتی ہے ۔ ساری آگ کو بجھاتی جاتی ہے ۔

بوند بوند...... قطرہ قطرہ.......

صبح آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ آیا تھا۔ وہ ننگے فرش پر اس جگہ پڑا تھا، جہاں پہلے رحمت میاں سوتا تھا۔ دھوڑے کے لوگ اٹھ کر کام پر چلے گئے تھے۔ کسی نے اس کو جگانے کا ساہس نہیں کیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان لوگوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ سویا رہے اور وہ نکل جائیں۔ وہ اسکا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے۔

بہت دیر تک یونہی پڑے چھپر کو گھورتے ہوئے وہ سوچتا رہا کہ اب اسکو کیا کرنا ہے، لیکن ہر بار رحمت میاں کا بھولا بھالا معصوم چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ وہ اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں پا رہا تھا۔

بہت دیر بعد وہ اٹھا اور گمچھا اٹھا کر پوکھر میں نہانے چلا گیا۔ آج دو دن سے اس نے غسل نہیں کیا تھا۔ پوکھر کے ٹھنڈے پانی سے اسکو کافی سکون ملا۔ مگر ساتھ ہی اسکی بھوک بھی چمک اٹھی۔ تب اسکو یاد آیا کہ کل سے اس نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ جمدار کے ساتھ دو چار نوالہ بھات کے علاوہ، نہا کر وہ بازار آگیا۔ آلو چپ کھا کر اور چائے پی کر وہ یونین آفس کی طرف چل دیا۔

جو الامصر یونین آفس میں نہیں تھا۔ معلوم ہوا وہ کولیری آفس کی طرف گیا ہے۔ کولیری آفس پہنچا تو معلوم ہوا وہ آٹھ گھنٹہ پہلے انچارج بابو کے ساتھ کہیں گاڑی میں گیا ہے۔ کولیری آفس میں جمدار سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر آہستگی سے پوچھا۔

کچھ پتہ چلا ــ؟

ہاں!

مجھے بھی کچھ سن گن لی ہے۔

کیا ــ؟

آج شام کو گھراؤنا وہیں باتیں ہونگیں۔

توتمام کولیری میں ہلا ہو جاتا۔

مجھے تو لگتا ہے وہ بھاگ ہی گیا ہوگا۔ حاضری بابو کے کھاتے میں اسکی نکاسی بھی لکھی ہوئی ہے۔ اس پر رحمت میاں کے انگوٹھے کا نشان بھی لگا ہوا ہے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ انگوٹھے کا نشان کسی دوسرے کا ہو۔؟

اس کی تو جانچ کرائی جاسکتی ہے۔

پھر مدنا بھی تو ہے۔ اس نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

او سالا بیکٹر کا ہم کو ذرا بھروسہ نہیں۔!

وہ لوگ بازار سے گذرے۔ ایک آدھ ملکٹا نے شردھا سے اس کو پرنام کیا۔

پالاگی بابا۔

جیا۔ آنند کرائے۔!

جوالا مصر اور اس کو ساتھ ساتھ جاتے دیکھکر لوگوں کے چہروں پر تجسس تھا۔ مگر ٹوک کوئی نہیں رہا تھا۔ جیسے سب کے سب کو اندازہ تھا کہ کچھ ہونے والا تھا۔ مگر دونوں لوگوں کی نظروں سے بے خبر یونہی بولتے بتیاتے گیوال دھوڑے کو پار کر کے جب بادری دھوڑے میں مدنا کے کوارٹر پہ پہنچے تو دنگ رہ گئے۔ مدنا کے کمرے میں تالا جھول رہا تھا۔

ارے یہ کہاں چلا گیا؟

بغل کے لوگوں سے پوچھ تاچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ آج صبح تڑکے ہی وہ اپنے تمام سامان اور بچوں کے ساتھ کہیں چلا گیا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ تو ایک بڑھیا کو اپنے گھر کی اکلوتی چارپائی دے گیا تھا اسی نے یہ بات بتائی،

دونوں چپ چاپ کھڑے بند دروازے پر جھولتے تالے کو دیکھتے رہے۔ سہدیو نے جوالا مصر کی طرف دیکھا۔

اب کیا کیا جائے۔؟

کرنا کیا ہے۔ یہ مدنا بٹیا تو گیا۔ اگر رہتا بھی تو مالک کے خلاف کچھ بولنا اس کے لئے مشکل تھا۔

ارے سُسرا اس کی جورو کو اٹھا کے لے گیا سو تو وہ کچھ بولا ہی نہیں۔

سہدیو بولا۔ اب آخر میں کیا کروں۔؟

رحمت میاں کے لاش کو کھڑا کر کے رہوں گا۔"

اس کی گرج دار آواز سے سارا ماحول گونج اٹھا۔ دو تین آدمی جمع ہو گئے۔ اوفس سے بھی ایک آدھ آدمی نکل آئے۔ حاضری بابو کو پسینہ چھوٹ گیا۔ سہدیو کی بات کا جواب دیئے بغیر وہ دفس سے باہر آگیا۔

کولیری آفس سے نکل کر حاضری بابو سے نبٹنے کے بعد سہدیو جوالامصر کی کھوج میں چلا مگر اسکا کہیں پتہ نہیں تھا۔ شاید انچارج بابو کے ساتھ لوٹا نہیں ہے۔ یونین آفس بند تھا۔ اور وہ کمرہ بھی بند تھا جس میں جوالامصر رہتا تھا۔ اس سے ملاقات شام کو ہوئی۔ بڑے خلوص سے ملا۔ ساری بات سُن کر اس نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

تم کو کس نے بتلایا کہ رحمت کا ایکسی ڈینٹ ہوا اور وہ مر گیا۔

مدن نے۔ وہی مدنا باؤری.....

ارے وہ سالا پیکیٹر۔ ؟ کب بولا تم سے۔

کل رات کو۔

سوال تو یہ ہے کہ اگر ایکسی ڈینٹ ہوا اور رحمت میاں مر گیا۔ تو اس کی لاش.....؟

یہی تو پتہ نہیں چلتا بابا۔!

تم ایک کام کرو۔ او سالا مدنا کو یونین آفس بلا لاؤ۔!

وہ آئے گا نہیں۔ بہت ڈرا ہوا ہے۔ چار دن سے کام پر بھی نہیں جا رہا۔ بلکہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلتا۔

مدنا کے سامنے گھٹی تھی یہ گھٹنا۔؟

ہاں اس کی آنکھوں کے سامنے بلکہ اسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا تھا۔

اچھا چلو۔ میں چلتا ہوں، اس کے پاس۔

جوالامصر نے یونین آفس کا دروازہ بند کیا۔ اور سائیکل کی ہنڈل میں بیگ لٹکا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔

مجھے تو نہیں لگتا کہ رحمت میاں مرا ہے۔ اتنی بڑی بات ہو جائے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر رحمت میاں مرا تو لاش ضرور باہر لائی گئی ہو گی۔ اور اگر لاش باہر آتی

ٹھیک ہے۔

وہ آگے بڑھا۔ اب اسکو حاضری بابو سے ملنا تھا۔ حاضری بابو اس کے تیور دیکھکر ذرا گھبرایا پھر فوراً ہی اپنے پر قابو پالیا۔ بات پلٹنے کیلئے، یا شاید اس ڈر سے کہ سہدیو کوئی بات نہ اٹھائے اس نے پہلے ہی سوال ٹھونکدیا۔

ڈیوٹی پر کاہے نہیں آئے۔؟

سہدیو نے اسکے سوال کو نظر انداز کر کے خشونت سے پوچھا۔

رحمت میاں کان سے نکلا تھا۔ یہ بات آپ کو ٹھیک سے معلوم ہے؟

واہ معلوم کیسے نہیں ہوگی۔ اسکے انگوٹھے کا نشان میرے کھاتے میں موجود ہے۔

یہ انگوٹھے کا نشان جعلی بھی ہو سکتا ہے۔

حاضری بابو کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ وہ جھلاّ کر بولا۔

جعلی کیسے ہوگا۔ کوئی چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔ ایکسپرٹ سے ٹسٹ کروا سکتا ہے۔

میں دیکھنا چاہتا ہوں۔!

تم۔؟

ہاں میں۔!

تم کھاتا دیکھنے کے مجاز نہیں ہو۔!

پہلی بار گویا حاضری بابو نے اس سے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔ صاف ایسا معلوم ہوا، جیسے وہ اس کو کہہ رہا ہو کہ تمہاری کیا حیثیت ہے کھاتا دیکھنے کی۔ تم ہو کیا۔؟ ایک معمولی بے بضاعت نکلنا۔ ایک لیبر......

میں کیوں نہیں دیکھ سکتا۔

نہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔ لیبر کو اتنا پاور نہیں ہے۔ میرا کھاتا یا تو انچارج بابو دیکھ سکتا ہے۔ یا خود مالک۔

سہدیو کو اچانک شدید طور پر اپنی کمتری اور بے حیثیتی کا احساس ہوا۔ اور اسکے اندر کا غصّہ ایکدم آگ کی طرح دہک اٹھا۔

کھاتا تو دیکھانا ہوگا آپ کو، چاہے جوالا مصر کو دیکھائیں چاہے مائننگ اودھرٹی کو، میں

کرو گے کیا۔ کوئی کیس کھڑا کرنے کیلئے کوئی بنیاد تو چاہیئے۔ ہوا میں تو کوئی گھر نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم پہلے ثبوت اکٹھا کرو۔ مدنا کو تلاش کرو۔ جب پکی بات معلوم ہو جائے تب میرے پاس آؤ۔ پھر دیکھو میں سالے مالک کو ننگا کرکے نچوا دونگا۔ اتنے بڑے کیس کو پی جائیگا؟

جوالا مصر مدنا کا پتہ لگانے اور دوسرے ثبوت جمع کرنے کو کہہ کر چلا گیا۔ اور وہ ایک بار پھر اندھیرے میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔

جنرل شفٹ کی چھٹی ہو چکی تھی۔ مزدور اپنے دھوڑوں میں واپس آچکے تھے۔ بازار کی رونق بڑھ گئی تھی، جہاں تہاں دو دو چار چار آدمی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ چائے پان کی دکانوں میں بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ اور دور شراب کی جھونپڑیوں میں دیا جلا دیا گیا تھا۔ اس کے دھوڑے میں لوگ آچکے ہونگے۔ ننکو، جگیشر، ستیا، اور دوسرے لوگ مگر اسکا من نہیں ہوا، کہ وہ دھوڑے میں جائے۔ اس لئے کھگن لال کی دکان سے چائے پی کر وہ مائننگ سردار رام اوتار سے ملنے چلا گیا۔ اب اس کا ذہنی انتشار قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ ایک ٹھوس غم وغصہ کی کیفیت البتہ باقی تھی۔

رام اوتار نے اس کو دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔ آج پہلے والی گرمجوشی نہیں تھی۔ بس وہ سلام کرکے کھڑا رہا۔

کیسے آنا ہوا۔؟ بڑی دیر بعد مائننگ سردار نے پوچھا۔

رحمت میاں کے بارے میں کچھ باتیں کرنی تھیں۔

وہ تو سُنا بھاگ گیا کولیری چھوڑ کر۔

وہ بھاگا نہیں ہے!

رام اوتار نے ایکدم چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

پھر۔؟

اس کان میں ایکسی ڈینٹ ہوا اور وہ مر گیا۔

تم سے کس نے کہا۔؟ اسکا انداز تعجب کا نہیں، بلکہ جانکاری حاصل کرنے کا تھا۔

مجھے ایک ایسے آدمی سے معلوم ہوا ہے جو حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔

"دیکھو ــــ! اب رام اوتار کا لہجہ ایک دم سرد اور دو ٹوک تھا۔ دیکھو کولیری کا دستور ہے کہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھو، تمہارے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ کون جی رہا ہے، کون مر گیا ہے، یہ سب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر دیکھ لیا تو بولنے کی ضرورت نہیں، یہی اچھا راستہ ہے۔ کولفیلڈ بہت خراب جگہ ہے۔ یہاں جو آدمی ذرا سا بھی سر اٹھاتا ہے، اسکا سر کچل دیا جاتا ہے"

سہدیو مائننگ سردار کے بدلے ہوئے تیور کو دیکھتا رہا پھر اپنے غصّے کو قدرے دبا کر بولا۔

اسکا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔؟

دھمکی نہیں ہے یہ، چیتاونی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ تم اپنے آدمی ہو۔ سیدھی بات ہے کسی پر الزام لگانے سے پہلے اسکے لئے ثبوت چاہیئے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟ اگر یہ سب سچ بھی ہو جب بھی تم کو ساری سرسا کولیری میں ایک بھی گواہ نہیں ملے گا۔ جس آدمی نے تم کو بتایا ہے اسی سے پوچھ لو کیا وہ پولس کے سامنے اپنا بیان دے گا۔؟ جھوٹ موٹ کسی دوسرے کے معاملے میں مت پڑو۔

مگر اتنی آسانی سے میں سارے معاملے کو ہضم نہیں ہونے دونگا۔ یہ میرا سنکلپ ہے۔

بات کو سمجھو۔ اب اس نے اپنے لہجے کو ایکدم نرم کر لیا۔ یہ سب چھوڑو۔ اس بات ہی کو بھول جاؤ اور مزے سے ڈیوٹی کرو۔ تمہاری ترقی کیلئے راستہ کھلا ہے۔

سہدیو نے آج پہلی بار ایک ٹھوس مضبوط چیز سے ٹکرا کر محسوس کیا کہ وہ کتنا کمزور ہے اس کو تکلیف ہوئی، بہت تکلیف ہوئی، غصّہ بھی آیا۔ بہت غصّہ آیا۔ نفرت کی آگ بھی بھڑکی بہت زور کی بھڑکی، پھر اپنی بے چارگی، اور کم مائیگی کا شدید اور بے پایاں احساس بھی ہوا۔ وہ اپنے آپ میں کٹتا رہا۔ کچھ بولا نہیں، بولنے کو کچھ رہ بھی نہیں گیا تھا۔

اِدھر مائننگ سردار رام اوتار بہت خائف تھا اس نے انچارج بابو کے کہے مطابق دھمکی بھی دیدی تھی۔ سمجھا بجھا بھی دیا تھا۔ ترقی کا لالچ بھی دے دیا تھا۔ مگر پھر بھی اس کو ڈر لگ رہا تھا۔ وہ اپنی ساری کمزوریوں کو چھپائے اسکو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ یہ آدمی، یہ آدمی کتنا نڈر ہے۔ کتنا مضبوط ہے۔ کتنا بے پرواہ ہے اس کو معلوم نہیں کہ مالک سے ٹوٹنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ ابھی اس کو چوٹ نہیں لگی، اس لئے درد کا اندازہ بھی نہیں ہے، مگر یہ آدمی اگر کھڑا رہا،

اگر ڈٹا رہا تو کیا ہوگا۔ کیا پتہ چل جائے گا۔؟ کیا ساری حقیقت کھل جائے گی، کیپل سنگھ کہتا ہے۔

سارجو کو نوکر بڑی کرہی تو اٹھا کے جندے چانک میں ڈالدیب۔

اس سے کوئی بعید بھی نہیں ہے۔ دن رات اسکا یہی تو کام ہے اسی کام کے لئے مالک نے اس کو رکھا ہوا بھی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا۔۔۔۔ اگر وہ نہ کہتا!۔۔۔ اگر وہ نہ دھکاتا اور اپنی لال لال انگارہ جیسی آنکھوں سے حکم نہ دیتا تو کیا وہ اتنا بڑا کام اپنے دم پر کرلیتا۔؟ کبھی نہیں کرتا، چاہے انچارج بابو کہے چاہے خود مالک کہے۔ کہاں سے اتنی ہمت آگئی تھی اسمیں ...... مگر اب ہمت نہیں رہی ہے۔ وہ اندر اندر دہل رہا ہے۔۔۔۔ وہ سب نہیں بھولتا۔ بالکل نہیں بھولتا۔۔۔۔ کیسا ڈر سما گیا ہے اسکے دل میں؟۔۔۔۔ کان میں وہ سرنگ کی طرف منہ کرکے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ اِدھر پیٹھ کرکے بھی کھڑا ہونا مشکل ہے ایسا لگتا ہے جیسے رحمت میاں اچانک اندھیرے سے نکل کر اس کو دبوچ لے گا۔ اس لئے زیادہ تر وہ ایسی جگہوں پر رہتا ہے جہاں لوگ موجود ہوں۔

کان سے گھر لوٹ کر سب ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔ مگر جب رات گہرا جاتی ہے، لوگ سو جاتے ہیں۔ چاروں طرف سناٹا چھا جاتا ہے۔ اور اس سناٹے کو بھیدتی درجنوں کتوں کی آوازوں کے ساتھ ہالج کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے رحمت میاں کان سے باہر نکل رہا ہے۔۔۔۔۔ جیسے وہ اوپر اٹھ کر سیدھا اسکے پاس آئے گا۔ بغیر سر کا آدمی۔۔۔۔۔ بےچہرہ لاش۔۔۔۔ وہ ڈر کر اور دبک جاتا ہے بستر میں۔۔۔۔

اسکو ذرا سا بھی گمان نہیں تھا کہ مالک ایسا کرے گا۔ اس نے تو اس ڈر سے کہ خواہ مخواہ لوگوں میں ہلا ہوگا اور کام بند ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے مناسب سمجھا کہ پہلے انچارج بابو کو خبر کی جائے۔ وہ جیسا حکم کرینگے۔ مگر انچارج بابو حکم کرنے کی بجائے اس کو گاڑی میں بیٹھا کر لیتا گیا مالک کے پاس، مالک اور انچارج بابو میں انگریزی میں کیا گٹ پٹ ہوئی کچھ پتہ نہیں۔ انچارج بابو نے باہر آکر بتلایا کہ مالک نے لاش کو ٹھکانے لگانے کو کہا ہے۔ تب وہ چونکا۔

کون ٹھکانا لگائے گا۔

تم ــــ!

میں..... یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔

تم اکیلے نہیں رہو گے۔ کپل سنگھ کے آدمی تمہارے ساتھ ہوں گے۔

پھر بھی میں یہ سب نہیں کر سکتا۔!

تم نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا۔ اندر، گوف ایریا کا کس کو پتہ ہے۔؟

وہ پھر بھی انکار کر دیتا مگر تب پتہ نہیں کہاں سے کپل سنگھ اپنے چار آدمیوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ شاید مالک نے اس کو آدمی بھیج کر بلوا لیا تھا۔ اسکی بات سنکر کپل سنگھ نے اس کو گھور کر دیکھا تھا۔

تم کچھ مت کرنا۔ سب ہمرا آدمی کرے گا۔ تم صرف راستہ بتانا۔

یہ محض ایک تسلی بھر جملہ نہیں تھا بلکہ ایک حکم تھا۔

کپل سنگھ اور اس کے پہلوان اسی گاڑی سے لوٹے تھے۔ گاڑی کولیری آفس میں نہیں رُکی تھی۔ سیدھے دھانی پر آ کر لگی تھی۔ کپل سنگھ نے حاضر بابو سے کھاتہ لیکر نیچے چلنے کو کہا مگر وہ مُکر گیا۔

میرا انڈر گراؤنڈ جانے کا کام نہیں ہے۔!

کا بولا۔؟ کپل سنگھ نے اپنی انگارہ جیسی آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا۔ آج مالک سنکٹ میں ہے تو بولتا ہے کہ نہیں جائے گا۔ تم کو جانا ہوگا۔

حاضری بابو کپل سنگھ کی لال انگارہ جیسی آنکھوں کی تاب نہیں لا سکا تھا۔ کھاتا نمبر نو اٹھایا اور اندر چلا گیا۔ کپل سنگھ کے دو آدمی اسکے ساتھ گئے تھے۔ کام حاضری بابو کو معلوم تھا چنانچہ اس نے مرے ہوئے رحمت میاں کے انگوٹھے کا نشان کھاتہ نمبر نو پہ لیا اور اوپر آ کر نکاسی کا وقت اور تاریخ بھری۔

اس کے بعد کپل سنگھ نے اپنے دونوں آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں تہہ کیا خالی بستہ۔ رام اوتار نے ٹارچ جلانے کو منع کر دیا تھا۔ مبادہ کسی کو کچھ احساس ہو جائے۔ رام اوتار آگے آگے ڈھبری لئے چل رہا تھا۔ اور وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے۔ رام اوتار تو خیر کان کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اور اسی لئے اسکو بھیجا بھی گیا تھا۔ مگر وہ دونوں انڈر گراؤنڈ سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لئے

وہ قدم قدم پر سنبھل سنبھل کر اور کہیں کہیں دیوار پکڑ کر چل رہے تھے۔ انہیں زیادہ دُور نہیں جانا پڑا۔ تھوڑی ہی دُور پر رحمت میاں کی لاش پڑی تھی۔

تینوں نے مل کر لاش کو جیسے تیسے بورے میں بھرا۔ اور اُن میں سے ایک آدمی جو کافی توانا تھا۔ اس نے بورے کو کندھے پر لاد لیا۔ پھر ڈھبری کی مدھم روشنی میں یہ قافلہ دھیرے دھیرے بڑھنے لگا۔ دونوں آدمیوں کو چلنے میں خاصی دقت ہو رہی تھی۔ خاص طور پر اس آدمی کو جس نے بورے کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ کئی گلیاروں سے گذرتے

کئی سُرنگوں کو پار کر کے وہ ایک دُور دراز کے علاقے میں پہنچ گئے۔ رام اوتار ڈھبری لئے ان کے آگے آگے راستہ بناتے ہوئے چل رہا تھا۔ اور دونوں اس کے پیچھے پیچھے۔ کان میں ہونے والا شور شرابا دوسری طرف رہ گیا تھا۔ یہاں بالکل سناٹا تھا۔ گرمی شدید تھی۔ ہوا بوجھل تھی اور گیس کی طرح تیکھی۔ اس جگہ پہنچ کر رام اوتار نے انہیں روک دیا۔

بس یہیں رکو۔ آگے خطرہ ہے۔ بند سُرنگ میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔،،

اس نے ایک آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ لی اور دیوار اور چھت کا معائنہ کرنے لگا۔ ڈرفٹ کے ڈنڈے سے کئی جگہوں کو ٹھوک کر دیکھا۔ پھر فرش پر ٹارچ کی روشنی پھینکی۔

تم لوگ یہیں رکو، میں بورے کو اور اندر پھینک دیتا ہوں ،،!

اس خیال سے وہ بار بار سہر جاتا کہ جس بورے کو لے کر وہ جا رہا ہے اس میں ایک آدمی کی لاش بھری ہے۔ وہ پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ اس کی سانس لوہار کی بھانتی کی طرح چل رہی تھی۔ دونوں ٹانگیں ہولے ہولے کانپ رہی تھیں۔ بورے کو گھسیٹتا، راستے کے روڑوں سے الجھتا وہ آگے بڑھتا گیا۔ ہر دس بارہ قدم پر رک کر وہ چھت اور دیواروں کا معائنہ کرتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ کوئی پچاس ساٹھ گز اندر جا کر اس نے بورے کو چھوڑ دیا۔ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر جلتی ٹارچ کو ایک پتھر سے لگا کر کھڑی کر دی اور پتھر اور کوئلے کے ٹکڑے چُن چُن کر لاش کو ڈھکنے لگا۔ اس کام میں اس کو بہت وقت لگا۔ ادھر ان دونوں پہلوانوں کا بھی گرمی اور حبس سے بُرا حال تھا۔ رام اوتار انھیں دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ ٹارچ کی روشنی ایک سفید لکیر کی طرح نظر آ رہی تھی۔

رام اوتار نے لاش کو اچھی طرح ڈھک کر دیکھا وہاں ایک قبر نمودار ہو گئی تھی۔ وہ اتنا

تھک گیا تھا کہ لگتا تھا، جیسے اب اس سے ایک پتھر بھی نہ رکھا جائے گا۔ وہ رہیں بیٹھ کر سستانے لگا۔ جلتی ہوئی ٹارچ اس نے اب اٹھا کر ہاتھ میں پکڑلی تھی۔ اس کی روشنی میں اندر کا سارا ماحول ایک دم ڈراؤنا ہوا اٹھا تھا۔ خوف سے اس کی آواز لگتا تھا بیٹھ گئی ہے۔ پیاس نے جیسے حلق میں کانٹے بو دیئے تھے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جب بدن میں ذرا طاقت آئی تب وہ اٹھا اور تیز تیز قدم سے چلتا اُن دونوں آدمیوں کے پاس پہنچکر پھر بیٹھ گیا۔

میں بہت تھک گیا ہوں، تھوڑا سستانے دو۔

ایک آدمی نے جسکے ہاتھ میں لیمپ تھا۔ لیمپ اس کے چہرے کے نزدیک کی اور پوچھا۔

سب ٹھیک ہے۔؟

ہاں ٹھیک ہے۔!

ایسے چھوڑ دینے سے بدبو ہو جائے گی کچھ دن بعد!

ایسے نہیں چھوڑا ہے۔ پتھروں سے پوری طرح ڈھک دیا ہے۔

اچھی طرح سے۔؟

ہاں اچھی طرح سے۔! ایکدم مانتک سردار جھلا گیا۔ اب اگر اس پر بھی بدبو ہو جائے تو میں کیا کروں گا۔ مردہ دفن کرنے کی میری ڈیوٹی نہیں ہے۔ سب لوگوں نے ہم لوگوں کو کتا سمجھ لیا ہے۔ ایکدم پالتو کتا"!

کوئی کچھ نہیں بولا۔

اندھیرا بہت تھا۔ کسی کی صورت دکھلائی نہیں دیتی تھی ورنہ وہ دیکھتا کہ دونوں کے چہرے پر صرف کرخم ہے۔

جبکہ خود رام اوتار کا چہرہ۔ حقارت، اہانت اور ذلت کی اذیت سے سُلگ رہا تھا۔

وہ تینوں دھیرے دھیرے چلتے ہوئے باہر نکل آئے تھے، جو آدمی بورا اٹھا کے لیگیا تھا اس کے کرتے میں خون لگ گیا تھا۔ باہر آکر اس نے کرتا اتار کر لپیٹ لیا تھا۔ اور بنیان پر پڑے خون کے دھبے کو ہاتھ سے چھپائے نکلا چلا گیا تھا۔

حاضری بابو نے حقارت سے رام اوتار کی طرف دیکھا۔

مالک نے شام کو بلایا ہے بنگلے پر ۔!

رام اوتار نے دل ہی دل میں گالی دی ۔

سالا ۔!

جمعدار نے اس سے پوچھا۔

تم نے کھانا تو نہیں کھایا ہوگا۔ بھات کھاؤ گے ۔؟

وہ رات کا کھانا بنانے جارہا تھا جب وہ اس کے پاس پہنچا۔ اس کو کھانے کی خواہش نہیں تھی۔ اسکو یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ اسلئے اس نے جمعدار کو کوئی جواب نہیں دیا۔ جمعدار نے اسکے لئے بھی چاول ڈال دیا اور اس کے پاس آبیٹھا۔

ادھر اُدھر سے خبر مل رہی ہے کہ رحمت میاں اب اس دنیا میں نہیں رہے "!

ہاں مجھے معلوم ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کیسے مرا۔

جمعدار نے اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

اس کا ایکسی ڈینٹ ہوا ہے کان کے اندر مگر اس کی لاش کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

اور اب پتہ چلنا بھی مشکل ہے ۔!

کیوں ۔؟

اس کو غائب کر دیا گیا ہوگا ۔ یا تو اس کو لٹکا کر ٹھکانے لگا دیا گیا۔ یا وہیں انڈر گراؤنڈ میں کہیں..... میں شروع سے کولیری میں تھا۔ وہ پٹ PIT تھی تین آدمی اس میں ایک ساتھ مرے تھے۔ تینوں کو اسٹوئنگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ اب سیکڑوں ٹرک بالو میں کس کی مجال تھی کہ ان کو برآمد کر لینا۔

سہدیو بولا "میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟ اگر اندر کوئی مرجائے تو اس کی لاش برباد کر دینے سے کیا ملتا ہے"؟

"واہ ملتا کیوں نہیں۔ کمپنی ہزاروں روپیہ معاوضہ دینے سے بچ جاتی ہے۔ پھر یہ یونین کے لیڈر، پولس مائننگ انسپکٹر۔ اس بات کیلئے بھی کمپنی کو جواب دہ ہونا پڑتا ہے کہ جس وقت کان میں حادثہ ہوا کان کی کیا صورت حال تھی۔ کہیں غلط ڈھنگ سے، مائننگ قوانین کو توڑ کر تو کھدائی نہیں ہو رہی ہے۔ ہزاروں لپھڑے ہیں، ان سب سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اطمینان سے مرے آدمی کو فرار قرار دے کر، کچھ خاص خاص آدمیوں کی مٹھی گرم کر کے سارا معاملہ رفع دفع ہو جاتا ہے۔ لیبروں میں اتنا سا ہمت تو ہے نہیں کہ اسکے لئے آواز اٹھا سکیں۔ دراصل ان مالکوں نے مزدوروں کو اتنا گرش کر رکھا ہے کہ یہ ذرا سا سر اونچا کرنے لائق بھی نہیں ہیں۔

مگر یہ یونین ۔؟

جمعدار بہت زور سے ہنسا۔ کون سی یونین ۔؟ جوالا مصر کی یونین ۔؟ یا سری واستو کی یونین؟ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ لیبر یونین ہے یہ دراصل مالکوں کی یونین ہے۔ اور یہ لیڈر؟۔ یہ مالکوں کے جوتوں کے فیتے ہیں۔ مالک جب جتنا چاہتا ہے کس لیتا ہے۔ اور جب جتنا چاہتا ہے ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے۔

وہ سب ٹھیک ہے لیکن آخر یہ یونین کس کے بل پر قائم ہے۔؟ کس کیلئے بنائی گئی ہے۔ اسکا کام کیا ہے، اسکا کام لیبر کے مفادات کی حفاظت ہی تو ہے۔ اسی لیبر کے چندے پر چل بھی رہی ہے۔ اسی کی ممبر شپ پر اسکا وجود بھی ہے۔ کیا نہیں ہے؟

ہے! مگر کاغذ پر، اصلیت اس سے بالکل الگ ہے۔ ہر آدمی جو ذرا سا ہوشمند ہے یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ یونین لیبر کی نہیں ہے۔ جوالا مصر بھی لیبر کا نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی ٹریجڈی تو ہے کہ لیبر بھی لیبر کا نہیں ہے۔ ایک لیبر کے گلے میں رسی باندھ کر اگر مالک ساری کولیری میں گھسیٹتا پھرے تب بھی کوئی دوسرا لیبر نہیں بولے گا۔ ان کے پاس کھولنے کیلئے منہ اور بولنے کیلئے زبان نہیں ہے۔ . . . چاروں طرف طاقت کا جال پھیلا ہے... جہا جال، مکر جال۔ لوگ اس میں پھنسی بے بس مچھلیوں کی طرح سانس لے رہے ہیں۔

چھوٹنے کی، نکل بھاگنے کی۔ جال کو توڑ دینے کی ساری امید چھوڑ کر اب صرف لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔

They are gesspeng for air only.

کوئی ٹھنڈی کی بہت ٹھنڈی شے سہدیو کے خون میں شامل ہو کر بہنے لگی ہے۔ دل آہستہ آہستہ گہری ناامیدیوں اور مایوسیوں میں ڈوبنے لگا ہے۔ مجمدار اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ اٹھکر بھات بسا تا ہے پھر دیگچی کو اٹھنگا کر اس کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے۔ اور دکھ سے بولتا ہے۔

ہم لوگ وہاں کھڑے ہیں جہاں پیروں کے نیچے زمین نہیں ہے"

اچانک سہدیو نے اس سے پوچھا۔

تم کچھ نہیں کر سکتے ۔۔؟

وہ سنجیدہ ہو گیا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ ایک اکیلے آدمی کا کام ہے۔ میرے پیچھے کون ہے۔؟ نہ کوئی یونین، نہ کولیری کے مزدور، کیا ہے۔؟ صرف تھیوریاں، اصول، مارکس اور لینن کا لٹریچر، مگر یہ سب بیکار ہے۔ اگر یہ عمل میں نہ ہو۔ اور عمل میں لائے گا کون؟ میں، تم یا کوئی اور۔؟ یہ کام تو انہیں لوگوں کو کرنا ہوگا۔ انہیں مزدوروں، انہیں کچلے ہوئے لوگوں کو، ہم تو صرف راستہ بتلا سکتے ہیں۔ چلنا تو انہیں کو ہے۔ پتہ نہیں اگلے پچاس، سو سالوں میں بھی یہ اس قابل ہو سکیں یا نہ ہو سکیں۔

تو اسکا مطلب ہے کہ سارے معاملے کو صبر کر لیا جائے"؟

نہیں۔ اس پر سوچتے ہیں ابھی کہ کیا کرنا چاہیئے لیکن پہلے کھانا کھالیں۔ تم نے وہ کہاوت نہیں سنی کہ۔

بھوکے بھجن نہ ہوئے گوپالا۔

لے لے اپنی کنٹھی مالا ۔۔

مجمدار خوشدلی سے ہنسا مگر سہدیو ویسے ہی سنجیدہ رہا۔

تم ایسے موقعوں پر، اتنے سریس موقعوں پر بھی ہنس لیتے ہو"؟

رونے سے بھی کیا فائدہ ہوگا۔؟ اور رونا تو ہے زندگی بھر۔ کیوں نہیں اس عمر بھر کے

رونے کے بیچ تھوڑا سا ہنس لیا جائے ۔

دونوں نے چپ چاپ بھات کھایا اور اپنی اپنی تھین کی پلیٹ ایک طرف رکھکر پھر آبیٹھے۔

دیکھو سہدیو اس معاملے میں کچھ کر سکنا اتنا آسان نہیں ہے۔ بس ایک ہی صورت ہے کہ ایک گمنام چھٹی مائنس ڈپارٹمنٹ کو بھیجدی جائے۔ اوپر خبر پہنچ جائے گی تو کم سے کم معاملہ تو کھل جائے گا۔ اس بیچ ہم کوئی چشم دید گواہ ڈھونڈ لیں۔

بس ایک آدمی ایسا تھا جس نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

کون آدمی — ؟ کیا ایسا کوئی آدمی ہے۔ ؟ مجمدار نے دلچسپی سے پوچھا۔

ہے نہیں تھا۔ مدنا باؤری۔ آج صبح کو بھاگ گیا ہے ۔

کہاں بھاگ گیا۔ ؟

کچھ پتہ نہیں۔ کسی کو معلوم نہیں وہ اتنا خائف تھا کہ چار دنوں سے گھر میں بند تھا۔ کل رات کو میں نے اس کو پکڑا تو اس نے ساری باتوں کا اقرار کر لیا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ کل میرے ساتھ یونین آفس چلے۔ بس اسی بات پر وہ بھاگ نکلا۔ مجھے تو لگتا ہے اسکو بھگا دیا گیا۔

ہاں ہو سکتا ہے مینجمنٹ اتنا پختہ ثبوت کبھی نہیں چھوڑے گا۔

مجمدار نے چھٹی ڈرافٹ کی پھر سہدیو کو دیا۔

اس کو لیکر تم کل دھنباد چلے جاؤ۔ وہاں کورٹ میں بہت سے لوگ ٹائپ کرتے ہیں کسی سے ٹائپ کرا لینا اور وہیں بغل میں پوسٹ آفس ہے وہیں سے پوسٹ بھی کر دینا۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

بات چیت کرتے، چھٹی ڈرافٹ اور پھیر بدل کرتے کافی رات ہو گئی تھی۔ سہدیو نے جانا چاہا مگر مجمدار نے روک لیا۔ چارپائی کھڑی کر دی گئی اور فرش پر بستر لگا کر دونوں لیٹ گئے

میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ لاش ان لوگوں نے کہاں ٹھکانے لگائی ہوگی۔ اسٹوئنگ تو ہوتی نہیں اس کان میں۔ اگر اسٹوئنگ سسٹم ہوتا تو پھر یہ بات صاف ہو جاتی کہ اس کو ریت میں دبا دیا گیا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ لاش کو باہر نکال کر کہیں گاڑ دیا ہو گیا ہو، مالک لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

لیکن آخر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہے۔

ہاں ہے کتابوں میں، لیڈروں کے بھاشنوں میں ہے۔ کولیری میٹنگوں میں تم نے دیکھا ہوگا کہ دھواں دھار تقریروں میں یہ لفظ بار بار آتا ہے مگر یہاں اس کولفیلڈ میں یہ کہیں نہیں ہے۔

نیند آنے لگی ہے۔ رات بھر رونے، صبح پوکھر میں نہانے، اور رام اوتار کی دھمکی اور مجمدار کی باتوں سے وہ تھک کر چور چور ہو گیا ہے۔ جوش سرد پڑتا جا رہا ہے۔ جنگِ مغلوبہ میں بدلتی جا رہی ہے۔ وہ اپنے تھکے ہوئے اعضا کو، تھکے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

انچارج بابو نے تیز تیکھی نظروں سے اسکو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تمہارا نام سہدیو ہے۔؟

ہاں صاحب!

تم پڑھے لکھے ہو۔؟

دسویں تک"!

انگریزی لکھنی آتی ہے۔؟

انگریزی کے نام سہدیو چونک کر دیکھتا ہے اور بات کو سمجھ کر فوراً انکار کر دیتا ہے۔

نہیں صاحب!

مجمدار سے تمہاری بہت دوستی ہے۔؟

تھوڑی دعا سلام ہے

دونوں ایک دوسرے کو تول رہے ہیں۔ سہدیو جانتا ہے کہ وہ کول مائنس ڈپارٹمنٹ کو لکھی چٹھی کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ اور انچارج بابو بھی سمجھ رہا ہے کہ سہدیو اتنا آسان آدمی نہیں ہے۔ اسی لئے وہ ذرا اور کھلتا ہے۔

رحمت میاں تمہارے گاؤں کا تھا۔؟

اسکا گاؤں میرے گاؤں سے کوئی سات کوس پہ ہے۔

انچارج بابو سید ھے مطلب پر آگیا۔

دیکھو جو ہوا سو ہوا۔ گڑبڑ یہ ہوئی کہ کسی نے مائنس ڈپارٹمنٹ کو ایک چٹھی لکھدی ہے۔۔۔۔

اس نے رک کر گہری نظروں سے سہدیو کو دیکھا۔ حالانکہ اس سے کمپنی کا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے۔ جو آدمی پینٹ سلواتا ہے نا وہ اس میں پیشاب کرنیکی جگہ رکھتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ چھٹی کس نے لکھی ہے، وہ کالی بھیڑ کون ہے۔؟ ایسے لوگوں سے کمپنی کو پاک رکھنا ضروری ہے، بیحد ضروری۔۔۔۔۔۔۔

سہدیو اس ڈھکی چھپی دھمکی کو محسوس کرتا ہے۔ مگر بولتا کچھ نہیں۔ صرف وہ انچارج بابو کی بات کے انڈر کرنٹ کو تاڑتا ہے۔ اسکی چپّی سے تنگ آکر انچارج بابو سیدھے پوچھتا ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے یہ کام کس کا ہو سکتا ہے"؟

مَیں کیسے کہہ سکتا ہوں"!

مجمدار کا۔۔۔؟

نہیں! اگر مجمدار کا ہوتا تو وہ مجھ سے کچھ کہتا ضرور۔

پھر کس کا ہو سکتا ہے یہ کام۔؟

وہ چپ رہا۔

کپل سنگھ اور اسکے آدمی، اس شخص کو شکاری کتّوں کی طرح کھوجتے پھر رہے ہیں

یہ ایک اور دھمکی ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا ہے۔

تم ایسا کرو، کمپنی تم کو ایک مہینے کی پیشگی تنخواہ دیتی ہے۔ تم گھر چلے جاؤ ایک مہینے کیلئے۔

میں گھر نہیں جانا چاہتا۔

پہاڑ کو کیسے [illegible] کو گے۔۔۔۔ ایکے ایکدم سیدھا وار کیا گیا۔

وہ چُپ رہا۔

جاؤ تم سے جو بن پڑے کر لینا، انچارج بابو نے ٹیبل پر گھونسہ پٹکا ـ کمپنی تمہارے جیسے لوگوں کا انتظام کر سکتی ہے ـ اس کو انچارج بابو کی آواز سانپ کے پھپھکار کی طرح لگی،

اِس ساری گفتگو میں جو ایک ڈر، اور اس ڈر کے ساتھ ایک بے چینی اور بے چینی کے ساتھ گھبراہٹ تھی ـ وہ سہدیو کی نظر سے چھپی نہ رہ سکی ـ اسکو اندازہ ہو گیا تھا کہ چھٹی نے کام کیا ہے اور اندر اندر ایک کھلبلی سی مچی ہوئی ہے ـ آفس سے نکل کر وہ کان کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں کپل سنگھ مل گیا ـ اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے اور ٹنکو بھی ساتھ ہی تھا ـ اس پر نظر پڑی تو کپل سنگھ رک گیا ـ

کیا جی اب کتا ہاتھی پر چڑھ کر کاٹے گا ـ ؟

ٹنکو فوراً سفارش میں بولا ـ

اس کو تو سنگھ جی کچھ معلوم بھی نہیں ہوگا ـ

سب معلوم با ایکرا ـ پھر وہ سہدیو کی طرف مخاطب ہو کر بولا ـ

او سار "کتوا" خاطر کا ہے پران دیت بارے ـ !

انچارج بابو کی باتوں سے اسکا بدن تپ گیا تھا ـ کپل سنگھ کی باتوں سے جیسے آگ سی لگ گئی اس نے کتوا لفظ کی اہانت کو شدت سے محسوس کیا مگر اپنے اوپر قابو بنائے رکھا، ہمکو کسی "کتوا" یا کسی "ٹیک دھاری" سے کیا لینا ـ ہم تو مجوری کرنے آئے ہیں، مجوری کرتے ہیں ـ

پھر چیٹھی کا ہے لکھا ـ ؟

ہم نے کوئی چیٹھی نہیں لکھی ـ

ہمرا پاس رپورٹ با کر ای تہار کام با ـ ٹھیک با دیکھل جائی ـ تہار ٹائم پورا ہو گیل لگت با ـ

سانپ اور شیر دونوں سے نبٹ کر وہ انڈر گراؤنڈ اتر گیا ـ ان ساری دھمکیوں کے باوجود وہ خوش تھا ـ کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے ـ اب کچھ نہ کچھ ہوگا ـ انکوائری ہو سکتی ہے ـ کولیری سرچ بھی ہو سکتی ہے ـ رحمت میاں کی لاش بھی برآمد ہو سکتی ہے ـ مگر شام کو جمدار نے اس کو مایوس کر دیا ـ

کچھ نہیں ہوگا ؟

کیونکہ انسپکٹر جو آیا تھا اس سے بات ہو چکی ہوگی ورنہ وہ آفس کے باہر بھی کچھ پوچھ گچھ کرتا۔

مگر جبھی نے کام تو کیا' انکوائری تو آئی۔

ہاں انکوائری آئی۔ آفس کے لوگ بری طرح گھبرائے ہوئے بھی ہیں۔ انچارج بابو کو پسینہ چھوٹ رہا ہے۔ مالک کا منہ سوکھ گیا ہے۔ تمام چہ میگوئیاں چل رہی ہیں۔ مگر ہوگا کچھ نہیں۔

مگر کیوں نہیں ہوگا؟

ارے یار یہ لوگ اتنے آسان نہیں ہیں۔ زندگی بھر ہزاروں لاکھوں داؤں کھیلتے آئے ہیں۔ اتنی آسانی سے تھوڑے ہی مات کھا جائیں گے۔

سہدیو بولا۔ تمہارے بارے میں بھی ان لوگوں کو شک ہے۔ مجھ سے پوچھا تھا اس بارے میں۔

ہاں مجھ سے بھی پوچھ تاچھ ہوئی ہے۔ میرا پتہ بھی کٹا سمجھو۔ اس معاملے کو نبٹانے کے بعد شاید وہ لوگ تمہیں اور مجھے دونوں کو نکال باہر کریں۔

مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مجھے تو اپنی محنت بیچنی ہے اس دکان میں نہیں بکی کسی دوسری دکان میں بکے گی۔

پرواہ تو مجھے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ میرے کام کرنے کی جگہ بھی نہیں ہے مگر پھر فوری طور پر کوئی جگہ ڈھونڈنی ہوگی۔ اور ہم لوگوں کیلئے، مطلب آفس اسٹاف کیلئے یہ ذرا مشکل کام ہے۔

اچھا ایک بات بتاؤ، سہدیو نے ذرا سا رک کر پوچھا۔ انکوائری کی بات یونین کو معلوم ہے

کیا بات کرتے ہو۔ ارے اسکو تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ رحمت میاں کی لاش کہاں ہے۔ مگر جس امید سے تم پوچھ رہے ہو۔ وہ بیکار ہے۔ جوالا مصر آج دن میں کئی بار آفس آیا ہے۔ آج وہ خوش بھی بہت دکھلائی دیتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے دام اچھے ملے ہیں۔

سہدیو نے ایک لمبی سانس بھری اور بہت مایوسی سے بولا۔

سب لوگ بک جاتے ہیں۔!

یہاں کول فیلڈ میں بس دو فیکٹر کام کرتا ہے ایک پیسہ اور دوسرا طاقت۔ کچھ خاص لوگوں کو پیسہ سے خرید لیا جاتا ہے۔ اور باقی کو طاقت سے دبا دیا جاتا ہے اور مزدور، یہ ملکٹا لوگ اتنے معصوم ہیں کہ کچھ نہیں جانتے۔ اتنے کمزور ہیں۔ کہ کچھ کہہ نہیں سکتے، زندہ

رہنا یا یوں کہہ لیں کہ اپنے آپ کو زندہ رکھنا ان کے لئے شرط ہو گیا ہے۔ بس کام کرو اور کھانا کھاؤ دیکھو، سُنو مگر بولو کچھ نہیں۔ کوئی آواز نہیں۔ دہشت کی ایک ایسی دنیا اُن کے چاروں طرف کھڑی کر دی گئی ہے، اور یہ اس سے اتنے خائف ہیں کہ احتجاج کا خیال تک ان کے دماغ سے نکل گیا ہے اور یہ بڑا المیہ ہے۔ بہت بڑا المیہ ہے ان تمام کی موت سے بھی بڑا۔

اچھا تو آپ آفس میں تھے۔ وہاں مائننگ انسپکٹر آیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا ساری بات ختم ہو گئی۔؟

نہیں ابھی ساری بات ختم نہیں ہوئی بلکہ ابھی تو شروع ہوئی ہے یہ تو ایک سرسری انکوائری تھی۔ اب گواہی ہوگی۔ اگلے بدھ کو مائننگ انسپکٹر آئیں گے۔ گواہیاں گذرینگی۔ حاضری بابو اپنا کھاتہ دکھاکر بتائیں گے کہ رحمت میاں نو بج کر سات منٹ میں باہر چلا گیا تھا۔ اوپر سطح پر ایک دو کپل سنگھ کے آدمی اور ایک آدھ لوڈنگ کامن بتائے گی کہ انھوں نے رحمت میاں کو کان سے نکلکر جاتے ہوئے دیکھا ہے بس ختم.......

لیکن اگر میں گواہی دینا چاہوں۔؟

تم کیسے دے سکتے ہو۔؟ گواہوں کے نام دیئے جا چکے ہیں۔ کاغذ پر صرف انہیں کا بیان لیا جائے گا۔ یوں سمجھو بس خانہ پُری ہو گی۔

لیکن اگر میں زبردستی گواہی دینا چاہوں۔؟

یہ بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ بدھ وار کا دن طے ہوا ہے۔ ورکنگ ڈے۔ سب لوگ انڈر گراؤنڈ چلے جائیں گے۔ صرف انہیں لوگوں کو روک لیا جائے گا جن کی گواہی گذرنی ہے۔ پھر یہ ساری کارروائی بند کمرے میں ہوگی۔ باہر کپل سنگھ اور اس کے لٹھیت متعدد رہینگے پہرے پر۔ یہاں جو بھی کام ہوتا ہے ایکدم منصوبند طریقے پر ہوتا ہے۔

سہدیو کچھ نہیں بولتا مگر من ہی من ایک فیصلہ کرتا ہے کہ وہ بدھ کے دن ڈیوٹی پر نہیں جائے گا۔ اور جیسے بھی ہوگا۔ انکوائری انسپکٹر کے کمرے میں گھس جائیگا

منگلوار کا دن بڑا ہنگامہ خیز ہے۔ چاروں طرف بات چل رہی ہے۔ اندازے، اٹکلیں۔ گو سب کو معلوم ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر سب اس بات کے متوقع ہیں کہ کچھ ایسا ہو جائے جس کی امید نہ کی جاتی ہو۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔

پیشنگوئیاں ہو رہی ہیں۔ سارے علاقے میں پہلوان گھوم رہے ہیں۔ ہاتھ میں بھالے اور تیل پلائی لاٹھیاں لئے۔ ان میں بیشتر نے پی رکھی ہے۔ مفت ملی ہے کمپنی کی طرف سے۔ دہشت پھیلانے کیلئے وہ جس تس کو بے مطلب گالیاں بک رہے ہیں۔ دو ایک آدمی پر بلاوجہ ایک دو ہاتھ جھاڑ بھی دیا گیا ہے۔

تمام سنسنی ہے، کولیری آفس میں، بھٹے پر، لوڈنگ شیڈ کے پاس، بازاروں میں، دھوڑوں میں، عام آدمیوں کے چہروں پر، دلوں میں......

کیا ہوگا۔ کیا ہو سکتا ہے؟

منگل کی شام کو سہدیو مجمدار سے ملتا ہے مگر اس کو یہ نہیں بتاتا کہ کل وہ چھٹی کرنے والا ہے۔ اور یہ بھی نہیں بتاتا کہ اس نے طے کر رکھا ہے کہ وہ انکوائری انسپکٹر سے ضرور ملیگا۔ اگر اندر کمرے میں نہیں مل سکا تو باہر برآمدے میں ملے گا اور اس کو چیخ چیخ کر بتائے گا کہ رحمت میاں مر گیا ہے اور اس کی لاش کو غائب کر دیا گیا ہے۔

مجمدار بھی بہت دکھی ہے، اپنی مجبوری اور بے بسی پر اس کو بہت غصہ آ رہا ہے۔ سارا لکھا پڑھا، سارا کیا دھرا ایکدم بیکار لگتا ہے۔ یہ ساری کتابیں، یہ سارا لٹریچر، یہ سب بوجھ ہیں۔

وہ سہدیو کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرا رہا ہے۔ اس کا ضمیر سلگ رہا ہے...... دھدھک رہا ہے۔ مگر وہ کیا کرے؟ کیا کر سکتا ہے؟ کوئی ایسی چیخ، کوئی ایسی للکار، کوئی ایسا احتجاجی نعرہ ہوتا جو اس مصلحت آمیز خاموشی کو پارہ پارہ کر دیتا۔ جو کل کھیلے جانے والے ڈرامے کو بیچ سے ٹکرا کر چور چور کر دیتا۔

مگر وہ اکیلے کیا کر سکتا ہے۔

اور اس کے چاروں طرف جو خلقت ہے وہ بے زبان ہے۔

بے آواز ہے........

پہلی سردیوں کی رات لمحہ لمحہ گذر رہی ہے۔ منگل کی رات، کل بدھ کا دن ہے۔ نیامت کا دن ہر طرف سناٹا ہے ... آج لوگ باہر سے، بازار سے کچھ پہلے ہی آگئے ہیں۔ آج کسی دھوڑے کے سامنے جماؤ بھی نہیں ہوا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بات چیت بھی کم کر رہے ہیں۔ ان کے پاس بولنے کو کچھ نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے کیا ہونے جا رہا ہے۔ تنکو بہت فکرمند ہے۔ سہدیو ابھی تک نہیں لوٹا۔ شاید نہیں بھی لوٹے، اب ادھر کبھی کبھی پوری رات غائب رہتا ہے۔ اس نے پینا بھی شروع کر دیا ہے۔ مگر اس کو کم از کم اتنی رات تک غائب نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ کپل سنگھ کے آدمی چاروں طرف گھوم رہے ہیں اس نے کچھ اور پہلوان باہر سے منگوائے ہیں۔ ایسے میں باہر رہنا خطرے سے خالی نہیں، عجب ضدی آدمی ہے سہدیو بھی۔ ایک بات ہو گئی ہو گئی۔ کوئی سگا سمبندھی تو تھا نہیں، اپنے گاؤں گھر کا بھی نہیں تھا۔ ذرا سی مالک کی بات مانے تو آگے بڑھنے کا راستہ مل جائیگا اور بات بھی کیا ماننی ہے، بس چپ رہنا ہے۔ آدمی کو تھوڑا موقع مصلحت بھی دیکھنا چاہیئے۔ وہ بہت بگڑ گیا ہے جمعدار کے ساتھ رہ کے۔ او سالا لال جھنڈا کا آدمی ہے۔ آج بھی سہدیو وہیں ہو گا۔

سہدیو وہاں نہیں تھا۔ جلتی آنکھوں اور دہکتے دماغ کے ساتھ بے مطلب ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ اس نے کپل سنگھ کے آدمیوں کو دیکھا تھا۔ ماحول کے سارے تناؤ کا احساس اسکو تھا۔ مگر ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چائے اور پان کی بند دکانوں سے گزر کر دھوڑا آنے کی بجائے مہانی کی طرف چلا جاتا ہے۔

کان کے نزدیک پہنچتا ہے تو دو ٹرام اس کو للکارتے ہیں۔

کون ہے بے۔؟

وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ ٹرام اس کے نزدیک آکر پہچان لیتے ہیں۔

ارے یہ تو سہدیو ہے۔!

کاہو سہدیو ادھر کیسے آگئے رات بلا ہے کیا۔؟

وہ جواب نہیں دیتا۔ صرف خالی خالی نظروں سے ان کو دیکھتا ہے۔ تب ان میں سے ایک ہنس کر دوسرے سے کہتا ہے۔

زیادہ چڑھ گئی ہے۔

دوسرا اس سے پوچھتا ہے۔ کاہو گھر کا راستہ بھی بھلا گیا۔

وہ جواب پھر بھی نہیں دیتا۔ صرف کان کے کھلے منہ کو دیکھتا ہے۔ زمین کا کھلا ہوا منہ۔ موت کا دہانہ اندر اندھیرا ہے۔ ۔ ۔ ۔ بے پناہ اندھیرا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ کال کا گال ہے۔ ۔ ۔ اس نے نہ جانے کتنے آدمیوں کو نگل لیا ہے۔

ہو سکتا ہے اسی کان میں، کسی اندھیرے کونے میں ایک آدمی کی بے یار و مددگار لاش پڑی ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید اب تک سڑ گئی ہو۔ بدبو۔؟ ہاں بدبو بھی ہو سکتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ مگر نہیں، رحمت میاں اتنا نیک آدمی تھا کہ اس کی لاش سے بدبو نہیں نکل سکتی، ہر گز نہیں نکل سکتی، مگر نیکی کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ؟ بدی کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ؟ رحمت میاں کے باپ کی پیشانی کا داغ یاد آتا ہے۔ سیکڑوں، ہزاروں بار کی مانگی ہوئی سلامتی کی دعا، کا سننے والا کیا آسمان میں کوئی نہیں تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی نہیں تھا۔ ۔ ؟

وہ جذباتی ہوا اٹھتا ہے مگر روتا نہیں، آج اس کو اپنے اندر کی آگ بجھانے کی خواہش نہیں ہے۔ اس جلنے میں، اس سلگنے میں ایک لذت کا احساس ہو رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ آگ کو اور تیز ہونا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ اور تیز ہونا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ ایک بھرے کول ٹب کے کوئلے پر ہاتھ رکھے کھڑا ہے کوئلہ سرد ہے۔ ۔ ۔ ۔ بالکل ٹھنڈا، اس نے پڑھا تھا زمین کے بہت نیچے آگ ہوتی ہے۔ کتنا نیچے ہوتی ہے یہ آگ۔ ؟ ہزار فٹ نیچے، دو ہزار فٹ نیچے۔ ۔ ۔ دس ہزار فٹ نیچے۔ ۔ ۔ ۔ لوگ کہتے ہیں اگر کوئلہ آگ پکڑ لے تو۔ ۔ ۔ ۔ مگر کوئلہ آگ کہاں پکڑتا ہے۔ یہ کوئلہ بھی تو ٹھنڈا ہے، ایکدم نخ۔ ۔ ۔ ۔ اس میں ذرا سی حدت ہوتی تو پتہ چلتا کہ نیچے آگ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

گھر پہنچا دیں کیا ہو"؟ ٹرامروں میں سے ایک پوچھتا ہے وہ کوئی جواب نہیں دیتا، دھیرے دھیرے چلنے لگتا ہے۔ دھوڑے کی طرف، اپنے گھر کی طرف۔

گھر پہنچکر وہ اپنے آپ کو فرش پر گرا دیتا ہے۔ بستر نہیں بچھاتا۔ لیٹے ہوئے بستر کو تکیہ کی طرح سر کے نیچے کھسکا لیتا ہے۔ رحمت میاں کے گھر سے چٹھی کا جواب نہیں آیا۔ ان لوگوں کو ابھی معلوم بھی نہیں ہوگا کہ یہاں کیا ہو گیا ہے۔ خمونیا ابھی تک چاندی کی سکڑی کے انتظار میں

ہو گی۔ خانصاحب کے یہاں بیاہ کی دھوم دھام شروع ہو گئی ہو گی۔ ختو نیا رحمت میاں کو کوستی ہو گی......

نیند نہیں آ رہی...... آج آئے گی بھی نہیں۔ کل کا دن بہت خاص ہو گا۔ فیصلے کا دن.... مگر فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ اب صرف خانہ پری ہو گی۔ رپورٹ، سوچی سمجھی، منصوبہ بند رپورٹ،

باہر اندھیرے میں کتوں کا جھنڈ بھونکتا ہے۔ بھوں...... بھوں.... بھوں......

بن تلسی اور کٹیلے کی جھاڑیوں میں گیدڑ روتے ہیں۔ عجب بھیانک انداز میں، یہاں اسکو کہتے ہیں سیار بھنکر رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ جب سیار بھنکرتا ہے تو کسی جوان آدمی کی موت ہوتی ہے...... اب اور کس کی موت باقی ہے؟

کون مرے گا۔؟ مرنا کوئی نہیں چاہتا اسی ڈر سے تو کوئی کچھ بولتا نہیں... سب لوگوں نے اپنے ہونٹ سی لئے ہیں.... چپ.... چپ رہو... چپ رہو بھائی زمانہ خراب ہے... دوسرے لوگ بھی کروٹیں لے رہے ہیں شاید وہ بھی سو نہیں سکے صرف آنکھیں بند کئے پڑے ہیں۔

باہر ہولناک، سفاک، سناٹا ہے......

اچانک سناٹے کو جھنجھوڑتی، نہیں سناٹے میں شگاف ڈالتی ایک آواز سنائی پڑتی ہے۔

ارے کیا سب سالا سو گیا۔؟ کوئی بولتا کیوں نہیں۔؟؟

آواز کی دھاڑ سے سارا ماحول جھنجھنا اٹھتا ہے۔ لوگ سنتے ہیں مگر بولتا کوئی کچھ نہیں۔ صرف اندھیرے میں آنکھیں کھل جاتی ہیں سب کی۔

ارے سالا کیا سب مر گیا۔؟ ارے بولتا کاہے نہیں۔؟ بولو کہ رحمت میاں مر گیا ہے، رحمت میاں کا نام ایک دھماکے کی طرح پھٹتا ہے۔ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ وہ آواز کو پہچان لیتا ہے۔ یہ کالا چند کی آواز ہے۔ سہدیو اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، ننکو اس کو منع کرتا ہے۔

باہر مت جانا۔ او سالا کالا چند پی کر ہو، ہلا کر رہا ہے۔

کل سالا لوگ گواہی میں بولو۔

اَرے بولے گا کہ نہیں ـــــــ؟

کالا چند کی کرخت، بلند، بے باک، بے خوف آواز چاروں طرف گونج رہی ہے۔ مگر کوئی نہیں بولتا، کوئی جواب نہیں دیتا۔ کوئی دروازہ نہیں کھولتا۔ کوئی باہر نہیں نکلتا، سب لوگ اپنے اپنے بستروں میں دبکے پڑے ہیں۔ بصارت سے محروم آنکھیں کھولے، سماعت سے عاری کان دالے کیے۔

اَرے بولونا منہ میں کیا مالک کا لوڑا گیا ہے۔؟

کالا چند تمام چلاتا پھر رہا ہے۔ بھٹہ سے بابو کوارٹر،..... بابو کوارٹر سے کنوالی دھوڑا، بھوئیاں دھوڑا، باوری دھوڑا... تمام اس کی آواز گونج رہی ہے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے۔ دوسری جگہ سے تیسری جگہ.... آواز کبھی نزدیک ہو جاتی ہے، کبھی دُور چلی جاتی ہے۔ لوگوں کے دل دھڑک رہے ہیں، کیا ہو گا۔؟

آج کالا چند کی خیر نہیں.....

سالا مادر... بہن.... تم لوگ سالا سب بُزدل ہے. سالا ہیجڑا ہے سب....

اَرے بولو نا ہیجڑا لوگ کل گواہی دے گا۔؟

کل کھاد مت جاؤ، بولو کر رحمت میاں کھاد میں مر گیا ہے۔

اَرے اسکا لاش مانگو۔

بولو مانگے گا نہیں۔؟

مانگو........

اچانک آواز رک جاتی ہے. جیسے اس آواز کا گلا دبوچ لیا گیا ہو۔ جیسے بولنے والے کی زبان کھینچ لی گئی ہو۔ سب سمجھ جاتے ہیں کہ کیا ہوا۔ سارے دھوڑوں میں جاگتے ہوئے مُردے جان جاتے ہیں کہ کیا ہوا۔

مگر اٹھتا کوئی نہیں.... بولتا کوئی نہیں...

سہدیو کے دماغ کی نسیں کھنچ گئی ہیں۔ غصہ پھٹ پڑنے کی سیما تک پہنچ چکا ہے۔ وہ تیزی سے اٹھتا ہے اور دروازہ کھولکر باہر نکل جاتا ہے، پھسپھسا کر رکنے والی آوازوں کو اَن سُنا کر کے...

باہر تاریکی ہے ...... اندھیرا ہے ..... اور گہرا سناٹا ہے .... تعاقب کرنے کیلئے اب کالا چند کی آواز بھی نہیں ہے - وہ آگے بڑھ کر پکارتا ہے -

کالا چند ہو.... و..... و.....،

اس کی اپنی آواز کی بازگشت سنائی دیتی ہے مگر جواب نہیں ملتا -

وہ ڈھلان میں پگڈنڈی پر اتر آتا ہے - تھوڑے فاصلے پر اوپر چڑھ کر پھر پکارتا ہے -

کالا چند ہو.... و...... و.....،

جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوتی ہے چار پانچ سائے جھاڑیوں سے باہر نکل آتے ہیں -

مار.... مار... سالے......!

ایک ساتھ چار پانچ لاٹھیوں کا وار ہوتا ہے.... پھر اور لاٹھیاں....

وہ کسی سہارے کیلئے اندھیرے میں ہاتھ بڑھاتا ہے - کچھ پکڑ میں نہیں آتا -

ساری دنیا نیچے پاتال میں گرتی جاتی ہے -

کتوں کا جھنڈ اور زور، زور سے بھونکنے لگتا ہے -

پھر چاروں طرف فضا میں ایک دہشتناک سناٹا چھا جاتا ہے -

صبح کچھ زیادہ ٹھنڈی ہے -

سارے آفس میں سناٹا چھایا ہوا ہے - ہر کام نہایت محتاط طریقے پر ہو رہا ہے کپل سنگھ اور اس کے آدمی بار بار دم کاتے آنکھیں نچاتے آفس کے اندر ایسے ٹہل رہے ہیں جیسے وہ آفس بیرر ہوں، اندر، انچارج بابو کے روم میں انکوائری میں آئے انسپکٹروں کی خاطر تواضع چل رہی ہے - باہر ایک لمبی بینچ پر وہ طوطے بیٹھے ہیں جنہیں گواہی دینی ہے، جمعدار دور ایک گوشے میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہے - اس کے دونوں طرف کپل سنگھ کے دو آدمی تعینات ہیں -

آج بہت صبح کو، جب ابھی اندھیرا ہی تھا رانی اس کے گھر آئی تھی اور رات ہونے والے کانڈ کی خبر دی تھی - پھر کچھ آدمیوں کو جمع کر کے اس نے اور رانی نے بری طرح زخمی سہدیو کو

ہسپتال میں بھرتی کروا دیا تھا۔ کالا چند کو ان لوگوں نے مار پیٹ کر کہیں بند کر دیا تھا۔

گواہی مقررہ وقت پر شروع ہوئی۔ ایک ایک کر کے پکار پڑتی رہی۔ ایک ایک گواہ اندر جاتا رہا۔ سب کچھ بے حد میکانکی انداز سے ایکدم طے شدہ پروگرام کے تحت چل رہا تھا۔ انچارج بابو کسی کام سے باہر آیا تو مجمدار اٹھا اور انچارج سے بولا۔

(I want to talk to Mining inspectors.)

انچارج بابو حیرت، غصہ، اور جوش سے چیخ پڑا۔

کیا بولا — تم سالا کیا بولا۔؟

مَیں رحمت میاں کے کیس میں گواہی دینا چاہتا ہوں۔!

تم —؟ انچارج بابو آپے سے باہر ہو کر گرجا۔ تم گواہی دے گا۔؟ تم کو کیا معلوم ہے۔ سالا باہر چلو، آفس سے باہر جاؤ۔ Get out

اس کے گرجنے کی آواز ایک سگنل تھا۔ کپل سنگھ اور اس کے آدمیوں نے مجمدار کو گھیر لیا۔

چلو تم آفس سے باہر چلو۔!

مجمدار کرسی کی پشت کو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

مَیں نہیں جاؤں گا۔!

تمہارا باپ جائی۔ کسی نے اسکو بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

مَیں نہیں جاؤنگا۔ مجھے بولنے دو کہ رحمت میاں بھاگا نہیں مر گیا ہے۔

جس ہاتھ سے اس نے کرسی پکڑ رکھی تھی اس پر ایک بھرپور ہاتھ پڑا۔ کرسی چھوٹ گئی۔ کئی ہاتھوں نے اس کو گھسیٹ لیا۔

بنگالی چودا، سالا کمیونسٹ، باہر چلو نہیں تو اٹھا کے کھاد میں ڈال دیب۔

وہ لوگ اس کو گھسیٹنے لگے مگر مجمدار نے اپنا منہ بند نہیں کیا۔

رحمت میاں کا ایکسی ڈینٹ ہوا تھا کھاد کے اندر وہ . . . .

مضبوط ہاتھوں نے اس کو گھسیٹ لیا۔ پیروں کا توازن بگڑا تو وہ گر پڑا مگر ان لوگوں نے چھوڑا نہیں۔ گھسیٹتے ہوئے باہر لئے چلے گئے۔

مجمدار برابر چیخ رہا تھا۔

رحمت میاں کی لاش کھاد کے اندر کہیں ہوگی۔ اس کو تلاش کیا جائے .....
شور سن کر دونوں انسپکٹر باہر نکل آئے مگر تب تک کپل سنگھ کے آدمی جمعدار کو لے جا چکے تھے۔ انچارج بابو نے مسکرا کر انسپکٹروں کی طرف دیکھا۔

This is nothing, a mad dog started barking suddenly.

آنکھوں آنکھوں میں گرین سگنل جلا اور دونوں انسپکٹر اندر چلے گئے۔

تمام ایتھر کی بو پھیلی ہوئی ہے۔
دیوار پر لگا بلب رنگ بدلتا ہے۔ کبھی ہرا، کبھی پیلا اور کبھی لال۔
پھر اندھیرا...... انتھاہ اندھیرا۔
تب تاریکی میں دو آنکھیں چمکتی ہیں۔
گھنگھور اندھیرے میں دو سُلگتی ہوئی، دہکتی ہوئی آنکھیں۔
کوئی چپکے سے کہتا ہے۔
شیر ہے—!
شیر......؟
آہستہ آہستہ روشنی کا حجم بڑھتا ہے اور دُور ایک شیر کا ہیولا دکھائی دیتا ہے۔
ہاں! واقعی شیر ہے۔
بھاگو...... شیر بھاگو...... بھاگو......
وہ سب بھاگنے لگتے ہیں۔ ساری بستی، بستی کے ہزارہا لوگ...... وہ انہیں للکارتا ہے۔
بزدل...... ڈرپوک...... رُک جاؤ۔
مگر یہ شیر ہے...... ہمیں مار ڈالے گا۔ بہت سی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیتی ہیں۔
شرم کرو، شرم کرو... تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اگر ایک ایک پتھر بھی مارو گے تو شیر

مر جائے گا۔

نہیں نہیں۔۔۔۔ لوگ چیختے ہیں۔

بے وقوف مت بنو۔ آج تک تمہاری بستی سے شیر اس لئے ایک ایک دو دو آدمی کو اُٹھا کر لے جاتا ہے کہ تم میں ہمت نہیں۔ چلو اٹھاؤ ہاتھ میں پتھر۔۔۔۔ وہ حکم دیتا ہے۔

سب لوگ اپنے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیتے ہیں۔ وہ پتھر لئے سب سے آگے ہے۔

روشنی کچھ اور تیز ہوتی ہے، منظر کچھ صاف ہوتا ہے۔

شیر اپنے پیروں سے زمین پر خراشیں ڈال رہا ہے۔ فضا میں سیاہ دھول بکھر رہی ہے۔

وہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا ہے۔ اچانک شیر دھاڑتا ہے، جیسے اعلانِ جنگ کر رہا ہو۔

شیر کا پیٹ زمین سے لگ گیا ہے۔ اسکے پنجوں کے ناخن کھل گئے ہیں۔

تب وہ دیکھتا ہے، حیرت سے دیکھتا ہے، کہ اسکے پیچھے کھڑے ہزار ہا افراد غائب ہو چکے ہیں اور وہ اکیلا کھڑا ہے ہاتھ میں پتھر لئے۔ وہ ہراساں نہیں ہے۔۔۔۔ مگر جانتا ہے کہ ایک پتھر سے شیر نہیں مرے گا۔

اچانک شیر ایک لمبی چھلانگ لگاتا ہے۔ پنجے کا ایک بھرپور ہاتھ اسکے شانے پر پڑتا ہے۔ سارے جسم میں درد کی لہریں اٹھتی ہیں۔۔۔۔ انگنت چنگاریاں فضا میں بکھر جاتی ہیں۔۔۔ ہر چیز ضائع ہو جاتی ہے۔۔۔۔ صرف شدید اور بے پایاں درد کا احساس باقی رہتا ہے۔

درد۔۔۔۔ درد۔۔۔۔ بے پناہ۔۔۔۔ اتھاہ درد۔

نرس اس کو اینٹھتا ہوا۔۔۔۔ اور چھٹپٹاتا ہو دیکھتی ہے اور گھبرا کر ڈاکٹر کے پاس دوڑتی ہے۔

ڈاکٹر اپنے چیمبر میں اطمینان سے ٹانگیں ٹیبل پر پھیلائے بیٹھا ایک دوسرے ڈاکٹر سے محوِ گفتگو ہے۔ نرس کی بات سُنکر جھلا جاتا ہے۔

تو میں کیا کروں۔؟ اسکے ساتھ جو موٹی عورت ہے اس سے کہو کہ مندر میں بھگوان بھی بغیر بھوگ لگائے نہیں سُنتا۔ یہ تو سرکاری اسپتال ہے۔ جاؤ پیتھیڈین کا ایک ڈوز دیدو۔"

نرس بھاگ کر جاتی ہے۔ دوا انجکٹ کر کے چند منٹ سہدیو کو دیکھتی ہے اور اس کو نشانت پا کر دوسرے مریضوں کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

درد کا احساس رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔ اب نہ وہ شہر ہے۔ نہ بستی کے لوگ ہیں، اور نہ تو دبستی۔ کچھ نہیں.... کچھ بھی نہیں — مگر نیند آنکھوں پر چڑھی آرہی ہے۔ آنکھوں کو کھلا رکھنا مشکل پڑ رہا ہے۔ وہ نیند سے ٹوٹتی پلکوں کو بمشکل کھولکر دیکھتا ہے۔

سامنے اسٹینڈ پر ربر کی نلکیوں سے جڑا ایک بوتل ٹنگا ہے۔ جس سے پانی بوند بوند نلکی میں ٹپک رہا ہے۔

بُوند بُوند — قطرہ قطرہ۔

بوند بوند — قطرہ قطرہ۔

اور آگ دھیرے دھیرے بجھتی جا رہی ہے۔

ختم شد۔

دوسرا باب

ٹرنر موریسن کمپنی کی موہنا کولیری میں تمام سنسنی پھیل گئی ہے۔

آج اگر انگریز کا راج ہوتا تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔ وہ ایک کا بدلہ ہزار سے لیتے۔ کتنے لوگوں پہ زندگی حرام ہو جاتی۔ بید کی موٹی لاٹھیوں کی مار... بندوق کے کندے ... کیا پتہ گولی بھی چل جاتی۔ دیکھا نہیں کیا کیا تھا۔ جلیان والا باغ میں؟

اصغر خاں نے تو ایک انگریز کو گھوڑے سے گھسیٹ کر اتارا تھا۔ وہ لوگ تو پتہ نہیں کتنوں کو قبر میں اتار دیتے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ انگریز کا راج ختم ہو چکا تھا۔ نہ ملٹری ان کی تھی۔ اور نہ تھانہ انکا تھا کہ اتنی بڑی بات دبی کی دبی رہ گئی۔

اسمال small صاحب کو بھی کون کہے، جانتا ہے کہ اب وہ پہلے والی بات نہیں رہ گئی ہے۔ ہندوستان کو آزاد ہوئے گیارہ سال ہو چکے۔ انگریزوں کا اقتدار کب کا ختم ہو چکا، سیکڑوں سال کی گرفت کی ایک ایک گانٹھ، ایک ایک گرہ کھل چکی ہے۔ وہ رُعب، وہ دبدبہ، جس سے سہم کر لوگ ننگی گالی، اور رول کی مار سب برداشت کر لیتے تھے۔ اسکا تو اب نام و نشان بھی باقی نہیں رہ گیا ہے، مگر حکمرانی کا نشہ جلدی اترتا نہیں نا۔ آج بھی بہت سے انگریز ہیں جو ذہنی طور پر اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان سے ان کا سب کچھ ختم ہو چکا ہے، کل تک جو لوگ ان کو خوش کرنے کیلئے شراب کی بوتلیں پہنچاتے تھے۔ ان کے ورانڈے میں بیٹھکر انکے بیڈ روم کے پنکھے کی ڈور کھینچتے تھے۔ جو گالی سن کر مسکراتے تھے، اور مار کھاکر سر جھکا لیتے تھے۔ آج وہ سینہ تان کر چلتے ہیں۔ آج وہ خود مختار ہیں۔ آزاد ہیں، ان کے برابر، بلکہ ان سے بہتر ہیں، اسمال صاحب بھی ایسے ہی انگریزوں میں ہیں، قد پانچ فٹ سے کچھ کم ہی ہوگا، جسم بھی دُبلا پتلا ہے۔ مگر رعونت وہ ہے کہ اپنے آپکو لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کم نہیں سمجھتا۔ بات بات پر گالی، جب تب لیبر پہ ہاتھ چھوڑ دینا یہ سب آج

بھی اسکی عادت ہے۔ سفید چہرے اور بھورے بالوں کے درمیان دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہرے رنگ کی کانچ کی گولیوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہمیشہ مضطرب رہتی ہیں۔ اِدھر سے اُدھر ناچتی رہتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک چیز جو ہمیشہ، ہمہ وقت جھلکتی رہتی ہے وہ ہے نفرت، تمام ہندوستانیوں سے نفرت۔ . . . . . اس کو انگریزی حکومت کے اس اقدام پر آج بھی حیرت ہے کہ اس نے ہندوستان سے اپنا تصرف کیوں ختم کر لیا۔ اس نے انہیں آزادی کیوں دیدی۔ کیا یہ اسکے اہل تھے۔؟ یہ جاہل، غبی، کام چور، بے ایمان لوگ . . . . . وہ اس آزادی کو بخشی ہوئی۔ دی ہوئی چیز مانتا ہے۔ اس کو نہ جلیان والا باغ کی بات معلوم ہے نہ نمک آندولن کی۔ نہ نن کوآپریشن کی، نہ ہی ۹ راگست ۱۹۴۲ء کی اس انقلابی للکار سے اس کی سماعت آشنا ہے جو یہاں سے انگلینڈ تک، بلکہ دنیا کے کونے کونے تک میں سُنی گئی تھی اور جس نے حکومتِ انگلیشیہ کی چولیں ہلادی تھیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی کو، انگریزوں کی ایک غلطی مانتا ہے اور انگریز حکمرانوں کا سارا غصّہ غریب ہندوستانیوں پر نکالنا چاہتا ہے۔

اس دن، جس دن یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا، صبح سے سخت گرمی تھی۔ ویسے بھی کول فیلڈ میں گرمی کا موسم سخت اذیت دہ ہوتا ہے۔ پسینے سے چپچپاتے بدن سے کوئلے کے ذرّے چمٹ جاتے ہیں۔ اور ان کی کرکراہٹ تمام محسوس ہوتی ہے۔ ابھی صبح کے آٹھ ہی بجے تھے کہ پسینہ نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ مزدور جلدی جلد انڈر گراؤنڈ اترنے کیلئے بتّی اور ٹوپی لے رہے تھے کہ اس منظر نامے میں ایک گھوڑا سوار نمودار ہوا۔ یہ اسمال صاحب تھا۔ وہ واحد شخص تھا جو روزانہ کولیری گھوڑے پر چڑھ کر آتا تھا۔ دو اور انگریز تھے کولیری میں ایک وائٹ صاحب جس کے پاس ایک ہندوستان فورڈ مین تھی۔ دوسرا لوکس صاحب جو ہمیشہ جیپ استعمال کرتا تھا۔ مگر اسمال صاحب کی تو شان ہی نرالی تھی۔ گھٹنوں تک گم بوٹ پہنے، سر پہ انگلش ہیٹ، جس پہ جگہ جگہ کوئلے کے سیاہ دھبّے لگے ہوتے، ہاتھ میں بید کی چھڑی جس سے وہ گھوڑا ہانکنے کا کم، اور راستہ چلتے لوگوں پر لہرانے کا کام زیادہ لیا کرتا تھا۔ آنکھوں میں وہ رعونت ہوتی ہے اور جسم میں وہ اکڑ جیسے وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہیڈ کوارٹر کا لی کٹ سے دلی تک کو اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے روندتا، تمام فتح کے جھنڈے

لہراتا چلا آرہا ہے۔

تو اس دن صبح کو وہ اسی شان سے کولیری آفس آرہا تھا کہ آفس سے باہر کھلے میدان میں اصغر خاں نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اسمال صاحب غصّہ سے سر سے پاؤں تک لرز گیا۔ بلکہ اس پر لرزہ سا طاری ہوگیا۔ ایسا کہ زبان الفاظ ادا کرنے سے قاصر ہوگئی۔

ایک حرامزادے ہندوستانی غنڈے کی یہ مجال......

ابھی مغلظات کا طوفان اسکے منہ سے اٹھنے ہی والا تھا کہ اصغر خاں نے کڑک کر پوچھا۔

تم نے ادریس خاں کو گالی کیوں دی تھی۔

اسمال صاحب نے غصّہ سے ہونٹ کاٹے، ہرے کانچ کی گولیوں جیسی آنکھوں میں شعلے لہرائے، مگر انھوں نے انگریزوں کے مخصوص ضبط وتحمل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

تم سے مطلب ــ؟

مطلب ہے۔!

دیکھو تم کو جو کہنا ہو آفس آکر کہو۔

میں یہیں فیصلہ کرونگا۔ وہ میرا بھتیجا ہے۔

وہ سالا کام چور......

ابھی اسمال صاحب کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ اصغر خاں کے مضبوط ہاتھوں نے اسکو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔

حرامزادے ــ مجھے جانتے ہو ــ؟ میرے نام سے اچھے اچھوں کا پیشاب خطا ہوتا ہے۔ آس پاس سمٹ آئی بھیڑ، جس میں کولیری کے مزدور، آفس کے کچھ اسٹاف، پاس کے چائے پان کی دکانوں کے دکاندار اور ان کے گاہک شامل تھے۔ اس انہونے واقعہ پر دم بخود رہ گئے۔

ارے باپ رے۔ اسگر کھاؤں ای کا کر دیا......

یہ بات سب جانتے تھے کہ اصغر خاں بے مثال دلیری کا مالک تھا۔ اصغر خاں جو پٹھان دنگل کا مکھیا تھا۔ اتنی ہمت رکھتا تھا کہ اکیلے سینکڑوں کے مجمع میں گھس پڑے۔ اس نے پتہ

نہیں کتنے خون کیئے تھے، کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ خوف اور مصلحت کس چڑیا کا نام ہے۔ اس کی اس بے مہار دلیری کی بس ایک ہی وجہ تھی کہ اسکے سر پہ انعام الحاں کا ہاتھ تھا۔

انعام الحاں موہنا کولیری کا بے تاج بادشاہ تھا۔ آس پاس کے علاقے کا سب سے بڑا ٹریڈ یونین لیڈر۔ اس نے مونگیر ضلع سے پٹھانوں کا ایک دنگل جمع کر رکھا ہے جس کو سارے علاقے میں انعام الحان کی "فوج" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی پٹھان دنگل کا مکھیا ہے اصغر خاں۔ سارے علاقے میں کھلے سانڈ کی طرح دندناتا پھرتا ہے، بہت سے لوگ تو اس سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر پاتے۔ اور آج تو اس نے غضب ہی کر دیا تھا۔ اتنے بڑے افسر کو، اور وہ بھی انگریز افسر کو گھسیٹ کر اُتار لینا.... اصغر خاں کی تو مت ماری گئی ہے۔

بھیڑ آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگی۔ جیسے اب کچھ ہو جائے گا۔ گولی چل جائیگی۔

جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً یہ خبر ساری کولیری میں پھیل گئی۔

ارے کچھ سُنا۔؟ اسگر کھاؤں نے اسمال صاحب کو گھوڑے سے گھسیٹ کر اتار لیا۔

ارے۔؟ تو کمپنی کا چپراسی لوگ نہیں تھا کا، ہو۔

ارے کس سالے کی ہمت ہے اسگر کھاؤں کے سامنے کھڑا ہونیکی۔

مگر ابکی نہیں چھوڑے گا۔ وہائیٹ صاحب پٹھان دنگل کو۔!

پر چاہے جو کہو اسگر کھاؤں ہے بڑا مرد آدمی......

کانا پھوسی چلتی رہی، اور ادھر اسمال صاحب اصغر خاں کی پکڑ میں تھر تھر کانپتا رہا۔ چہرہ اتنا لال ہو گیا تھا کہ مانو بھک سے خون پھینک دیگا۔ اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو وہ ابتک کئی لوگوں کو بھون چکا ہوتا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ہاتھ میں جو چھڑی تھی اسکو بھی اصغر خاں نے چھین کر دُور پھینک دیا تھا۔

جبھی اصغر خاں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔

کل سے کولیری مت آنا نہیں تو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چانک میں پھینکوا دوں گا۔

اسمال صاحب اصغر خاں کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت سے چھوٹ کر سیدھا وہائیٹ صاحب

کے آفس میں گھس گیا۔ چہرہ اب کاغذ کے ٹکڑے کی طرح سفید دکھلائی دے رہا تھا ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور سفید قمیص کے گریبان میں پکڑ کا نشان صاف نظر آرہا تھا۔

وہائیٹ صاحب کو خبر مل چکی تھی۔ وہ اسماں صاحب کے متوقع بھی تھے۔ اس عجیب و غریب واقعے نے کسی میں اتنی ہمت نہ چھوڑی تھی کہ وہ باہر نکل کر اسماں صاحب کی مدد کر سکتا۔ اور جب وہ چھوٹ کر وہائیٹ صاحب کے آفس میں آگیا جب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ آخر اسماں صاحب ہی غصہ میں کانپتے ہوئے بولا۔

یہ ناقابلِ برداشت ہے، بالکل ناقابلِ برداشت، آئی ڈِل شوٹ دیٹ باسٹرڈ۔

وہائیٹ صاحب نے اس کو بٹھایا، پیچھے کیبنٹ کھول کر برانڈی کی بوتل نکالی اور گلاس میں انڈیل کر اسکی طرف بڑھا دیا۔ حالانکہ یہ موسم بیئر کا تھا۔ اور ٹھنڈا کیا ہوا بیئر قطار سے سجا ہوا بھی تھا مگر، اسماں صاحب کے خوف اور اسکے اپنے غصے کیلئے شاید یہ تیز شراب ضروری تھی۔

Please calm yourself

پھر اس نے فون اٹھایا اور انعام الخان کے نمبر ڈائل کئے۔

انعام الخاں سے کیا گفتگو ہوئی یہ تو معلوم نہیں، لیکن اس وقت وہائیٹ صاحب کا چہرہ غصہ سے لال ہوا تھا۔ وہ بار بار ہونٹ کاٹتا، میز پر گھونسہ مارتا اور دانت پیستا اپنے غم و غصہ کا خاموش اظہار کرتا رہا۔ لگتا تھا جو بات بھی ہو رہی ہے وہ شاید بالکل ناموافق ہے۔

اس وقت تلک تمام افسروں، ٹھیکیداروں، اور چھوٹے بڑے کمپنی کے خیر خواہوں کی بھیڑ وہائیٹ صاحب کی آفس کے سامنے جمع ہو چکی تھی۔ مگر آفس کا دروازہ بند تھا۔ اور دروازے کے اوپر سُرخ بلب روشن تھا۔

وہائیٹ صاحب کی آفس کی پیشانی پر تین رنگین بلب لگے ہیں۔ ایک ہرا، ایک پیلا اور ایک لال۔ ہرا بلب اس بات کا اعلان ہے کہ آفس ہر آدمی کیلئے کھلا ہے۔ یعنی ہر ضرورت مند بلا روک ٹوک وہائیٹ صاحب سے براہِ راست مل سکتا ہے، اس بلب کے جلنے کے انتظار میں ایک بھیڑ ہمیشہ وہائیٹ صاحب کی آفس کے سامنے

لگی رہتی ہے۔ اس میں زیادہ تر ٹھیکیدار ہوتے ہیں۔ کچھ نوکری کے خواہش مند اور کچھ چھوٹے چھوٹے مسئلوں کو سلجھانے کیلئے کولیری کے ورکر۔ ان کو نپٹاتے نپٹاتے وہائیٹ صاحب کو کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ تب ہری بتی بجھ جاتی ہے اور پیلی روشن ہو جاتی ہے۔ اب گویا خاص خاص آدمی ہی آفس کے اندر جا سکتے ہیں۔ سُرخ بلب اس وقت جلتا ہے جب اندر کوئی کنفی ڈینشیل (confidential) بات چیت چل رہی ہو۔ یا مائننگ ڈپارٹمنٹ کے انسپکٹروں اور افسروں سے کچھ لین دین ہو رہا ہو۔ یا پھر وہائٹ صاحب سکون چاہتے ہوں۔ اور ان کے پیچھے کا کیبنٹ کھلا ہوا ہو۔

ہر صبح ٹھیکیداروں کی کم سے کم بیس پچیس آدمیوں کی بھیڑ انہیں سلام کرنے کیلئے دست بستہ کھڑی ہوتی ہے۔ اس کے بعد نوکری پانے والے ہوتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کی گویا یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ ہر صبح ان کے آفس کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے رہیں۔ کسی کی قسمت دو چار دن ہی میں جاگ جاتی ہے اور کسی کی ہفتوں اور مہینوں میں بس وہائٹ صاحب کی ایک نظر کرم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ویل کیا مانگتا.....

تم کو کیا کام ہے۔؟

وہ اکثر کام کے متلاشی نئے چہروں سے پوچھ لیتا ہے۔ اکثر اس کی قسمت کھل جاتی،

مجمدار کی نوکری جب موہنا کولیری میں پکی ہو گئی تو اس نے خط لکھ کر سہدیو کو بلوالیا۔ سہدیو پچھلے دو سالوں سے گھر ہی رہ رہا تھا۔ اس نے جو کچھ جھیلا تھا اسکے بعد اسکو ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ پھر اس کالی نگری میں داخل ہو مگر مجمدار نے اس کو اپنے خط میں یقین دلایا تھا کہ یہ انگلش فرم ہے۔ اور اس میں کرپشن کم سے کم ہے اور کسی طرح کی دھاندلی نہیں ہے۔ مجمدار نے اس کو وہ عام نسخہ اچھی طرح ذہن نشین کروا دیا جس سے نوکری مل جانے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ تھا۔

اب سہدیو روزانہ وہائیٹ صاحب کے آفس کے سامنے کھڑا ہو جاتا۔

سلام صاحب،......

سلام ہجور......

ہر روز وہائیٹ صاحب کی ہندوستان فورٹین رکتی۔ دروازہ کھلتا، کھٹاکھٹ کرتے لوگوں کا سلام لیتا۔ کسی کسی کی مزاج پرسی کرتا، اور کسی کسی کی طرف تنبیہی جملے اچھالتا اپنے آفس میں گھس جاتا، قریب قریب گیارویں دن اس نے اچانک سہدیو سے پوچھ لیا۔

کیا مانگتا ــــ؟

صاحب نوکری!

وہائیٹ صاحب نے اس کو اوپر سے نیچے تک ایسے دیکھا جیسے قصاب جانوروں کی فربہی کا اندازہ کرتے ہیں۔ پھر بولا۔ ٹھیک ہے۔ آفس میں آؤ۔!

آفس میں جانے کا موقع تین گھنٹہ بعد ملا۔ وہائیٹ صاحب نے اسکے سراپا پر ایک نظر پھر ڈالی اور پوچھا۔

تم اے۔ بی۔ سی کا رہنے والا تو نہیں ــــ؟

اے۔ بی۔ سی یعنی بہار کے تین اضلاع آرہ، بلیا، چھپرہ، ان تین ضلعوں کے لوگوں سے وہائیٹ صاحب کو بہت چڑھ تھی، اس لئے موہنا کولیری میں زیادہ تر دسادھ، بھوئیاں یا مسلمان تھے، ان میں ان تین اضلاع کے لوگ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے، وہائیٹ صاحب کے اس سوال کا جواب جمعدار نے اسکو پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً جواب دیا۔

نو سر! فروم گیا ڈسٹرکٹ۔

وہائیٹ صاحب نے چونک کر اسکو دیکھا۔

تم انگلش جانتا ــ؟

تھوڑا تھوڑا صاحب۔!

ویری گڈ ــ پہلے کہیں کام کیا۔

ہاں صاحب سرسا کولیری میں۔

کیا کام کرتا تھا۔

لوڈر تھا صاحب۔ ملکٹا۔

کتنا دن کام کیا سرسا کولیری میں۔

کوئی دو سال۔

وہاں کیوں چھوڑا، ؟ یونین بنایا، اسٹرائیک کیا۔ ؟

نہیں صاحب وہاں پیسہ نہیں ملتا تھا۔

ٹھیک ہے کام مل جائے گا۔ مگر ٹرنر موریشن کمپنی میں پھانکی نہیں چلے گا۔ یہاں کام مانگتا اور ڈسپلن......

ہاں صاحب۔ !

ٹھیک ہے۔ جاؤ لوکس صاحب سے ہمارا نام بولو۔

لوکس صاحب چیف پرسنل افیسر ہے۔ عہدہ چاہے اس کے پاس جو بھی ہو مگر ساری کولیری میں بس وہ ہے۔ سب سے پرانا اور تجربہ کار آدمی ہونے کی وجہ سے کولیری کے چپّے چپّے پر اس کے وجود کی چھاپ موجود ملتی ہے۔ انعام الخان کے بعد وہ دوسرا آدمی ہے جو ہائیٹ صاحب کے آفس میں اس وقت بھی جا سکتا ہے جب سُرخ بلب روشن ہو۔ چنانچہ آج بھی وہ بلا روک ٹوک اندر چلا گیا۔

اندر دونوں آدمی، اسمال صاحب اور وہائیٹ صاحب ایکدم خاموش بیٹھے تھے، دونوں کے گلاس ابھی تک ان کے سامنے پڑے تھے۔ لوکس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

سَر آپ لوگوں نے کچھ سوچا۔

کیا۔ ؟ وہائیٹ صاحب نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

سَر آج جو کچھ ہوا، ایسا ٹرنر موریسن کمپنی کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

بے شک۔ !

پھر آپ نے کیا سوچا سر۔ ؟ ہم لوگوں کو اس پر ایکشن لینا چاہیئے۔

ایکشن۔ ؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اصغر خاں آپ کا امیلائی ہے۔ !

مگر اس کے بھتیجے ادریس خاں پر کاروائی ہوسکتی ہے۔ !

یہ بھی مشکل ہے۔ تم کیوں بھول جاتے ہو کہ اصغر خاں اکیلا نہیں ہے۔ اس کے پیچھے انعام الخان ہے اور انعام الخان کے پیچھے شوسلسٹ یونین ہے۔ اوپر جانا چاہیئے۔

تو وہاں پنڈت نہرو ہیں ۔ وہ بہت سلجھے ہوئے دل و دماغ کے آدمی ہیں ۔غیر ملکوں کا، خصوصاً انگلش لوگوں کا بہت خیال بھی رکھتے ہیں مگر ہیں تو شوسلسٹ ذہنیت کے وہ کسی شوسلسٹ یونین کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کریں گے ۔

مگر ہمارے پاس اپنے آدمی بھی تو ہیں ۔ پھر بھگت جی ہیں ۔

کیا تم خون خرابہ کروانا چاہتے ہو ۔ ؟

اس کا مطلب ہے ہم چپ لگا جائیں ۔

اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے ۔ !

آپ نے انعام الحاں کو فون کیا تھا ۔ ؟

ہاں ۔ اوہ اصغر خاں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا ۔میں نے تو معاملے کو رفع دفع کرنے کی بھی بات کی تھی ۔ مگر وہ بولتا ہے کہ وہ اس کے کسی نجی معاملے میں دخل نہیں دے سکتا ۔ ہاں اگر یونین کی کوئی بات ہوتی تو وہ کچھ کر سکتا تھا ۔

اس کا صاف یہ مطلب ہے کہ وہ اسکوشہ دے رہا ہے ۔

وہائیٹ بولا ۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ۔

لوکس نے بہت گھبراتا سے وہائیٹ صاحب کی طرف دیکھا ۔

اس کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کو بتانا چاہتا ہے کہ یہاں، اس کولیری میں، بلکہ پورے ہندوستان میں اب ہماری کیا حیثیت ہے ۔

چند لمحے کیلئے گہری خاموشی چھا جاتی ہے ۔

وہائیٹ صاحب اسمال صاحب کے سامنے پڑی بوتل اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔گلاس میں پیگ بنا کر ایک ہی سانس میں پی جاتا ہے ۔

یہ ان کا چھٹا پیگ ہے ۔

لوکس صاحب بھی ایک بڑا پیگ بنا کر پیتا ہے ۔پھر اسمال صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور دانت پیس کر کسی سانپ کی طرح پھنکارتا ہے ۔

کوئی بات نہیں مسٹر اسمال، تمہارا بدلہ میں لوں گا ۔میں اصغر خاں کو کھا جاؤں گا تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک بوٹی کر کے ۔ اس کو بھی انعام الحاں کو بھی اور اس کی یونین کو بھی،

کوئی کچھ نہیں بولا۔ گہری فکر مندی سے کمرے کی فضا بوجھل تھی۔

اسی دم چپراسی اندر آکر ایک چٹ ٹیبل پر رکھدیتا ہے۔ وہائیٹ کے اشارے پر لوکس بوتل اور گلاس اٹھاکر کیبنٹ نہیں بند کر دیتا ہے۔ وہائیٹ صاحب لال بتی بجھاکر پیلی جلادیتا ہے۔

آفس کا دروازہ ذراسا کھلتا ہے اور جعفری کا چہرہ دکھلائی دیتا ہے۔

May we come in sir

وہائیٹ صاحب، کوئی جواب نہیں دیتا جعفری اندر چلا آتا ہے۔ اسکے ساتھ چار یا پانچ سنیئر افراد اور اندر چلے آتے ہیں۔

سر اصغر خاں بہت آگے بڑھ گیا ہے۔

کوئی دوسرا بولا۔ انعام الحق تو کھلم کھلا بولتا ہے کہ ہم نے موہنا کولیری میں ایک شیر چھوڑ رکھا ہے۔

شیر..... ؟ لوکس غصہ سے دانت پیستا ہے۔

سر ہم لوگوں کو ایسے چپ نہیں بیٹھ رہنا چاہیئے۔ ہمارے پاس بھی پہلوان ہیں، بھگت جی ہیں۔ انکا دسادہ دنگل ہے.......

وہائیٹ صاحب نے سر اٹھاکر سبھوں کو دیکھا پھر بولا۔

میری کولیری کے ڈسپلین کو، امن کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے پروڈکشن متاثر ہو جائے گا۔

سر اگر آپ کہیں تو صلح کی بات چیت بھی کی جا سکتی ہے۔ پٹھان دنگل کا صلاح کار ایثار خاں وہ لوگ اس کی بات کبھی نہیں اٹھاتے۔

اتنی دیر سے بالکل خاموش بیٹھے اسمال صاحب نے چونک کر اپنی سبز آنکھیں اوپر اٹھائیں اور سر بلند کرکے بھاری آواز میں کہا۔

نہیں عزت نفس کے مول پر یہ سودا نہیں کیا جائے گا۔

سر عزتِ نفس کا سوال نہیں، سمجھوتہ پر وقار ڈھنگ سے کیا جائے گا۔

نہیں مسٹر ناتھ اب کوئی سمجھوتہ نہیں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں ریزائین کر دوں گا۔

کیا۔؟ سب سناٹے میں آگئے۔ بات اتنی آگے چلی جائے گی کسی کے وہم وگمان میں نہ تھا۔ ترلوک بولا۔

صاحب آپ اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ دو چار دن میں سارا معاملہ ٹھنڈا پڑ جائیگا بھلے آپ دو چار دن کیلئے leave لے لیں۔

جہاں عزت نہیں ہو وہاں کام کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا مسٹر ترلوک، ہر آدمی کا ایک وقار ہوتا ہے۔ ایک پریسٹیج جس کو گنوا کر روٹی حاصل کرنے سے اچھا ہے آدمی بھیک مانگنے کا دھندہ کرلے۔

سارے آفس میں سناٹا چھا گیا۔ ایکدم پن ڈراپ سائیلنس۔ اس لئے جب اسمال صاحب نے وہائیٹ صاحب کے سامنے سے کاغذ لیا تو اس کی آواز اور پھر کاغذ پر قلم گھسیٹے جانے کی آواز صاف سنائی دی۔ اس نے اپنا استعفا، وہائیٹ صاحب کو بڑھا دیا۔

Sand it ti head sfie

وہ اٹھا تن کر پر وقار انداز میں کھڑا ہو گیا۔

اب میں آزاد ہوں۔!

اس نے پہلے وہائیٹ صاحب سے ہاتھ ملایا، پھر لوکس سے۔ پھر جعفری سے، باقی لوگوں کو وش کیا وہ جانے کیلئے مڑا تو وہائیٹ صاحب نے دھیرے سے کہا۔

میری گاڑی لے جاؤ۔ پیدل جانا مناسب نہیں ہوگا۔

نہیں میں اپنے گھوڑے پر جاؤں گا۔

وہ باہر آیا۔ گھوڑا اپنی مخصوص جگہ پر کھڑا تھا۔ گو اسمال صاحب نے اس کو باندھا نہیں تھا۔ اسمال صاحب نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے گھوڑا اظہار عقیدت کے طور پر ہنہنایا۔

لوگوں کی بھیڑ اب تک جمع تھی۔ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے، سیکڑوں لوگ، ایکدم چپ، ایکدم خاموش، ساکت ساکت، اسمال صاحب نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی جیسے سیکڑوں آنکھوں میں اپنی اہانت کی کہانی پڑھنا

چاہ رہے ہوں۔ اس نے رکاب میں پاؤں پھنسائے اور اُچک کر گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اس نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور شاید پہلی بار پوری طاقت سے چابک گھوڑے کی جانگھوں کے درمیان نازک حصّے پر کھینچ ماری۔ گھوڑا اس ناگہانی چوٹ کیلئے تیار نہیں تھا۔ تکلیف سے بلبلایا، اگلے پاؤں پٹخے اور ہوا ہو گیا۔

اس کے ٹاپوں سے اڑی ہوئی سیاہ دھول دیر تک ہوا میں دھیرے دھیرے بکھرتی رہی۔

اسمال صاحب کے جانے کے بعد کلرکوں اور ٹائپسٹوں کے آفس ہال میں سنّاٹا سا چھا گیا۔ عام طور پر آفس میں یہ جونیئر لوگ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ گالی گلوچ کرتے ہیں۔ شکایتیں پہونچائی جاتی ہیں۔ چغلی کھائی جاتی ہے۔ یہ روزمرّہ کا کام ہے۔ مگر کسی کو نکال باہر کرنیکا، کسی کی روزی روٹی چھین لینے کی کسی کی نیّت نہیں ہوتی۔ جب تک اصغر خاں اور اسمال صاحب میں جھگڑے کی بات تھی، بیشتر لوگ خوش تھے۔

اسمال صاحب کی ہری آنکھوں اور چھوٹے قد کو لیکر ہنسی مذاق بھی چل رہا تھا۔ فقرے اور بولیاں بھی اُچھالی جا رہی تھیں، مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اسمال صاحب نے استعفاء دے دیا ہے تب سب لوگوں کو افسوس ہوا۔ تھوڑی دیر کانا پھوسی چلتی رہی پھر ایکدم سنّاٹا چھا گیا۔

اسمال صاحب کے جانے سے صرف ایک آدمی بہت خوش تھا۔ اور وہ تھے گھوشال بابو۔ کیش ڈپارٹمنٹ کے بابو ہیں۔ ایک پاؤں سے لنگڑے ہیں۔ کھدّر پہنتے ہیں، انگریزوں کے کٹّر دشمن ہیں۔ وہ ایک بھی گوری چمڑی ہندوستان میں نہیں دیکھنا چاہتے، بلکہ پوری دنیا میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ اپنے آپ کو فریڈم فائٹر کہتے ہیں اور ہر آدمی کو اپنی ٹانگ ٹوٹ جانے کا ماجرا سناتے ہیں۔ انگریزوں کے سامنے ڈٹے رہنے، ان سے جوجھنے اور گولیوں کی باڑھ پر ان سے پتھراؤ کرنے اور پھر اپنی گرفتاری اور پٹائی کی

وہ داستان سُناتے ہیں کہ آدمی عش عش کر اٹھتا ہے۔ حالانکہ بس اتنی سی بات ہے کہ ۱۹۴۲ کے اندولن میں پوسٹ آفس کو آگ لگائی جا رہی تھی لفافے اور پوسٹ کارڈ کی گڈیاں اچھالی جا رہی تھیں۔ اسی کو دیکھ کر یہ بھی چلے گئے۔ لفافے کی پانچ چھ گڈیاں لوٹ کر، یا چُن کر کُرتے کی جیبوں میں بھر لیں، اِدھر انقلابیوں نے پوسٹ آفس کو آگ لگائی اُدھر ملیٹری والے آ گئے۔ لوگ بے تحاشہ، جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے، یہ بھی بھاگ نکلتے، بھاگنے میں کسی سے کم نہیں تھے بس قسمت خراب تھی۔ اس لئے اپنی ہی دھوتی میں اپنا ہی چپّل ایسا اُلجھا کہ دھڑام سے زمین پر گر پڑے پھر اٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ بندوق کے کُندے کی مار سے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، غرض پاؤں بھی ٹوٹا اور دھر بھی لئے گئے۔ جیب سے وہ لفافوں کے پانچ پیکٹوں کی برآمدگی بھی ہو گئی جسکی بنیاد پر انہیں چھ مہینے کی سزا ہو گئی۔

سزا کاٹ کر آئے تو انگریزوں ہی کی موہنا کوٹھی میں چپکے سے چاکری کر لی۔ کیونکہ اب "داغی" ہو گئے تھے۔ اس لئے گورنمنٹ سروس تو ملی نہیں۔ تب لوگوں کو بتاتے تھے کہ ان کا پاؤں روڈ ایکسیڈینٹ میں ٹوٹ گیا ہے، پر جیسے ہی ہندوستان آزاد ہوا۔ اس نے فوراً چولا بدل لیا، ململ کا کرتا اور دھوتی اتار پھینکی اور کھدر دھاری ہو گئے۔

گو اس سے فائدہ کوئی نہیں ہوا۔ کانگریس کی لسٹ میں کہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ چنانچہ فریڈم فائٹروں کو دیجانے والی مراعات سے بھی محروم رہے۔ اب حال ہے کہ کانگریسیوں کو جی بھر کر گالی دیتے ہیں۔ مگر لباس کھدر کا پہنتے ہیں۔ اِدھر انگریزوں کو نظر بھر کر دیکھنے کے بھی روادار نہیں مگر نوکری انہیں کی کرتے ہیں۔

چنانچہ آج جب انہیں خبر ملی کہ اسمال صاحب نے ریزائن کر دیا اور ہمیشہ کیلئے دفاں ہو گئے۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔

باقی دو تین گوری چمڑی والوں کو بھی کھدیڑ دیا جاتا تو کیا بہتر ہوتا۔

دو تین بار گھوشال بابو نے جب یہی بات کہی تو ایک بوڑھے بنگالی ڈرائنگ مین نے چیخ کر کہا اور یہاں کھاد سنبھالنے تمہارا باپ آتا بانکوڑہ سے۔؟

باپ کا نام سن کر گھوشال بابو بمک گیا۔

دیکھو باپ دادا کیا تو بہت بُرا ہو جائے گا۔

کیا بُرا ہو جائے گا۔؟

تمہارا نقشہ بگاڑ دونگا۔

نقشہ.....؟

ڈرافٹس مین کو نقشہ کی بات بہت بُری لگی۔ وہ تلملا کر اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا، کُرتے کی آستین چڑھا کر بنگلہ میں للکارنے لگا۔

آ..... آ..... آئے تو سالا... تمار گُشٹی.........

گھوشال بابو بھی کھڑا ہو گیا۔ اے گُشٹیر نام لیبس نا ئے۔ سالا دلال.....

کیا بولا، دلال.....

شور بڑھتا دیکھکر ہیڈ کلرک پاٹھک نے انہیں ڈانٹا۔

تم لوگ چُپ رہو گے یا نہیں۔ یہ آفس ہے کہ مچھلی بازار...؟

اقبال بابو نے اپنی رائے ظاہر کی۔

جہاں دو بنگالی جمع ہو جائیں وہاں بک بک ہونی ہی ہے۔ حکمتِ چین اور حجّتِ بنگال دونوں مشہور چیزیں ہیں۔

دیکھئے آج مینیجمنٹ کے ساتھ اتنی بڑی بات ہو گئی کہ ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ اور آپ لوگ جھگڑا کرنے بیٹھ گئے ہیں۔

گھوشال بابو بولے۔

یہ سالا بڈھا ہمارا پورا گُشٹی کو گالی دیا۔

ڈرافٹس مین تمک کر بولا۔

اور تم ہم کو دلال نہیں بولا۔؟ تم تو سالا جس برتن میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے، ہیڈ کلرک نے ان کو پھر ڈانٹا۔

تم لوگ چپ رہو گے کہ نہیں۔ ہم لوگوں کو چاہیئے کہ ہم لوگ سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے، پٹ .P.tt نمبر سات کا اوورمین جو نیچے سے اسمال صاحب کے ریزائن کی بات سن کر اوپر آیا تھا تاکہ بات کی تصدیق بھی ہو جائے اور اس سلسلے میں آفس کا رویّہ بھی معلوم کیا جاسکے۔ اس نے آفس میں گھستے گھستے ہیڈ کلرک کا جملہ سُن لیا تھا۔ بولا۔

کرنا تو ضرور کچھ چاہیئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

پر کیا۔؟

ہم لوگوں کو وہائیٹ صاحب سے ملکر کہنا چاہیئے کہ وہ اسمال صاحب کو منالیں، اور اس پر بھی نہ مانیں تو ان کے اعزاز میں ایک شاندار فیرویل پارٹی کا انتظام کیا جائے۔

راکھال بابو بولے۔

واہ کیا فیرویل پارٹی بھی نہیں ہوگا۔ کیا اصغر خاں کا راج چلتا ہے۔؟

راج اصغر خاں کا نہیں انعام الخاں کا چلتا ہے۔ وہ لیبر میں چلتا ہوگا۔ آفس میں نہیں۔

دن تپ گیا تھا۔ گرم لُو کے جھونکے چلنے لگے تھے۔ اس تپتے ہوئے دن میں آفس اسٹاف وہائیٹ صاحب سے ملا اور اپنی گذارش ان کے سامنے رکھی، وہائیٹ صاحب نے انکار نہیں کیا بلکہ وعدہ کیا کہ وہ اسمال صاحب کو استعفا سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرینگے، رہ گئی فیرویل پارٹی کی بات تو یہ بعد کی بات ہے۔

ان سارے آفس اسٹافوں میں بس ایک آدمی نہیں تھا۔

گھوشال بابو۔

لوکس کا کُتا لوکس سے بھی حرامی ہے۔

جب اسکو دیکھتا ہے بھونکنے لگتا ہے، جیسے وہ کوئی چور ڈاکو ہو۔ وہ تو خیریت ہے کہ زنجیر سے بندھا ہوتا ہے۔ ورنہ سیدھے چھلانگ لگادے۔ ایک بار تو چڑھ ہی بیٹھتا اس پر اگر مسز لوکس اچانک مداخلت نہ کرتیں۔

یہ بات سوائے انعام الخاں کے اور کوئی نہیں جانتا کہ لوکس کے کُتے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ پتہ نہیں کیوں جو کتا اسکو دیکھتا ہے ایک بار بھونکتا ضرور ہے۔ اس میں کچھ ایسی بات ہے، کوئی ایسی بو ہے جو ان کُتوں کو پسند نہیں، یہ بہت پہلے کی بات ہے اس کی سُسرال میں بھی ایک

کتا تھا۔ وہ جب سسرال جاتا یہ کتا بے تحاشہ بھونکنا شروع کر دیتا۔ اُس کی سالی کہتی بھائی جان آپ میں کچھ خاص بات ہے ورنہ یہ کتا تو کمبخت اتنا سیدھا ہے کہ چور اچکوں پر بھی نہیں بھونکتا۔

وہ ہنس کر کہتا۔ کچھ کتے صرف شریف آدمیوں پر بھونکتے ہیں۔

آج بھی جب انعام الخاں کی گاڑی لوکس کے بنگلے میں داخل ہوئی اور وہ جیسے ہی گاڑی سے اُترے، لوکس کے السیشین نے ہی اس کا استقبال کیا۔ وہ حسبِ معمول زنجیر سے بندھا تھا۔ اس لئے اس کو کوئی نقصان تو نہ پہنچا سکا۔ لیکن اس کے بھونکنے کی آواز پر لوکس باہر نکل آیا۔

ہلو مسٹر خان۔!

ہلو......!

اس نے برآمدے کی تین سیڑھیاں طے کیں اور لوکس سے ہاتھ ملایا۔

لوکس کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔

میں سمجھتا تھا آپ نہیں آئیں گے۔ شاید آپ ہم لوگوں سے ناراض ہیں۔

انعام الخاں نے نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بھی اس کے ہاتھ کی طرح ٹھنڈا اور جذبات سے عاری تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا جیسے لوکس اس سیدھے سادھے جملے میں کہیں کوئی چبھنے والی بات بھی تھی۔ اس نے لوکس کو جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

میں وہائیٹ صاحب کے یہاں سے ہو کر آ رہا ہوں۔ معلوم ہوا وہ آپ ہی کے یہاں ہیں؟

ہاں وہ اندر کمرے میں ہیں۔ اور مسٹر اسمال بھی ہیں۔

Good Luck یہ بڑی اچھی بات ہے کہ سب لوگ ایک ہی جگہ مل گئے۔

وہ لوکس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اندر لگا دور چل رہا ہے کیونکہ تپائی پر بوتل اور جگ پڑے تھے۔

اس نے وہائیٹ صاحب سے ہاتھ ملایا۔ اور اسمال صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

آئی ایم ویری ساری مسٹر اسمال۔ آج جو واقعہ ہوا اس کا مجھے بے حد افسوس ہے،

اسمال صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف ہری کانچ کی گولیوں جیسی آنکھوں کو پورا کھول کر دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ سالے میں تمہاری ساری کمینگی جانتا ہوں۔

لوکس بولا۔ آج جو کچھ ہوا مسٹر خان، وہ موہنا کولیری کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔

دیکھئے مسٹر لوکس اگر اس معاملے کو Lightly لیا جائے تو یہ بہت اہم بات بھی نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس طرح کی بات کولفیلڈ میں نہیں ہوتی ہو۔ آپ نے سنا ہوگا۔ راجہ پور کولیری میں لوڈروں نے مالک کو اتنا مارا کہ اس کو اسپتال میں بھرتی ہونا پڑا۔ یہاں تو ایسی بات بھی نہیں ہوئی، کسی نے ہاتھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔

ہاتھ چھوڑنے سے آپ کی کیا مراد ہے۔ مسٹر خان۔؟

میرا مطلب ہے کوئی ماربیٹ تو نہیں ہوئی۔

نہیں ماربیٹ نہیں ہوئی۔ مگر کیا اہانت بھی نہیں ہوئی۔؟ سارے آدمیوں کے سامنے، آئی ایم ویری ساری مسٹر لوکس۔

تھینک یو مسٹر خان۔

انعام الخان نے محسوس کیا کہ ساری گفتگو کو ایک جگہ پہنچا کر ختم کر دیا گیا۔ جبکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بات کو اس دل آزاری کے موڑ پر ختم کر دیا جائے۔ اس لئے اس نے کہا۔

مسٹر وہائیٹ۔ اس سارے واقعے میں سب سے افسوسناک بات اسمال صاحب کا استعفاء ہے۔ غصہ میں انھوں نے بہت بڑا اقدام اٹھا لیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا یا اندازہ بھی ہوتا تو میں اصغر خاں کو مجبور کرتا کہ وہ مسٹر اسمال سے معافی مانگ لے۔

مگر آپ نے ایسا کہاں کیا مسٹر خان۔ میں نے تو آپ کو فون بھی کیا تھا۔ صلح صفائی کی پیشکش بھی کی تھی۔ پر آپ نے تو صاف مکر گئے۔

مجھے اس کا بے حد افسوس ہے مسٹر وہائیٹ۔ مجھے دراصل اسمال صاحب کے اتنے بڑے اقدام کی امید نہیں تھی۔ میں نے دوپہر میں سنا تو دنگ رہ گیا۔ اور اسی لئے میں آیا بھی ہوں، پھر وہ اسمال صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔ واقعی مجھے بے حد افسوس ہے مسٹر اسمال، میں نے آپ سے request کرتا ہوں کہ آپ اپنا استعفاء واپس لیں۔

نہیں مسٹر خان۔ شکریہ۔!

گفتگو سے انعام الخان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ سخت ناراض ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی سطح سے کسی قدر نیچے آتے ہوئے کہا۔

بھائی اگر آپ کہیں تو میں اصغر خاں سے معذرت کروا دوں، یا اگر آپ چاہیں تو خود اصغر خاں کی طرف سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔

اسمال صاحب جو اتنی دیر سے چپ تھا۔ وقار سے گردن اٹھا کر بولا۔

نہیں مسٹر خاں اب یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے جو فیصلہ کر لیا، وہ کر لیا۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی بات سے پلٹ جاؤں۔ میری طرف سے آپ فکرمند نہ ہوں۔ کیونکہ انگلینڈ کے پاس نہ ابھی سرمائے کی کمی ہے اور نہ روزگار کی۔

فکر اسکو نہ اسمال صاحب کے مستقبل کی ہے اور نہ اس کی ہندوستان سے چلے جانے کی۔ اندیشہ بس اتنا ہے کہ یونین اور مینجمنٹ کے بیچ ایک کھائی بن گئی ہے جس کو نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تجربہ بتلاتا ہے کہ کھولتے دودھ میں اگر بوند بھر بھی ترشی پڑ جائے تو دودھ جلد یا بدیر پھٹ ہی جائے گا۔ پھر بھی اس کو اسمال صاحب کا آخری جملہ ذرا تیکھا لگا۔ اور وہ ایسا آدمی نہیں تھا کہ کسی تلخ جملے کو اپنے سر پر سے گذر جانے دے اس لئے وہ ہنس کر بولا۔

یہ تو مجھے معلوم ہے مسٹر اسمال کہ انگلینڈ کے پاس نہ سرمائے کی کمی ہے اور نہ روزگار کی کیونکہ پچھلے سو سالوں میں دنیا کے مختلف علاقوں سے جو دولت جہاز بھر بھر کر انگلینڈ پہنچائی گئی ہے وہ اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی آپ اتنی دور ہندوستان کی اس کالی نگری میں سیاہ دھول اور ایکٹوریل گرمی میں کیوں موجود ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی، بالکل نہیں آتی۔

جواب اسمال صاحب کی بجائے لوکس نے دیا اور ہنس کر ہی دیا۔

یہ بات آپکی سمجھ میں ابھی نہیں آسکتی مسٹر خان کیونکہ آپ لوگ ایک محدود دائرے میں جیتے ہیں۔ ہندوستان کا یہ ایک چھوٹا سا علاقہ، بس یہی آپکی دنیا ہے۔ آپ اس سے اوپر آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے جبکہ ہم لوگوں کی نظر گلوب پر ہوتی ہے۔ ہم بین الاقوامی تجارت کرتے ہیں۔ ٹرنر موریسن کمپنی اس چھوٹی سی کولیری کے دم پر زندہ نہیں ہے۔ اسکی

بین الاقوامی شپنگ کمپنی ہے۔ سیکڑوں جہاز دنیا بھر کے سمندروں میں تیرتے رہتے ہیں، عرب ممالک میں تیل کے کنویں ہیں۔ جاوا سماٹرا میں ربر کی فیکٹریاں ہیں۔ یہ کولیری تو ٹرنر موریسن کمپنی کی دولت کی ایک بہت معمولی سی شق ہے۔

ہم اپنے محدود وسائل میں جینا زیادہ پسند کرتے ہیں مسٹر لوکس۔ مختلف ملکوں سے جائز اور ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی دولت ہمیں نہیں چاہیئے۔ جو ہمارے پاس ہے، ہم اسی میں خوش ہیں۔ مگر جو ہمارے پاس ہے وہ بھی ہمیں نہیں ملتا اور بدلے میں گالی دی جاتی ہے۔ تو غصہ زیر زمین آگ کی طرح پھٹ پڑنے کو مچلنے لگتا ہے۔

فضا ایکدم سے بوجھل ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ لوکس یا اسمال کوئی سخت جواب دے دہائیٹ صاحب نے موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا۔ مسکرا کے بولا۔

Hang it Mr Khan اس طرح کی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ اسمال صاحب تو ذرا نازک مزاج ہیں۔ کسی بھی بات کا فوراً اثر لے لیتے ہیں۔ ہم لوگ تو ایک ہزار ایک گالی روز سنتے ہیں۔ بھلے منہ پر نہ سنتے ہوں، پیٹھ پیچھے ہی سہی۔

پھر وہ ہنس کر بولے۔

آپ بھی تو اپنے لیکچروں میں منجمنٹ کو کم گالی نہیں دیتے مسٹر خان۔!

انعام الخان نے دل ہی دل میں ایک بھدی غلیظ گالی دی۔ مگر چہرے پر وہی ریڈی میڈ ہنسی لے آیا جسکو وہ اور اسکے جیسے بہت سے ذہین لوگ ماسک کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

مَیں جو گالی دیتا ہوں مسٹر دہائیٹ وہ آپ لوگوں کو ناراض کرنے کیلئے نہیں بلکہ لیبروں کو خوش کرنے کیلئے دیتا ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں ٹریڈ یونین چلانے کیلئے سیکڑوں بہروپ بھرنے پڑتے ہیں۔

تو مسٹر خان یوں سمجھ لیجئے کہ کولیری چلانے کیلئے بھی ہزاروں بہروپ بھرنے پڑتے ہیں۔ ہزاروں ہزار لوگوں سے کام لینے کیلئے۔ وہ بھی جاہل۔ اُجڈ۔ اور ایک سے ایک چھٹے ہوئے بدمعاشوں سے کام لینے کیلئے مختلف ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ جس کی ایک معمولی چیز گالی ہے۔

انعام الخاں ہنس کر بولا۔

ہم دونوں دراصل غلط جگہ پر کھڑے ہیں۔ مسٹر وہائیٹ۔ نہ اسمال صاحب اپنی گالی کیلئے Justified ہیں اور نہ ہی جو کچھ اصغر خاں نے کیا وہی مناسب تھا۔

وہائیٹ صاحب مسکرا کر بولا۔

غلطی کس کی ہے مسٹر خان۔؟ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی۔ آپ اصغر خاں کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آدمی جس گھوڑے پر سواری کر رہا ہو اس کو جانگھوں کے درمیان داب کر رکھے ورنہ......

آپ نے پھر غلط سمجھا مسٹر وہائیٹ اصغر خاں میرا گھوڑا نہیں۔ میرا شیر ہے میں نے اسکو اپنی گھر کی، اور یونین کی حفاظت کیلئے رکھ چھوڑا ہے۔

کوئی کچھ نہیں بولا۔ گفتگو پھر ایک تلخ موڑ پر پہنچ گئی۔ اس لئے بات ختم کرنے کیلئے وہائیٹ صاحب نے شراب نکالی جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس کو بھول جانے کیلئے اور جو کچھ آنے والا ہے اسکی تیاری کیلئے شراب بہترین چیز ہے۔

آف کورس مسٹر وہائیٹ۔

چاروں خاموشی سے پیتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ بات چیت شروع ہو گئی موضوع مختلف تھے۔ ملکی سیاست۔ چین سے ہونے والی جنگ کے نقصانات۔ میک موہن لائین وغیرہ پھر اسمال صاحب کی کوئی بات نہیں نکلی...... گو ذہن میں وہ تلخ ترش بوند موجود تھی۔ جو اعلیٰ درجہ کی فرانسیسی شراب کے نشے کو بھی آہستہ آہستہ منتشر کر رہی تھی۔

رات کو تقریباً آٹھ بجے انعام الخان رخصت ہونے لگے۔ تو وہائیٹ صاحب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔

میں آپ کو ایک دوستانہ مشورہ دینا چاہتا ہوں مسٹر خاں۔ اور وہ یہ کہ گھر کی حفاظت شیر کے ذمہ کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ اس کے لئے کتا ہی مناسب ہوتا ہے۔

بات ختم ہوتے ہوتے جیسے ہی وہ باہر آئے لوکس کا کتا اس کو دیکھ کر زور زور سے بھونکنے لگا تو سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ صرف لوکس چپ رہا۔ اس کی آنکھیں......

اگر برآمدے میں اندھیرا ہوتا تو کسی خونخوار درندے کی طرح چمک رہی ہوتیں۔

یہ خبر جو دن بھر موہنا کولیری کے آفس، کوئلہ ڈپو، کانوں، بازاروں اور دھوڑوں میں گھومتی رہی اور طرح طرح کی قیاس آرائیوں میں مزید نکھرتی اور سنورتی رہی، دوسرے دن سارے کول فیلڈ میں پھیل گئی۔ اصغر خاں کا نام بیچ میں سے غائب ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی ساری ذمہ داری انعام الخان اور اس کی یونین پر جا پڑی تھی۔ ایک طرح سے یہ انعام الخان کے حق میں جاتا تھا۔ کیونکہ اس سے چاروں طرف اس کی طاقت کا شہرہ پھیل گیا تھا۔ انعام الخان کی طاقت کا اندازہ سبھوں کو تھا مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنا طاقت ور ہے کہ ایک سی، ایم، ای کو دھمکی میں کولیری سے استعفاء دینے پر مجبور کر دے۔

دوسری طرف دوسری پارٹیوں میں اس خبر سے کافی ہلچل تھی۔ خاص طور پر آئی این ٹی یو سی والوں کے یہاں۔ وہ ایک عرصہ سے اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح موہنا کولیری میں اپنے پاؤں جمائیں۔ اس سلسلہ میں درپردہ کوشش بھی ہو رہی تھی۔ خاموشی اور رازداری سے ممبر بنائے جا رہے تھے۔ اب تک تقریباً ایک سو ممبر بن چکے تھے۔ گو اس کی خبر نہ انعام الخان کی یونین کو تھی اور نہ ہی منیجمنٹ کو۔ یہ رازداری اس لئے برتی جا رہی تھی کیونکہ انعام الخان کی یونین منیجمنٹ کی منظور شدہ تھی۔ اس لئے کھلم کھلا کچھ بھی کر پانا ممکن نہ تھا۔

کسی یونین کو کسی کولیری میں پاؤں جمانے کیلئے منیجمنٹ کا سہارا ضرور چاہیئے۔ چاہے یہ سہارا خفیہ طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ یونین والے ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ جب ہی کسی تسلیم شدہ یا Adopted یونین اور منیجمنٹ کے درمیان کوئی دراڑ پڑ جائے۔ چھوٹی سی چنگاری کو پھونک کر دہکتی آگ میں تبدیل کر دینے کے فن سے سبھی واقف ہیں۔ یہ آئی این ٹی یو سی والوں کیلئے ایک سنہرا موقع تھا۔ چنانچہ رات کے نو بجے ان لوگوں کے پانچ آدمیوں کا ایک وفد جس کی قیادت لالہ دیپ نارائن کر رہے تھے لوکس صاحب کے

بنگلے پر اپنے غم و غصّہ کا اظہار کرنے جا پہنچا۔ یہ پانچوں اسی موہنا کولیری میں کام کرتے تھے۔ اور لوکس صاحب ان تمام لوگوں سے بخوبی واقف تھے۔ موقع بھی عمدہ تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے انعام الخان اٹھ کر گیا تھا۔ اس سے جو گرما گرم گفتگو ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے لوہا ابھی گرم تھا۔ لوکس صاحب نے ان کو دیکھکر تعجب کا اظہار کیا۔

سر ہم لوگ آئی۔ این۔ ٹی۔ یو۔ سی کے آدمی ہیں۔

تم لوگ تو ہمارا کولیری میں کام کرتے ہو۔ ہم کو معلوم نہیں تھا۔

ہاں صاحب یہاں کھلم کھلا تو کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تو غنڈہ راج ہے۔ انعام الخاں کے آدمی تمام سونگھتے پھرتے ہیں۔ انہیں گندھ ملجائے تو سمجھئے خیر نہیں" اب اسی کو دیکھئے نا حضور کہ جبکی روٹی پر جی رہے ہیں۔ اسی کو کاٹنے دوڑتے ہیں"!

لوکس کے دماغ میں آج سارے دن کی تذلیل اور ہتک کا احساس پھر جاگ اٹھا، غصّہ جو تمام لوگوں کے جانے کے بعد ذرا دیر کیلئے سرد ہو گیا تھا پھر دہکنے لگا۔ اس نے ان لوگوں کو اندر کمرے میں بلا لیا۔

سر ہم لوگوں کو بہت افسوس ہے کہ آج انعام الخان نے وہ کام کیا ہے جو کوئی بھی شریف آدمی کبھی نہیں کر سکتا۔ بس ایک ذرا سی گالی کیلئے بھیجدیا اپنے رنگدار کو۔ صاحب اتنا بڑا افسر جب گالی دیتا ہے تو وہ مالک بن کر نہیں بلکہ باپ بن کے دیتا ہے۔ اور باپ کا گالی کون نہیں سنتا۔؟

سچ پوچھیئے تو یہ ایک بہانہ بھر تھا۔ اس کا اصل مقصد منیجمنٹ کو ذلیل کرنا تھا۔ اس کو یہ بتانا تھا کہ تم ہمارے سامنے کچھ نہیں ہو۔

" ویل ہم چاہتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا۔ ہمارا بھی پہلوان لوگ ہے کولیری میں، پھر اگر اسکے پاس پٹھان دنگل ہے تو ہمارے پاس بھی دسادھ دنگل ہے۔ مگر اس سے بات بہت بڑھ جاتا۔ ہم تو خالی کولیری کے بیس کا کولیری کے ڈسپلن کا خیال کیا۔ اس سے ایک بات اور ہوتا کہ یہ جھگڑا دنگا میں بدل جاتا۔ ہندو مسلمان دنگا میں۔ ہمارا سب ورکر تو بدمعاش نہیں ہے۔ ہمارا ورکر تو غنڈہ نہیں ہے۔ اس میں ہندو بھی ہے اور مسلمان بھی "!

ورکر تو صاحب سب منیجمنٹ کے ساتھ ہے۔ اس بات کا سب کو برا لگا ہے،

جیسے ہی اسمال صاحب کے ریزائن کا بات چلا تمام لیبر میں کھلبلی مچ گیا۔ سب کھلم کھلا اصغر خاں کو، انعام الخان کو، اور اس کی یونین کو گالی بک رہا تھا۔

ہم جانتا ہے لیبر ایکدم انوسینٹ ہے۔

لیبر تو صاحب انعام الخان کا یونین سے بھی عاجز ہے مگر بے چارہ کیا کرے۔ کوئی من سے چندہ تھوڑے ہی دیتا ہے صاحب۔

اب اس کا ٹائم پورا ہو گیا ہے۔ تم لوگ کو ہم ایک صلاح دیتا ہے تم لوگ اپنا ایکٹی وٹی تھوڑا تیز کر دو۔ زیادہ ممبر بناؤ منیجمنٹ تم کو سپورٹ کرے گا۔

صاحب ہم لوگوں کو گرین سگنل ملنا چاہیئے۔ ہم لوگ اس یونین کو اکھاڑ کے پھینک دیگا،

یہ بڑی اہم بات تھی کہ منیجمنٹ خود انہیں یونین بنانے کی دعوت دے رہا تھا۔ لالہ جی کا چہرہ اس غیر متوقع کامیابی سے دمکنے لگا۔ ادھر لوکس کی آنکھیں گہری فکر مندی میں ڈوبی تھیں۔ چند لمحے تک لالہ جی کو بغور دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

آج ٹھیکیدار بھگت جی سے بات ہو گیا ہے۔ آپ لوگ ان سے بھی کنٹیکٹ can کیجیے۔ اور ہفتہ دس دن بعد جب نیا سی ایم ای آجائے تو ایک جلسہ کیجیے اپنے ورما کو بلوا‌ئیے ایک آدھ گرما گرم بھاشن دیجئے۔ یہ تھوڑا جوکھم کا کام ہے مگر اس کو کرنا۔ ہم انعام الخان کا یونین کے تابوت میں کیل ٹھونکے گا۔ ہم۔

لالہ جی ایکدم گدگد ہو گئے۔ وہ تو محض ذرا اندازہ لگانے آئے تھے کہ دیکھیں منیجمنٹ اس معاملے کو کس ڈھنگ سے سوچ رہا ہے۔ یہاں تو قلعہ کا سارا پھاٹک ہی کھول دیا گیا۔

سر ہم لوگ کمپنی کے اتنے وفادار رہیں گے۔ کہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملیگا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ یونین لیبر سے ہوتی ہے۔ حالانکہ یونین دراصل منیجمنٹ کا ہاتھ سہارا نہ دے تو کوئی بھی یونین تادیر ٹکی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ہمیشہ یونین کا داہنا ہاتھ منیجمنٹ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور بایاں ہاتھ لیبر کے ہاتھ میں۔

ویل مسٹر لالہ آپ کبھی کبھی ہم سے ملتے رہیئے۔ یہ ہم دونوں کیلئے ٹھیک ہوگا۔

بے شک حضور۔ غلام برابر قدم بوسی کیلئے حاضر ہوگا۔

سب سے بڑا فائدہ یہ ہے مسٹر لالہ کہ آپ کا یونین کو گورنمنٹ بھی سپورٹ کریگا کیوں کہ اسی پارٹی

ہا حکرمیت بھی ہے۔ کوئی آپ پر طاقت استعمال کرے تو تھانہ پولس، ایس، پی، ڈی۔ ایس۔ پی، سب آپکا مدد کو آجائیگا۔

یہی وجہ تو ہے حضور کہ آدھی سے زیادہ کولیریوں میں ہماری یونین بن گئی ہے ورما صاحب بہت بڑے لیڈر ہیں۔ بس ایکبار یہاں ہمیں کھڑے ہونے کا موقع مل جائے۔

ویل مسٹر لالہ آئی ایم تھنیک فل ٹو یو پیپل I am thankful to you people

رات کافی ہو آئی تھی اور لوکس صاحب کا جملہ اس بات کی علامت تھا کہ اب میٹنگ برخواست کی جاتی ہے۔ وہ لوگ ہاتھ جوڑکر شردھا سے پرنام کرتے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ پانچ آدمی جو لوکس سے ملے تھے ان میں ایک سہدیو بھی تھا۔

اس کو انعام الحان کی یونین سے چڑھ تھی۔ اس کے نزدیک یہ یونین نہ مزدوروں کی نمائندگی کرتی تھی۔ اور نہ ان کے حقوق کی حفاظت، ایسا لگتا تھا جیسے شہ زوروں اور طاقتوروں کا ایک گروہ تھا، جو اپنا خراج وصول رہا تھا۔ رشوت کی شکل میں مالک سے، اور چندے کی شکل میں مزدوروں سے سی پی آئی والوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ گو جمدار یہیں تھا۔ جمدار کی انتھک کوششوں کے باوجود پچیس تیس سے زیادہ آدمی اس گروپ میں جمع نہ ہوسکے۔ ان میں زیادہ تعداد آفس اسٹاف کی تھی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اتنے بڑے گرم توے میں یہ تیس بوند پانی بھی کیا کرے گا۔ سو سہدیو کانگریس یونین میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ یونین کا ایکٹو active ممبر نہیں تھا۔ بس ایک تبدیلی چاہتا تھا اور اسی لئے کانگریس کا سپورٹر بن گیا تھا۔ حالانکہ وہ ٹریڈ یونین پولٹیکس سے وہ دور رہنا چاہتا تھا۔ اس کو اپنے کام سے زیادہ دلچسپی تھی۔ پانچ سال کے مختصر عرصہ ہی میں وہ موہنا کولیری کا ایک انتہائی تجربہ کار اور بھروسہ مند لیبر بن گیا تھا۔ خود لوکس صاحب اور رونیٹے صاحب بھی اس کو بہت مانتے تھے۔ اس کی وسیع معلومات کی وجہ سے اس کے اوپر کے اسٹاف تو اس سے خوش رہتے ہی تھے، اس کے ساتھ کام کرنے والے اور جونیئر لوگ بھی اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ لالہ دیپ نارائن نے پانچ آدمیوں میں اس کو بھی شامل رکھا تھا۔

دوسری شام کو وہ جمدار، جوناتھن اور حمید اکٹھا ہوئے تو ہر جگہ کی طرح یہاں کا بھی موضوع اسمال صاحب کا استعفاء تھا۔ جوناتھن بولا۔

آخر فرق کیا پڑے گا۔؟ ایک گیا دوسرا آجائیگا۔

حمید بولا۔ فرق تو ضرور پڑے گا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ منجمنٹ اس طمانچے کو برداشت کرلیگا؟
وہ یقیناً کوئی نہ کوئی انتقامی کاروائی ضرور کرے گا۔

سہدیو جو گہری فکر میں تھا چپکے سے بولا۔

کاروائی تو شروع ہو بھی چکی ہے۔ بہت جلد یہاں آئی این ٹی یو سی آرہی ہے۔ شاید ہم لوگوں کو اگلے سال کے چندے کی رسید اسی سے کٹوانی پڑے۔

جمدار ہنس دیا۔ یعنی اب سیاں کوتوال ہونے والے ہیں۔ لو بھائی تمہاری تو پانچوں گھی میں رہینگی

جمدار سہدیو کے کانگریس یونین میں شامل ہونے کی وجہ سے اکثر اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ سہدیو دل سے اسی کے ساتھ ہے۔ کولیری میں پارٹی کی کوئی فعال پوزیشن نہ ہونے کی وجہ سے وہ کانگریس میں شامل ہوا ہے،

اس کے کانگریس میں شامل ہونے کی ایک وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تبدیلی چاہتا ہے۔ اس کو ہمیشہ ایسا لگتا ہے، جیسے وہ برف کی بڑی بڑی سلوں کے درمیان جم گیا ہے وہ اس جمی ہوئی برف کو پگھلانا چاہتا ہے کہ کوئی نئی بات ہو، کچھ ایسا جو زنجیروں کو توڑ نہیں سکے تو ڈھیلا ضرور کردے۔ یہ سب جمدار کا اندازہ ہے۔ حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ پولیٹکل آدمی ہے ہی نہیں۔ وہ پریکٹیکل آدمی ہے۔ ایک کامگار۔ وہ اپنی ساری صلاحیتوں کا مظاہرہ کان کے اندر ہی کرتا ہے۔ چنانچہ مزدوروں کے بیچ اس کی اتنی عزت ہے جتنی عزت کسی بڑے افسر کو میسر نہیں۔ مزدور کبھی اس کی کوئی بات رد نہیں کرتے۔ کبھی اسکا حکم ماننے میں لعیت ولعل سے کام نہیں لیتے۔

جوناتھن بولا۔ اچھا یار جب تمہاری یونین بن جائے تو ذرا ہم دوستوں کا بھی خیال رکھنا،

سہدیو بولا۔ سیدھی بات ہے مجھے یونین وینن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

کیوں لیڈر بن کر نہیں گئے تھے۔ لوکس صاحب کے پاس۔؟

ہاں وہاں گیا تھا۔ یا لے جایا گیا تھا۔ وہ جانتا ہے اس کو استعمال کیا گیا تھا۔ وہاں اس نے جو منظر دیکھے، آہستہ آہستہ بنا جانے والا سازش کا جال، تلوے چاٹنے کا منظر، خوشامدانہ جملے، ہمیشہ وفادار رہنے کے عہد وپیمان۔ اس نے اسکو اندر سے ایکدم مایوس کردیا.... کچھ نہیں ہوگا.... سب ایک ہی ہیں۔ لیڈر اور مالک.... یونین اور منجمنٹ

...... مزدور اس منظر نامے میں کہیں نہیں ہے۔ وہ محنت کش جس کی زندگی اندھیری سرنگوں میں ہر لمحہ موت سے جوجھتی رہتی ہے، کہاں ہے؟

جمعدار ہنس کر بولا۔

میری یونین بن جائے گی تو میں تمہیں انڈر گراؤنڈ میں کام تھوڑے ہی کرنے دونگا، میں تمہیں اپنا فرسٹ سیکریٹری بناؤں گا۔ بس فائل لئے میرے پیچھے پیچھے چلا کرنا۔

سہدیو نے اسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ چند لمحے دیکھتا رہا پھر دُکھ سے بولا۔

وہ جو انڈر گراؤنڈ کام کرتا ہے۔ ہمیشہ انڈر گراؤنڈ کام کرتا رہے گا اس کی قسمت بدلنے والی نہیں۔ یہ ایک ایسا سچ ہے جس کو کہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اوپر کی تبدیلیوں سے جن کو فائدہ پہنچنا ہے پہنچے گا۔ تم نے بہت پہلے کہا تھا۔ مزدوروں کے پیسوں سے چلنے والی یونین مزدوروں کی نہیں ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی مراعات دلا سکتے ہیں۔ مزدوروں کے چھوٹے چھوٹے مسئلے سلجھا سکتے ہیں۔ مگر ان کی فلاح کیلئے، ان کے مستقبل کیلئے کبھی کوئی بڑا اقدام نہیں کیا جائے گا۔ یہ ان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ ان علاقوں میں سیکڑوں کولیریاں ہیں، درجنوں یونین ہیں۔ مگر کیا ہوتا ہے۔ یہاں تو پھر بھی غنیمت ہے دوسری چھوٹی چھوٹی کولیریو میں تو لوگ کتّوں سے بدتر زندگی گذار رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے اس کا تجربہ محمدار صاحب آپکو بھی ہے اور مجھے بھی۔

جمعدار کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ سب یاد آتا ہے۔ کچھ دیر کیلئے خاموشی چھا جاتی ہے۔ پھر جمعدار ہی بولتا ہے۔

یار یہ لوگ مرے ہوئے آدمی کی لاش بھی ہضم کر جاتے ہیں مسلّم۔ رحمت میاں کا واقعہ مجھے آب بھی یاد ہے ـــــ!

ـــــ یہ کس کا نام لے لیا ہے جمعدار نے۔؟ ذہن کے انگنت تار ایکدم سے جھنجھنا اٹھے ہیں جیسے کسی بچّے نے انجانے میں ساز کے سارے تاروں پر زور سے ضرب لگا دی ہو۔

رحمت میاں ـــ!

رحمت میاں۔

رحمت میاں..........

وہ پھر ختونیا کے گھر نہیں گیا تھا۔ ہمت ہی نہیں ہوئی۔ کیسے اس کا سامنا کرے گا۔ کیا کہے گا؟ وہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ مگر اتنا بڑا جھوٹ نہیں۔ وہ عرفان کی آنکھوں کے خاموش نم دیدہ سوال کے جواب میں شاید جھوٹ بھی نہ بول سکے۔ اس لئے اس نے کبھی رسولپور جانے کی سوچی بھی نہیں،

جب وہ گھر ہی پر تھا تو ایک صبح جیسے ہی جگا اس کی بھابی نے بتایا۔ باہر کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔ وہ جلدی سے کرتا بدن پر ڈال کر باہر آیا۔

باہر فرش پر ایک بوڑھا سیاہ فام، ہڈیوں کا ڈھانچ آدمی اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ بوڑھے نے اس کی آہٹ پر اپنی بینائی سے محروم ہوتی دھندلی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر دیکھا۔ پھر بھی نہ دیکھ سکا تو پوچھا۔

کون ہو بابو۔۔؟ سہدیو۔۔۔۔؟

سہدیو اس کو پہچان کر دنگ رہ گیا۔ یہ رحمت میاں کا باپ تھا۔ اس کے بدن میں جھرجھری سی ہو گئی۔ وہ رحمت میاں کے سلسلے میں کسی طرح کے جرح کیلئے تیار نہیں تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ سچ کہیں اس کے منہ سے تمام بندشوں کو توڑ کر نہ نکل پڑے۔ اس کا جواب نہ پا کر بوڑھا تھوڑا سا بے چین ہوا۔ بیٹھے بیٹھے ہی ذرا سا آگے کھسکا زمین پر لیٹے ڈنڈے کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹا اور اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

اے بابو سہدیو ہو نا۔۔؟

سہدیو نے اپنے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے بکھر جانے والے وجود کو مجتمع کیا۔

پرنام کاکا۔ اِدھر اوپر بیٹھئے چوکی پر۔ نیچے زمین پر کاہے بیٹھ گئے ہیں۔

وہ اسکو اٹھانے کیلئے جھکنے ہی والا تھا کہ بڈھا کھسک کر ذرا اور آگے بڑھا اور اسکے پیر تھام لئے۔

بابو ہمار رحمت۔۔۔۔۔۔؟

آگے بولنے کا یارا نہ رہا۔ آواز بھبھک کر۔ پھٹ کر رونے میں گم ہو گئی۔

سوال ادھورا رہ گیا۔

اور تب مشکل ہو گیا تھا سہدیو کو کھڑا رہنا۔ لگا ساری کائنات، سارا زمانہ، سارا ارض و سما بس

بس اس ایک سوال سے بھر گیا ہے۔ اور کہیں کوئی بات، کہیں کوئی آواز نہیں ہے، بس ایک سوال...
جواب اسکے پاس ہے۔ وہ سب بتا سکتا ہے۔ مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ کھلیں، جو ہمیشہ دبیز پردے میں چھپی رہیں تو شاید اچھا ہی ہوتا ہے۔ سُہدیو نے اس کو بازو سے پکڑ کر اُٹھایا اور چوکی پر لے جاکر بٹھادیا۔ بوڑھے کے اندر سے اٹھا ہوا بگولہ ذرا شانت ہوا اور دھندلی آنکھوں کی برسات تھمی تو اس نے پوچھا۔

ای بیٹیا ہمار رحمت کہاں چلا گیا؟ تم تو اس کے دوست ہو۔ میرا من کہتا ہے کہ ضرور معلوم ہوگا۔ ننکو کی چٹھی آئی تھی اس میں بس اتنا لکھا تھا کہ وہ کام چھوڑ کر کسی عورت کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ ای بابو ہمار رحمت تو ایسا نہیں تھا۔ اس کی دُلہن کو تم تو دیکھے ہو۔ لاکھوں میں ایک ہے کہ نہیں؟ ایسی عورت کیسے آگے کون عورت آگئی۔؟

کبھی کبھی، بولنے سے زیادہ اچھا چپ رہنا ہوتا ہے۔ سو سُہدیو نے چپی سادھ لی، اندر سے پانی لاکر بوڑھے کا ہاتھ منہ دھلوایا اور اپنی بھابی کو کھانا بنانے کیلئے کہا۔

بھوک نہیں لگتی بابو! کچھ بھی کھانے کو من نہیں ہوتا۔ رات کو نیند بھی نہیں آتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی دن، کسی وقت اس عورت کے چنگل سے چھوٹ کر واپس آجائے گا میرا بیٹیا"!

وہ ذرا سا رکا پھر پوچھا۔

ای بابو اس کو اپنا لڑکا بھی یاد نہیں آتا ہوگا۔؟

کوئی نہیں یاد آتا ہے وہاں جہاں رحمت میاں ہے۔ نہ باپ، نہ بیوی، نہ بیٹیا، کوئی نہیں۔ اس اندھیری گپھا میں۔ زمین کے تیرہ سو فٹ نیچے.... جہاں اتھاہ اندھیرا ہے بے پناہ حبس ہے، اور قیامت کی خاموشی...... بڑی گہری قبر ہے اس کی۔ اتنی گہری قبر دیکھی ہے تم نے کسی کی؟

تیرہ سو فٹ گہری قبر....؟

"بہو روز بولتی ہے کول دری چلو، بولو تو بیٹیا وہاں جاکر کیا کرے گی اکیلی عورت۔ میں بڈھا قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں، آنکھ سے سوجھتا نہیں، پاؤں سے چلا نہیں جاتا، سوانگ تھک گیا ہے۔ میں کہاں کھسیٹتا پھرونگا اس کے ساتھ۔ کہتا ہوں دو مٹھی مٹی ڈال لو مجھ پر پھر جو جی چاہے کرنا"!

اس کو بہت زور سے غصّہ آتا ہے۔ یہ آدمی کیوں اتنا بولتا ہے۔ کیوں چُپ نہیں رہتا۔؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ چھ مہینہ ہو گیا ہے۔ اب تک تو وہ گپھا بھی بند کر دی گئی ہو گی۔ اس کے مُنہ پر دیوار چُن دی گئی ہو گی۔ فائلوں کے انبار میں دبی ہوئی وہ رپورٹ بھی گم ہو گئی ہو گی۔ جس میں رحمت میاں کے بھاگ جانے کی تصدیق درج ہے۔

کسی نے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھا، اس نے چونک کر دیکھا وہ مجمدار تھا۔

تم جو سوچ رہے ہو میں جانتا ہوں۔ مگر اس سے فائدہ کیا ہے۔؟ حالات سے ہر جگہ سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر حالات کو بدل ڈالنے کی شکتی آدمی میں نہیں ہوتی۔

اس کالی دُنیا میں کچھ نہیں بدلے گا۔ کبھی نہیں بدلے گا۔ انعام الحق جائے گا تو پی این ورما آجائے گا۔ ورما جائے گا تو کوئی دوسرا، سب کا داہنا ہاتھ منیجمنٹ کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور بایاں ہاتھ مزدوروں کے ہاتھ میں۔ سب کچھ یونہی چلتا رہیگا۔ چلتا رہے گا۔ قیامت تک ابد تک، اسی آخری دن تک جب تک یہ دُنیا قائم ہے۔

نام رگھونندن بھگت ہے۔ مگر صرف بھگت کہلاتا ہے۔ موہنا کولیری سے کوئی دو کیلومیٹر دُور مین دھنباد روڈ پر اس نے ایک پکا مکان بنا رکھا ہے دو منزلہ۔ قوی الجثہ آدمی ہے۔ کبھی پہلوان رہا ہو گا مگر اب لنگوٹ اتار دیا ہے۔ شراب کم پیتا ہے مگر کباب زیادہ کھاتا ہے، مطلب یہ کہ نشہ پان سے اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی عورتوں سے ہے۔

عورت کے معاملے میں دو آدمی موہنا کولیری تو کیا دُور دُور تک مشہور ہیں۔ ایک تو ویلفیر آفسر جعفری صاحب اور دوسرے ہمارے بھگت جی۔ مگر دونوں کی عورت بازی میں بہت فرق ہے۔ جعفری صاحب تو اپنا شکار خود پھانستے ہیں۔ سیکڑوں کامنوں میں سے کسی کو چُن کر ہانک پر چڑھاتے ہیں، بچ کر نکلنے کا سوال نہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ کہ ماہر کھلاڑی ہیں اور دوسرے ویلفیر افسر، جن سے روز کوئی نہ کوئی کام پڑتا ہی ہے۔ سو جعفری صاحب ہر روز

ایک نیا چراغ جلاتے ہیں۔ ان کے ایک بہت پرانے دوست مولوی جلال الدین کہتے ہیں۔ سالے تم پر تو شیخ سدّو سوار ہے۔ روز ایک پلنگ اڑالاتے ہو۔ وہ برا نہیں مانتے۔ منہ پھاڑ کر ایسا بلند بانگ قہقہہ لگاتے ہیں کہ اس قہقہہ میں سب اڑ جاتا ہے۔

مگر اس کے بالکل برعکس بھگت جی بہت قاعدے قانون والے آدمی ہیں، جو کام بھی کرتے ہیں بہت سلیقے سے کرتے ہیں چاہیے وہ عورت بازی ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے مٹرک والے مکان کی اوپر والی منزل انھوں نے بالکل خالی رکھی ہے۔ اس پر جانے کی کسی کو اجازت نہیں سوائے جامنی کے۔

جامنی اور اسکا شوہر دلیپ دونوں بظاہر ان کے یہاں نوکری کرتے ہیں مگر اصل قصہ یہ ہے کہ وہ بنگال کے پچھڑے علاقے پرولیا سے لڑکیاں لاتے ہیں۔ کبھی ہفتہ میں، اور کبھی پندرہ دن میں۔ یہ بھگت جی کی مرضی پر ہے کہ جب ان کا دل بھر جائے۔ کبھی کبھی کوئی کوئی لڑکی مہینوں رہ جاتی ہے۔ بھگت جی اس دوران لڑکی کو اوپر والی منزل میں اسطرح رکھتے ہیں کہ اس کو باہر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔

اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جعفری صاحب کی طرح ان کے قصے کہانیاں نہیں پھیل پاتیں۔ گو یہ بات سب جانتے ہیں کہ بھگت جی کی اوپری منزل میں کیا کچھ ہوتا ہے،

بھگت جی بھاری بدن کے آدمی ہیں۔ مسلسل آرام پسندی اور مسلسل عیاشی کی وجہ سے بدن کا تمام گوشت ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ وہ اکثر گرمی کے دنوں میں برآمدے میں اور سردیوں میں صبح کی دھوپ میں ننگے بدن بیٹھے مل جائیں گے۔ اس طرح کہ ان کی موٹی پلپلی جانگھیں کسی لڑکے کی گود میں ہوگی۔ اور بازو کسی دوسرے لڑکے کے کندھے پر۔ ان کا ایمان ہے کہ روزانہ سرسوں تیل مالش سے آدمی ہشٹ پشٹ رہتا ہے۔ گھنٹہ بھر کی تیل مالش کے بعد وہ اشنان کرتے ہیں تب کسی کام کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ چاہے وہ کام، کام واسنا ہی کیوں نہ ہو۔

ان کی آنکھوں کے پپوٹے ہمیشہ سوجے رہتے ہیں۔ ان سوجے پپوٹوں میں ان کی آنکھیں ہمیشہ ڈبڈبائی رہتی ہیں۔ پتہ نہیں سوجے پپوٹوں کی وجہ سے یا آنکھوں کے پانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں پوری کھل نہیں پاتیں۔ ہمہ وقت ادھ کھلی رہتی ہیں مگرمچھ کی آنکھوں کی طرح۔ ان کا کوئی بھی جذبہ ان کی آنکھوں یا چہرے سے کبھی مترشح نہیں ہو پاتا۔ شدید غصّہ کے عالم میں بھی وہ اسی دھیمے

لہجے میں حکم دیتے ہیں۔

جرمن سنگھ :- ذرا محبوب علی کے دنگل کو دیکھنا سالا بہت بدمعاشی کر رہا ہے۔ ابھی دو دساڈھ لونڈے جو ہیں نا بہت سر چڑھ گئے ہیں۔

جرمن سنگھ اور مہوا دساڈھ اور دلاور سنگھ اور اس کے آدھا درجن لوگ فوراً نکل پڑتے ہیں۔ محبوب علی اور دونوں دساڈھ لونڈوں کو دھوڑے سے گھسیٹ کر اتنا مارتے ہیں کہ آس پاس کے تمام دھوڑوں میں دہشت چھا جاتی ہے۔ پھر مہینوں کوئی چوں چاں نہیں کرتا۔

بھگت جی موہنا کولیری کا سب سے بڑا ٹھیکیدار ہے۔ مٹی کاٹنے کا، یا بلڈنگ بنانے کا۔ یا بالو سپلائی کا اس کا ٹھیکہ نہیں ہے۔ اس کا ٹھیکہ آدمی سپلائی کا ہے۔ موہنا کولیری کی تینوں کانوں میں وہ لوڈر سپلائی کرتا ہے۔ لگ بھگ آٹھ سو لوڈر ہیں۔ ہر آدمی دو گاڑی مال بوجھتا ہے۔ یعنی سولہ سو گاڑی روزانہ، فی گاڑی دو آنہ کمیشن ملتا ہے بھگت جی کو۔ یہ انکی بلا شرکت غیرے آمدنی ہے۔ اس کام کو کنٹرول میں رکھنے کیلئے انہیں بیسوں پہلوان رکھنے پڑتے ہیں۔ ان کا کام لوڈروں کو "ٹھیک کرنا" ہے۔ رات کو اکثر لیبر سو رہتے ہیں۔ یہ پہلوان ان لوگوں کو دھوڑوں میں گھس کر گھسیٹ گھسیٹ کر باہر نکال لاتے ہیں اور انڈر گراؤنڈ بھیج دیتے ہیں۔

کبھی کبھی نیچے سے خبر آتی ہے آج سات نمبر میں مین پاور Man Pawer کم ہے۔ آفس بھگت جی کو آرڈر بھیجتا ہے۔ سات نمبر پٹ Pint میں پچاس لوڈر فوراً بھیجو، بھگت جی حکم چلاتے ہیں۔ فوراً پہلوان دوڑ پڑتے ہیں۔ اور آن کی آن میں پچاس لیبر اندر اتار دیئے جاتے ہیں۔

بھگت جی کو یونین کی بھی مٹھی گرم رکھنی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک ماہواری رقم بندھی ہوئی ہے، اس کے علاوہ بھی یونین والے چندہ کے نام پر بہت کچھ نوچ لے جاتے ہیں، یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ لوڈروں پر ہونے والی زیادتیوں، حق تلفیوں اور مار پیٹ، گالی گلوچ کے سلسلے میں یونین اپنے کان اور آنکھیں بند رکھے اور اگر اس پر بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے تو یونین لیبر کی بجائے بھگت جی کا ساتھ دے۔

یونین بھی دیکھتی ہے کہ بھگت جی ایک ایسا بینک ہے کہ جب جی چاہے کیش نکال لو،

اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بھگت جی کے پاس آٹھ سو لوڈر ایک منظم تشکل میں ہیں۔ اور ان لیبروں کو ممبر بنائے رکھنے کیلئے بھگت جی کی خوشنودی ضروری ہے۔

وہ جو یونین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک ہاتھ مالک کے ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ مزدور کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بھگت جی کا ایک ہاتھ مالک کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرا ہاتھ یونین کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مزدوروں سے نہ یونین کو کوئی مطلب ہے اور نہ ہی بھگت جی کو۔ یہ روز مار کھاتے ہیں۔ کام سے بھگا دیئے جاتے ہیں، ذرا سر اٹھاتے ہیں تو کچل دیئے جاتے ہیں۔ کہیں کوئی شنوائی نہیں، کہیں کوئی پناہ نہیں۔

ایسے ٹھیکیدار بہت سے ہیں۔ لوڈر کے ٹھیکیدار، ٹرام کے ٹھیکے دار۔ casual لیبر کے ٹھیکیدار۔ بالو کے ٹھیکیدار۔ بلڈنگوں کے ٹھیکیدار۔ یہ سب طاقتور شخصیتیں ہیں۔ ان کا ایک الگ گروپ ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے ذریعہ کمپنی مزدوروں کا استحصال کرتی ہے۔ انہیں کنٹرول میں رکھتی ہے۔ سرکس کے اس رنگ ماسٹر کی طرح جو اپنی بجلی کی چھڑی سے شیر کو بس میں کئے رہتا ہے۔

بھگت جی اسمال صاحب کے ہنگامے میں وہ پہلا آدمی تھا جو لوکس سے ملا تھا وہ بہت برہم تھا۔ یا کم از کم برہم ہونے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

صاحب آپ دبے کیوں۔ ؟ آٹھ سو آدمی میرے پاس ہیں، اگر آپ چاہیں تو انعام الحق اور اسکی یونین کو چٹنی کی طرح چاٹ جائیں۔ آپ بس حکم دیجئے۔ میں راتوں رات ان لوگوں کو اجاڑ کر پھینک دونگا۔

لوکس صاحب نے اس کو ٹھنڈا کیا تھا اور اپنے ساتھ آفس لیتا گیا تھا۔ پھر دروازہ بند کر کے گھنٹہ بھر تک بھگت جی اور لوکس صاحب میں کیا راز و نیاز ہوا یہ کوئی نہیں جانتا ۔۔!

نئے سی ایم ای کو آئے ابھی دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک دوپہر دو کاریں آکر آفس کے سامنے رکیں۔ ان میں سے دس بارہ آدمی اترے۔ ان ہی میں کول فیلڈ کا ایک ابھرتا ہوا ٹریڈ یونین لیڈر بی این ورما بھی تھا۔ لمبا قد، چوڑا پر جلال چہرہ اور اونچی پیشانی آنکھوں کا رنگ سیاہ نہیں بلکہ ہلکا کتھئی تھا۔ غضب کی شخصیت تھی اس کی۔ اس کے سامنے آتے ہی اسکا رعب طاری ہو جاتا تھا آدمی پر۔

اسکے ساتھ اترنے والوں میں اس کے باڈی گارڈ تھے، اور کچھ چھوٹے لیڈر جو اسی کے دم سے جی رہے تھے۔

گھوشال بابو نے کھڑکی سے جھانک کر انہیں اترتا ہوا دیکھا پھر حیرت سے پوچھا۔

اِی کے رے (یہ کون ہے رے)

ارے یار ہوگا کوئی ماما۔ نیا سی ایم ای آیا تو سب چارہ ڈال رہا ہے۔

نہیں یار کوئی کانگریسی ہے۔

ہم کو تو کوئی موٹا مرغا لگتا ہے۔

گھوشال بابو نے کار میں لگا ترنگا دیکھکر اندازہ لگایا۔ آفس سے نکل کر کھدر کے کرتے کا کالر کھڑا کیا، سلیقے سے بٹن لگائے اور شردھا سے بڑھکر بی این ورما کا ہاتھ تھام لیا۔ اوپی ناش نے جو اسی کولیری میں کام کرتا تھا۔ آگے بڑھ کر تعارف کرایا۔

سر یہ گھوشال بابو ہیں۔ بہت پرانے کانگریسی ہیں، فریڈیم فائٹر بھی رہ چکے ہیں اور جیل بھی جا چکے ہیں۔

ورما گرم جوشی سے اسکا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

بھئی تعجب ہے کہ آپ جیسے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی موہنا کولیری میں کانگریس کا کام نہیں ہو رہا ہے"!

کام تو سہ ہونا ہی ہونا ہے بس یہاں کیڈٹوں کی ذرا کمی ہے۔

یہ کام بھی آپ ہی کا تھا گھوشال بابو۔

سر اب کوئی کمی نہیں ہوگا۔ آپ کا پاؤں ہمارا کولیری میں آگیا تو سمجھئے کام ہو گیا۔

ورما نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اب تو سب کچھ آپ ہی لوگوں کو کرنا ہے۔

گھوشال بابو سرشار ہو گئے۔ اتنی عزت افزائی کے وہ متوقع بھی نہیں تھے۔ آفس میں بیٹھے لوگوں کو آج معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ گھوشال بابو کیا ہیں۔ ذرا یہاں نئی یونین برسر اقتدار آجائے پھر دیکھنا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی جا رہے تھے کہ سی ایم ای آفس کا چپراسی پیشوائی کیلئے آگے بڑھا اور آفس کا دروازہ کھول دیا۔ اگرچہ کہ آفس کی پیشانی پر سُرخ بتی جل رہی تھی۔ صرف دو آدمی اندر گئے۔ ایک ورما صاحب، اور دوسرے نند کشور ورما کا معتمد خاص۔ آفس کے اندر بھی دو ہی آدمی موجود تھے۔ ایک لوکس صاحب اور دوسرے نئے سی ایم ای آئی ون صاحب۔ مصافحہ اور رسمی مزاج پرسی اور مبارکباد کے بعد جب لوگ اطمنان سے بیٹھ گئے تو آئی ون صاحب نے ذرا سا جھک کر قدرے راز داری سے کہا۔

قصہ یہ ہے مسٹر ورما کہ اب سوشلسٹ یونین نے کمپنی کے ساتھ کھلا اڑ شروع کر دیا ہے اور یہ بات ہائیر اتھریٹی کو سخت ناپسند ہے۔ چنانچہ مجھے اس طرح کے خاص احکامات ملے ہیں کہ میں مناسب کارروائی کروں۔

سوشلسٹ یونین کرپٹ ہو گئی ہے۔ اس کے پاؤں ہر جگہ سے اکھڑ رہے ہیں۔ کترا اس فیلڈ جوان کا گڑھ ہے وہاں سادھن دا نے کئی کولیریاں چھین لی ہیں۔ آس پاس کی کولیریاں ہیں..... طوفان کی طرح بڑھتی آ رہی ہے۔ موہنا کولیری میں بھی اس کو پاؤں جمانے میں دیر نہیں لگے گی۔ اگر آپ چاہیں.....

آخری جملے پر بہت زور دیکر ورما نے گہری نظروں سے آئی ون صاحب کو دیکھا۔ آئی ون صاحب ایسے سادھارن آدمی نہیں تھے۔ جسکے چہرے پر کوئی رد عمل آسانی سے دیکھا جا سکے لوکس نے بات بڑھائی۔

ہاں بشرطیکہ آپ اس بات کا یقین دلائیں کہ کمپنی کے مفادات کا خیال رکھا جائیگا۔ یہ تو دونوں ہاتھ سے ہونا ہے مسٹر لوکس۔ یہ بات آپ پر بھی اتنی ہی عائد ہوتی ہے۔ جتنی ہم پر۔ ہم اگر آپس میں ٹکراؤ کی صورت نہ پیدا ہونے دیں تو باقی چھوٹے چھوٹے مسائل تو بآسانی طے ہو جائیں گے۔

دیکھئے مسٹر ورما۔ ٹرنر موریسن انگلش فرم ہے۔ اور انگلش فرم میں لوز پوائنٹس بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے۔ اس لئے اگر تھوڑی سی رواداری برتی جائے تو

میں سمجھتا ہوں۔ تعلقات بگڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ہماری یونین جس کولیری میں برسرِ اقتدار ہے وہاں اس نے مالکوں سے اپنے تعلقات بحال کر رکھے ہیں۔

اسی لئے تو ہم نے آپکو بلوایا ہے۔

یہ آپ کا کرم ہے ۔۔۔!

آئی ون صاحب نے ذرا سا جھک کر راز داری سے کہا۔

مسٹر ورما میں آپکو ایک موقع دینا چاہتا ہوں۔ ایک سنہرا موقع، اس امید کے ساتھ کہ آپ اس سے فائدہ بھی اٹھائیں گے اور ہمیشہ اس کو یاد بھی رکھیں گے۔

ورما ہمہ تن گوش ہو گیا۔

کوئی ایک مہینہ پہلے تمام مزدوروں اور لور گریڈ آفس اسٹاف کی تنخواہوں میں اضافے کے آرڈر ہیڈ آفس سے آگئے ہیں۔ ہم نے اس آرڈر کو روک رکھا ہے۔ اب آپ ایک ڈرامہ کیجئے۔ آپ سو دو سو یا جتنے بھی مزدور آپ جمع کر سکتے ہوں انکو جلوس کی شکل میں لیکر آیئے۔ منیجمنٹ کو گالی دیجئے۔ خوب نعرہ بازی کیجئے۔ کمپنی کو الٹی میٹم دیجئے۔ ہم لوگ تنخواہ میں اضافہ کا اعلان کر دیں گے۔ اس اضافہ کا سارا کریڈٹ آپ کو ملے گا اور آپ کو موہنا کولیری میں قدم جمانے کی آسانی ہو جائے گی۔

یہ بہت بڑا آفر تھا۔ ورما ایکدم سے خاموش ہو گیا۔ اٹھ کر آئی ون صاحب سے ہاتھ ملایا۔

آپ کا بہت بہت شکریہ مسٹر آئی ون۔ لیکن اس سے پہلے ہم ایک جلسہ کریں گے یعنی اسٹیج ڈرامہ کیا جائے گا وہ مکمل ہونا چاہیئے"!

یہ آپ کا کام ہے مسٹر ورما اس سے ہم لوگوں کو کوئی مطلب نہیں۔

ورما اٹھ کھڑا ہوا سب لوگوں نے بہت ہی دوستانہ فضا میں ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اور ورما مسکراتا ہوا آفس سے باہر نکل آیا۔

پہلی بار کولیری میں مزدور سنگھ کا جلسہ ہوا۔ موہنا کولیری میں نہیں، کیونکہ وہاں ڈر تھا کہ کہیں ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ اس لئے جلسے کا اہتمام مدھوبن بازار میں کیا گیا تھا۔ اتوار کے دن ۴ بجے شام کو۔ ایڈمنسٹریشن کی طرف سے پورا انتظام تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہو۔ تین تین داروغہ، پولس، لاٹھی والی پولس، اور پھر سادہ میں کچھ جوان، کسی جلسے میں کبھی اتنا انتظام دیکھنے میں نہیں آیا۔ کانگریس اعلیٰ کمان کا آرڈر تھا کہ پی، این، ورما۔ کی ہر طرح حفاظت کی جائے۔ اس لئے ڈی۔ ایس پی تک موجود تھا۔ اپنی جیپ لیکر۔

اس کھلی جگہ کو جہاں سنیچر کے دن ہاٹ لگتی ہے۔ رنگین کاغذ کی جھنڈیوں سے سجایا گیا ہے۔ پربھولال حلوائی اور بھجن لال بنیئے سے ایک ایک چوکی لیکر اسٹیج بنایا گیا ہے۔ ایک گیٹ بھی بنا ہے جس پر سفید کپڑے پر سنہرے کاغذ کو تراش کر لکھا ہے دلت مزدور سنگھ زندہ باد جلسہ گاہ کے چاروں طرف اور پھر جلسہ گاہ سے گیٹ تک دورویہ ترنگی جھنڈیاں لگی ہیں۔ مائیک پر دس بجے دن سے فلمی گانا بج رہا تھا۔

تین بجے سے ہی جلسہ گاہ بھرنے لگی تھی۔ ایک ایک دو دو کرکے لوگ آنا شروع ہوئے۔ ان میں عورتیں اور بچے زیادہ تھے جو اس جلسہ کو تماشہ سمجھ کر آرہے تھے، مردوں میں بھی زیادہ تعداد دکانداروں اور بے کار آدمیوں کی تھی۔ مزدور بہت کم تھے۔ جو آج ذرا کھلکر نئی یونین کا سپورٹ کر رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج کے بعد انعام الحق کی یونین سے دشمنی شروع ہو جائے گی۔ مگر ساتھ ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ مضبوط ہے۔

صبح چھ بجے سے دو گاڑیاں مائیک لگائے تمام اعلان کرتی پھر رہی تھیں۔ ان کے سامنے ترنگا جھنڈا ہوا میں لہرا رہا تھا۔ ہر آن مائیک کے بھونپو سے نکلتی ہوئی اپیل بار بار گلی گلی، محلہ محلہ، گونج رہی تھی۔ خاص طور پر موہنا کولیری کے دھوڑوں، بازاروں، آفس اور واٹنڈنگ روم کے پاس جہاں مزدوروں کی بھیڑ تھی۔ رات پلہ سے باہر آئے، اور جنرل شفٹ کیلئے اندر اترتے مزدور آج صبح سے ہی چونک چونک کر ان اعلانوں کو سن رہے تھے۔

"مزدور بھائیو! آج ۴ بجے شام کو کولیری مزدور سنگھ کی ایک میٹنگ مدھوبن بازار

میں ہونے جارہی ہے۔ کولیری مالکوں کے ظلم کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ کر رہے ہیں، ہمارے نیتا شری پی این ورما۔ آپ لوگوں سے نویدن ہے کہ ہزاروں کی سنکھیا میں پدھار کر ان کے بھاشن سے لابھ اُٹھائیں۔"

گلی گلی سڑک سڑک مائیک کی آواز گونجتی ہے۔ انعام الخاں کی یونین والے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ مگر کوئی چارہ نہیں چل رہا۔ پولس کا اتنا سخت انتظام ہے کہ کھانسنا بھی مشکل ہے۔ اعلان کرنے والی ایک گاڑی کو روکنے کی کوشش کی گئی تو دس منٹ کے اندر اندر پولس کی بھرمار ہو گئی۔ خود ڈی ایس پی صاحب موقع واردات پر پہنچ گئے۔

ایسا جلسہ کبھی نہیں ہوا۔ اتنا بڑا شامیانہ کبھی نہیں لگا۔ اور نہ ہی اتنی رنگین جھنڈیاں سجائی گئی ہیں کبھی۔ لوگوں کا اشتیاق بہت بڑھ گیا ہے۔ عورتوں بچوں کے علاوہ اب مزدوروں کے بھی جھنڈ کے جھنڈ چلے آرہے ہیں جلسہ گاہ بھرتی جارہی ہے۔ بھیڑ کو دیکھتے ہوئے ڈی ایس پی صاحب نے اور فورس منگوالی ہے۔

انعام الخاں کو یقین تھا کہ موہنا کولیری کا کوئی لیبر اس جلسے میں نہیں جائے گا۔ مگر سب کے سب وہاں موجود تھے۔ لوڈر، ٹرامر سب، بلکہ آفس اسٹاف بھی۔ ایک مہینہ بعد ممبرشپ کی تجدید کا وقت تھا۔ چندہ کی رسید کاٹنے کا۔ اسی میں یونین کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وقت پرانی یونین کو پاؤں جمانے کا ہوتا ہے۔ اور اسی وقت کوئی نئی یونین پرانی یونین کو اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتی ہے، انعام الخاں بے چین ہے۔ یہ حرامزادہ ورما۔ ساون کے تیز رفتار بادلوں کی طرح چھاتا چلا جارہا ہے۔

جلسہ کا وقت چار بجے دیا ہوا تھا مگر کاروائی پانچ بجے شروع ہوئی۔ کیونکہ نیتاجی کی کار ایک گھنٹہ لیٹ آئی۔ کار کے آتے ہی لگا جیسے بونڈر آگیا ہو، ہر طرف ہڑکمپ مچ گیا۔ ساری بھیڑ اپنے نیتا کو دیکھنے اُمنڈ پڑی۔

سفید، دودھ کی طرح سفید کھادی کے لباس میں ایک گورا چٹا قد آور، وہ پھول مالا جوان کے گلے میں ڈالی گئی تھی، گلے سے اتار کر ہاتھ میں پکڑے، بیحد نمرتا سے پرنام کرتا ہوا ایک شانِ بے نیازی سے بڑھا اور سیدھے اسٹیج پر چڑھ گیا۔ ان کے اعزاز میں اسٹیج کے تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ وہ پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ نعروں کی پرشور

آواز سے سارا شامیانہ بھر گیا۔

سہدیو کے پاس بیٹھے گوہا نے کان کے پاس پھسپھسا کر کہا۔

ایکدم ہیرو لگتا ہے ہو۔

سہدیو نے کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ جلسے کی کاروائی شروع ہو گئی تھی۔

یہ چھوٹے لیڈر بڑے لیڈروں سے زیادہ جوشیلا بھاشن کرتے ہیں۔ شاید اپنی خطیبانہ صلاحیتوں کا خود ہی امتحان لیتے ہیں۔ ہاتھ نچا نچا کر، مٹھی باندھ باندھ کر، چہرے کو ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھما گھما کر پورے جوش میں تقریباً انگوٹھوں پر کھڑے ہو ہو کر بے تحاشہ بولتے جاتے ہیں۔

ایکے گوہا ایک دم سے ہنس پڑا تو سہدیو نے اس کو ڈانٹا۔

کیا کھی کھی لگا رکھی ہے "!

نہیں سہدیو بھائی ـــــ وہ سہدیو کی طرف ذرا سا جھک کر بولا۔ درگا پوجا کے میلے میں ایک کھلونا ملتا ہے۔ تاڑ کے پتوں کا بنا ہوا ایک بالشت بھر کا آدمی۔ وہ ایک موٹے تنکے میں لگا ہوتا ہے۔ تنکا ذرا سا گھماؤ تو اس کا ہاتھ کبھی اُوپر اُٹھ جاتا ہے اور کبھی نیچے گر جاتا ہے گردن بھی ہر آن گھومتی رہتی ہے، دیکھو یہ آدمی بھی بالکل ویسا ہی لگ رہا ہے کہ نہیں۔

سہدیو کو ہنسی آ گئی،

عورتوں کو بیٹھنے کا الگ انتظام تھا۔ مگر پارٹیشن محض ایک رسّی کا تھا۔ رسّی کے ایک طرف مرد تھے۔ اور دوسری طرف عورتیں۔ اتفاق سے سہدیو اور گوہا بالکل سرحد پر بیٹھے تھے۔ سہدیو کے بے ساختہ ہنس پڑنے سے برافروختہ ہو کر ایک عورت نے گالی دی۔

مُنہ جونسا۔ اِدھر دیکھ کے کاہے ہنسا ہو۔

ایکے گوہا خوب زور سے ہنسا۔ اتنے زور سے کہ والینٹروں کو چُپ کرانا پڑا۔

چُپ کرو۔ خاموش! مہربانی کر کے شانتی بنائے رکھیے۔

مُنہ جھونسا اور کھال بھورا کول فیلڈ میں دو ایسی گالیاں ہیں جنکو سُن کر کوئی برہم نہیں ہوتا۔ بلکہ لوگ ہنس پڑتے ہیں۔ ان گالیوں میں جو لگاوٹ اور جو پیار ہوتا ہے اس کا مزہ کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کو سُنتے ہیں۔ ذرا سا ہونٹ سکیڑ کر، آنکھوں میں بے پناہ لگاوٹ

پیدا کر کے دھیمی آواز میں کہا گیا منہ جھونسا ایک طرح سے دعوتِ خاص ہوتی ہے۔ ویسے مُنہ جھونسا کا مطلب ہے کہ تم مر جاؤ اور تمہارے منہ میں آگ دی جائے۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے جلے ہوئے مُنہ والا۔ یعنی بدشکل۔

یہ گالیاں روزمرہ کی چیزیں ہیں۔ اِکّا دُکّا عورت کو چھیڑ دیجیے اگر وہ نظر ترچھی کر کے زیرِ لب کہہ دے چل منہ جھونسا، یا بھاگ "کھال کھورا"، تو سمجھ جائیے معاملہ پٹ جائے گا۔ آج بھی گوہا سہدیو کو جو اتنے زور سے چٹکی بھر کے ہنسا تھا وہ بے مطلب تھوڑے ہی تھا۔ سہدیو کی جگہ دوسرا کوئی آدمی ہوتا تو چھیڑ چھاڑ شروع ہو جاتی۔ اور ممکن ہے معاملہ میٹنگ سے چپکے کھسک جانے کا آجاتا۔ مگر سہدیو اس قماش کا آدمی نہیں تھا۔ وہ مردوں کی بھیڑ میں ذرا سا کھسک کر بھاشن سُننے لگا۔

اب ورما صاحب کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کا لانبا قد اور گورا چٹا رنگ چہرے کا رُعب اور آواز کی کڑک نے سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ کالی، میلی، سیاہ، بدہیئت دنیا میں وہ ایک الگ مخلوق لگ رہا تھا۔ اس کی اُونچی آواز ایکدم صاف اور بے خوف تھی۔

"ہماری یونین کسی مصلحت کو نہیں مانتی۔ ہم کسی کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ ہم کسی سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم محنت کرتے ہیں، ہم مزدور ہیں۔ یہ جو عمارتیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ جو گاڑیاں، یہ جو ٹھاٹھ باٹھ ہے۔ بلکہ یہ جو مالکوں کے چہروں پر رونق جھلک رہی ہے ان سب میں ہمارا خون، ہمارا پسینہ شامل ہے۔ مگر اس خون اور پسینے کی جو قیمت ہم کو ملتی ہے وہ اتنی بھی نہیں ہوتی کہ ہم اپنا پیٹ بھر سکیں، ہم آواز بھی اٹھانا چاہیں تو کیسے اُٹھا سکتے ہیں۔ جب رکھشک ہی بھکشک بن جائے تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے"

تالیوں سے سارا پنڈال گونج گیا۔ نعروں کی تیز بلند آواز مدھوبن بازار سے بونڈربن کر اڑی اور موہنا کولیری کے آفس، اسکے دھوڑوں اور بازاروں میں گونج گئی۔

انقلاب زندہ باد۔

دلت مزدور یونین زندہ باد۔

ہمارا اینتا پی این ورما۔

انقلاب۔۔۔۔۔۔

بہت دیر تک نعرہ بازی چلتی رہی۔ لگتا ہے جیسے آگ لگ گئی ہے چاروں طرف، اور ورما جی کے الفاظ جیسے گھی سے بھرے کٹورے ہیں جو اس آگ میں انڈل رہے ہیں۔

بھائیو! مزدور ساتھیو! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری یونین تمہارے ساتھ ہے' یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں تمہارا حق دلا کر رہوں گا۔ میں تمہیں بھوکا نہیں رہنے دوں گا۔ میں تمہیں دواؤں کے بغیر مرنے نہیں دوں گا۔ ہم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ان حرامزادے مالکوں کو بتادینگے کہ مزدور کیا ہیں۔ یہ جن کو تم روز گالی دیتے ہو، مارتے ہو، یہ اگر اٹھ کھڑے ہوں تو سارا کولفیلڈ دہکتے ہوئے انگاروں کے ڈھیر میں بدل جائے۔

پھر تالیوں کا شور اٹھا۔

نعرے بلند ہوئے۔

ورما صاحب اپنی تقریر کا جوش ذرا کم کرتے ہوئے بولے۔

"ہم کل کمپنی کو تیرہ دن کا نوٹس دینے جارہے ہیں کہ مزدوروں کی تنخواہ بڑھائی جائے ورنہ ہم ہڑتال کرینگے۔ سارا کام بند کر دینگے۔ وائنڈنگ روم کا چکہ نہیں چلے گا۔ ڈولیاں اپنی جگہ کھڑی ہو جائیں گی، ہارڈ کوک بھٹہ ٹھنڈا کر دیا جائیگا پلانٹ میں تالا لگ جائے گا۔ میرے مزدور بھائیو! ہمیں صرف آپ کا سہیوگ چاہیئے۔ یہ مت سمجھئے کہ میں اکیلا آپ کو اس رن بھومی میں ہانک دوں گا، میں آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔ میں آپ سب کے آگے رہوں گا۔ اگر لاٹھی چارج ہوگا تو پہلی لاٹھی میں اپنے سر پہ لونگا۔ اگر گولی چلی تو پہلی گولی میری چھاتی پہ لگے گی۔۔۔۔۔

پرزور نعروں میں باقی کی تمام تقریر گم ہو گئی۔ سہدیو نے پیچھے پلٹ کر دیکھا گوہا پتہ نہیں کب کا چلا گیا تھا اور اس عورت کی جگہ بھی خالی تھی، جس نے اسکو گالی دی تھی۔

"گوہا کا معاملہ فٹ ہو گیا"!

کسی نے اسکو بغل سے اطلاع دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ کھونٹا مستری دلجیت سنگھ تھا۔

تم کو کاہے کھجلی ہو رہی ہے۔

بلے بلے وہ بنگالی بچہ شکار سامنے سے لے گیا اور میں دیکھتا رہ گیا۔

تبھی مجمع میں کچھ خلفشار مچ گیا۔ تقریر کے دوران کسی نے چلا کر کہدیا تھا۔

چور ہے ـــــ"!

.... یونین کے ورکر دوڑ پڑے۔ وہ بھی چار پانچ کی تعداد میں تھے۔ ہاتھا پائی ہونے لگی۔ مجمع کے آدھے لوگ اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اسی وقت اچانک پولس والوں نے ہنگامہ کرنے والوں کو دبوچ لیا۔ وہ انہیں لیکر جیپ کی طرف جانے لگے تبھی ورما صاحب کی میٹھی آواز سنائی دی۔

انسپکٹر صاحب ذرا رک جائیے، پلیز انہیں اسٹیج کے پاس لے آئیے۔

انسپکٹر ان چاروں کو پکڑے ہوئے اسٹیج کے قریب لے گئے۔ ورما ان کو مخاطب کر کے بولے۔

آپ کون ہیں، میں نہیں جانتا۔ آپ کو کس نے یہاں ہنگامہ مچانے بھیجا یہ بھی معلوم نہیں، مگر اتنا جانتا ہوں کہ آپ بھی ورکر ہیں، مزدور ہیں، اگر اس کولیری کے نہ بھی ہوئے تو کسی دوسرے کولیری کے ہیں۔ مجھے صرف ایک بات بتائیے۔ آپ نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کیوں کی، کیا میں نے کسی یونین کے خلاف کچھ کہا۔ کیا میں نے کسی لیڈر کو گالی دی۔ کیا میں نے مزدوروں کو غلط راستے پر چلانے کی کوشش کی۔ میں نے تو صرف مزدوروں کے بھلے کی بات کی، ان کی بھوک مری، ان کے دکھ کا ذکر کیا، یہ ذکر آپ کا بھی تو ہے۔ میں نے مالکوں سے ایک لڑائی چھیڑی ہے، یہ لڑائی صرف میری تو نہیں۔ ان ہزاروں مزدوروں کی ہے۔ آپ لوگوں کی بھی ہے، کیا میں نے غلط کیا۔ میں یہاں اسٹیج پر کھڑا ہوں، میں آپ لوگوں کے سامنے شپتھ لیتا ہوں، قسم کھاتا ہوں کہ میں آپ کی تنخواہ بڑھا کے رہونگا اور اگر ایسا نہیں کر سکا تو لیڈری چھوڑ دوں گا۔ یہ کھادی بستر اتار دوں گا۔

ایک بار پھر نعروں سے سارا ماحول گونج اٹھا۔

انقلاب ۔ زندہ باد۔

ہمارا نیتا ——— پی این ورما۔

یونین ——— زندہ باد۔

سنہد یو بہت مشکل میں ہے۔ سچ کہاں ہے۔؟ جو بات چیت لوکس سے ہوئی تھی۔ وہ اس میں شامل تھا۔ لیڈروں کا گھگھیانا اور جھکنا اسے یاد تھا۔ اس کو وہ سارے خوشامدانہ جملے بھی یاد تھے جو وہاں ادا کئے گئے تھے۔ وہ وعدے بھی ابھی تک اسکے کان میں گونج رہے ہیں۔ جو لوکس صاحب سے کئے گئے تھے۔ اس کو تکلیف نہیں ہوئی۔ ایسے تکلیف نہیں ہوتی۔ اتنا اس نے دیکھ لیا ہے سمجھ لیا ہے کہ جس سچ کو وہ چھوتا ہے اس پر سے کائی اُتر جاتی ہے۔ اور ننگا تیکھا جھوٹ اسکے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے آج بھی جب کسی نے بتایا کہ میٹنگ میں ہنگامہ کرنے والے خود ورما صاحب کے آدمی تھے تو اس کو ذرا تعجب نہیں ہوا، اس نے بغل میں دیکھا دلجیت سنگھ بھی غائب تھا۔ پتہ نہیں کون سی کڑی کے ساتھ،

اتوار کے دن صبح سے لوگ دو دو چار چار کر کے وائنڈنگ روم کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس میں کانگریسی بھی تھے۔ اور غیر کانگریسی بھی۔ زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو آج ایک نیا تماشہ دیکھنے جمع ہو رہے تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ایک ٹین کی پرانی کرسی جو گھوشال بابو پتہ نہیں کہاں سے اٹھا لائے تھے۔ اس پر انھوں نے لالہ دیپ نارائن کو بٹھا دیا۔ خود لکڑی کے ایک خالی بکس پر بیٹھے تھے۔ کچھ لوگ اینٹوں پر بیٹھے تھے۔ مگر زیادہ تعداد کھڑے ہی لوگوں کی تھی۔ پارٹی کا بینر دو ڈنڈوں میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا۔ مانگوں کے تختے جن پر ہندی اور انگریزی میں مطالبات لکھے تھے۔ ابھی زمین پر پڑے تھے۔ آج تک موہتا کولیری کی تاریخ میں کوئی ایسا جلوس نہیں نکلا ہے۔ انعام الخان کی یونین کچھ گڑبڑ کر سکتی ہے۔ اسلئے پولس کو بھی خبر دے دی گئی ہے۔ اور کافی تعداد میں لاٹھی دھاری اور چھ عدد بندوق دھاری پولس والے موجود ہیں۔ ایس پی صاحب ورما صاحب کے ساتھ آئیں گے۔ ان کی حفاظت کیلئے الگ سے بھی پولس

ہو گی۔ ہوا خراب ہے۔ پولس والوں کی اتنی بڑی تعداد سے لوگ ڈر بھی رہے ہیں۔ مگر جمع بھی ہو رہے ہیں۔ اس بھیڑ میں دوسری کولیریوں کے لوگ بھی شامل ہیں۔ کچھ لٹھیت اور غنڈہ قسم کے لوگ بھی آ گئے ہیں۔ یہ انتظام آئی این ٹی یو سی والوں نے اپنی طرف سے کیا ہے۔ خود موہنا کولیری کے وہ ورکر جو کافی عرصہ سے کانگریس میں خفیہ طور پر شامل تھے۔ آج کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ اب چھپنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

بہت دیر انتظار کے بعد تین کاریں کولیری کی کچی سڑک کو پھدکتی، سیاہ دھول کے بادل بکھیرتی آتی نظر پڑیں۔ ایسا لگا جیسے تمام لوگوں میں ایک ساتھ بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ سب لوگ جھٹ پٹ کھڑے ہو گئے۔ بینر کھول لیا گیا۔ تختیاں جو زمین پر پڑی تھیں انہیں اٹھا لیا گیا اور نعروں کی آواز مسلسل سنائی دینے لگی۔

بی این ورما ـــــ زندہ باد

انقلاب ـــــ زندہ باد

روٹی دو ـــــ لنگوٹی دو

کمانے والا ـــــ کھائے گا

ہمارا نیتا ـــــ بی این ورما۔

آوازوں کے بگولوں کے درمیان گاڑی رکی۔ ورما صاحب اپنے دل بل کے ساتھ اترے۔ پھولوں کے گجرے جو جھریا سے منگوا کر پہلے سے رکھے ہوئے تھے۔ ورما صاحب کو پہنائے گئے۔

یہ چھ نمبر پٹ کی طرف سے۔

یہ براری اوپن کاسٹ کی طرف سے۔

یہ کوک پلانٹ کی طرف سے۔

یہ ....

ورما صاحب کا چہرہ پھولوں سے چھپنے لگا تو انھوں نے ایک گجرا نکال کر گھوشال بابو کو پہنا دیا۔ ایک دلیپ نارائن کو اور باقی کے تین گجرے اپنے ساتھ جو آئے جونیئر لیڈر ان کو پکڑا دیئے۔

گھوشال بابو اس عزّت افزائی سے نہال ہو گئے۔ بھرے مجمع میں گھوشال بابو کی وہ پذیرائی ہوئی کہ جس نے بھی دیکھا حیرت زدہ رہ گیا۔

ارے گھوشال بابو کو ورما صاحب نے سویم اپنے ہاتھ سے مالا پہنائی۔

ارے وہ بھی کوئی معمولی آدمی نہیں فریڈم فائٹر ہے۔ جیل جا چکا ہے۔

بھائی ہملوگوں کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ گھوشال بابو اتنے پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ ہم لوگ تو ان کو گھر کی مرغی دال برابر ہی جانتے تھے،

ارے گھوشال بابو سے تو اب دیکھنا منیجمنٹ بھی ڈرے گا۔

خود گھوشال بابو پسینے پسینے ہوئے جا رہے تھے۔ بلڈ پریشر بھی بڑھ گیا ہے۔ اچانک انھوں نے بے انتہا جوش میں بھر کر مکا فضا میں لہرایا اور اپنی پھٹی ہوئی آواز میں چنگھاڑے،

ہمارا نیتا.....

مجمع نے جی کھول کر آواز لگائی ــــــ بی این ورما۔ بی این ورما.....

اپنی مانگیں ــــــ لے کے رہیں گے، لے کے رہیں گے۔

اِنقلاب، زندہ باد۔ زندہ باد۔

فضا نعروں کی آوازوں سے معمور ہو گئی، کوارٹروں، اور دھوڑوں، اور جہاں تہاں جھونپڑوں سے ساری خلقت اُمنڈ پڑی۔

ورما صاحب کی تین کاروں کے پیچھے ایک جیپ بھی آئی تھی۔ اس میں پولس کے حکامِ اعلیٰ بیٹھے تھے۔ نعرے کی گرج اور مجمع کے خوش و خروش کو دیکھتے ہوئے تمام افسر جیپ سے اتر کر ایکدم مستعد ہو گئے اور پہلے سے موجود پولس کو الرٹ کر دیا۔

بینر ــــــ لال کپڑے پر سفید کاغذ چسپاں کر کے جو تحریر اُبھاری گئی تھی وہ تھی.....

آئی یو سی۔ نیچے یعنی دوسرے لائین میں لکھا تھا۔ بی این ورما اور بالکل نیچے کی آخری سطر میں دونوں طرف مرقوم تھا،

کوئلہ مزدور زندہ باد ــــــ کوئلہ مزدور زندہ باد۔

بینر حرکت میں آیا۔ تختیاں بلند ہو کر بینر کے پیچھے چلیں اسکے پیچھے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ قدم اٹھانے لگے۔ مگر سب سے آگے یعنی بینر سے بھی آگے ورما صاحب

اپنے دل بل کے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کے داہنے گھوشال بابو اور بائیں لالہ دیپ نارائن چل رہے تھے۔

ایک مزدور دوسرے کے کان میں پھُسپھُسایا۔

آئی ون صاحب شکر قند دیگا۔

کسی نے مذاق میں پوچھا۔ چھیل کر یا بغیر چھیلے ۔۔؟

مذاق مت کرو۔ ورما صاحب جان لڑا دے گا۔ اپنا بات منوا کے رہیگا۔

ارے انعام الخاں سے اتنا ڈرتا ہے مجسٹریٹ اسکا تو آج تک سُنا نہیں۔

ارے یار یہ سالا انعام الخان کبھی بولتا ہے مزدور کیلئے۔ جا کے پیٹ بھر داروی لیتا ہے لوکس صاحب کے پاس اور بھگت جی کے یہاں سے نوٹ کا بنڈل مل جاتا ہے، اور کیا چاہیئے اسکو۔

ارے بھائی سب نوٹ کا کھیل ہے۔ اِی سالا ورما کون دودھ کا دھویا ہے۔ خالی اپنا یونین بنانے کیلئے تگڑم پھیلا رہا ہے۔

آئی ون صاحب ہو یا ہائیٹ صاحب کوئی نہیں سُنے گا۔ انگریز بچہ ایسی پٹی پڑھا دیگا کہ سب برابر ہو جائے گا۔ آج تک مزدور کا پیسہ بڑھا ہے ۔۔؟ دادا راج سے وہی ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ۔ مانگ پتر دینے سے کیا ہوگا۔ کونو ورما صاحب کا جمینداری ہے۔ کی او کونو گورنر ہے۔

جلوس بدستور نعرے لگاتا قدم قدم بڑھتا جا رہا تھا۔ گھوشال بابو کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ بوڑھے آدمی تھے۔ دن بھر کرسی توڑتے تھے۔ ایسی تیکھی دھوپ کو جھیل پانا مشکل لگ رہا تھا۔ مگر اس تھکاوٹ کے باوجود جوش میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی تھی۔

اس علاقے میں جہاں انعام الخاں کا زور تھا پولس کی ایک بڑی ٹکڑی لگا دی گئی تھی، اسلئے جلوس مزے میں خراماں خراماں بڑھتا گیا۔ اور لوگوں کا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا کہ کسی جگہ بھی پتھراؤ ہو سکتا ہے یا پٹھان دنگل کے لوگ حملہ کر سکتے ہیں۔

جلوس جب آفس پہونچا تو آفس میں ایکدم سناٹا تھا۔ آفس اسٹاف کو ہدایت تھی کہ کوئی آدمی باہر نہ نکلے۔ اور بدستور اپنا کام کرتا رہے۔ جلوس آفس کے سامنے رک گیا۔

نعروں کی آواز گونجتی رہی۔

اِنقلاب ـــ زندہ باد۔

ہماری مانگیں ـــ پوری ہوں۔

کافی دیر بعد ایک آدمی آفس سے باہر آیا اور ورما صاحب سے بولا۔

سر آپ میں سے پانچ آدمی سی ایم ای کے آفس میں جائیں اور مانگ پتر پیش کریں۔

ورما صاحب نے فوراً پانچ آدمیوں کو منتخب کیا۔ ان میں گھوسال بابو اور لالہ دیپ نارائن بھی شامل تھے، ایک شانِ بےنیازی سے پانچوں سی ایم ای آفس میں داخل ہوئے۔

آفس میں نئے سی ایم ای آئی ون صاحب کے علاوہ لوکس صاحب، جعفری صاحب، مینجر منگل سنگھ اور بھگت جی پہلے سے منتظر بیٹھے تھے، آئی ون صاحب نے کرسی چھوڑ کر ورما صاحب کا استقبال کیا اور تمام لوگوں کو بیٹھنے کی پیش کش کی،

سب لوگ آرام سے بیٹھ گئے۔

گھوشال بابو کی پندرہ سالہ نوکری میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سی ایم ای اوفس میں بیٹھے ہوں۔ سال میں دو چار بار اس آفس میں داخل ہونے کا شرف ضرور حاصل ہوتا تھا مگر بیٹھنے کا نہیں۔ جو کام ہوتا بس کھڑے کھڑے ٹانگ کانپ رہی ہوتی۔ دل دھک دھک کر رہا ہوتا۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ جاتے۔ جلدی سے فارغ ہو کر بھاگ نکلتا، مگر آج خود سی ایم ای صاحب نے کرسی پیش کی، سو وہ اتنے خوش تھے۔ اتنے مغرور تھے اور کرسی میں اسطرح اکڑ کر بیٹھے تھے، جیسے موہنا کولیری کے سی ایم ای وہ خود ہوں اور سامنے بیٹھا ہوا گوری چمڑی والا اسکے کیش ڈپارٹمنٹ کا ادنیٰ کلرک ڈیم فول کام نہیں ہوتا تو چھٹی کا ہے نہیں لے لیتا۔

ورما صاحب نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنا مانگ پتر اس بند کمرے میں نہیں دینگے، انکو باہر برآمدے میں آنا ہوگا تاکہ جو بھی بات ہو وہ مزدوروں کے سامنے ہو۔

آئی ون صاحب وفد کی بات مان گئے۔ سب لوگ باہر آئے تب ورما صاحب نے اپنا مانگ پتر ان کے حوالے کیا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر ایک مہینہ کے اندر منیجمنٹ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو مزدور ہڑتال کریں گے۔ اور یہ ہڑتال تب تک نہیں ٹوٹے گی جب تک مزدوروں کے مطالبات منظور نہیں ہو جاتے۔

مزدور عش عش کر اٹھے۔ غضب کا ہمت والا ہے۔ ورما صاحب ایکدم صاف صاف کہہ دیا کہ پیسہ نہیں بڑھا تو ہڑتال ہو جائے گا۔

ایسے ڈٹ کر تو کبھی انعام الخان بھی نہیں بولا تھا۔

آئی ون صاحب نے ورما صاحب سے اور سامنے کھڑے مزدوروں سے کھلے الفاظ میں وعدہ کیا کہ وہ ان مانگوں کو ہیڈ آفس بھیج دیں گے۔ تمام لوگوں کو اُمید رکھنی چاہیئے کہ اس بات کا کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور ہو گا۔

آئی ون صاحب کے اسی وعدے پر میٹنگ ختم ہو گئی تماشائی دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹ کر بکھر گئے۔ تماشہ ختم ہو گیا۔ ورما صاحب اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ آفس کے سامنے کا میدان جو تھوڑی دیر پہلے آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک دم خالی ہو گیا۔

انعام الخاں کے ایک ورکر نے شام کو گھوشال بابو سے پوچھا۔

کیا لیڈر صاحب مل گیا شکر قند۔؟

گھوشال بابو آپے سے باہر ہو گیا۔ کیا بولا۔؟

بولا کہ باپ لوگ تو گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا اب کیا ہو گا۔؟

اب کیا ہو گا جو ہونے کو تھا ہو گیا۔

ابھی کہاں ہوا بیٹا ابھی تو بانس ہو گا۔

بانس تو بیٹا تم لوگ کو ہو گا۔ بنا چھیلا بانس۔

کیا بولا رے سالا بنگالی۔ پوچا ماچھ، بانس تو ہم لوگ کریں گے ایک ایک کو۔

بات بڑھ گئی۔ گھوشال بابو نے جوش میں آ کر فریق کو دھکّہ دیا۔ وہ گر پڑا، پھر کیا تھا۔ انعام الخاں کے سپورٹر دوڑ پڑے۔ اِدھر آئی این ٹی یو سی کے ورکر بھی جمع ہو گئے دونوں طرف سے کچھ پتھر بھی چلے۔ چائے پان کی دکانیں دھڑا دھڑ بند ہو گئیں۔

اس واقعے کی رپورٹ تھانے میں کی گئی اور تو کچھ نہیں ہوا۔ دونوں پارٹی کے لوگوں پر دفعہ ۱۰۷ کا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔

تنخواہ ملنے سے صرف ایک دن پہلے، کولیری اوفس کے نوٹس بورڈ پر ایک نیا نوٹس آویزاں کیا گیا۔ جسمیں درج تھا کہ تمام مزدوروں اور لور گریڈ اسٹاف کی تنخواہوں میں بیس فیصد کا اضافہ کر دیا گیا ہے، یہ نوٹس کیا تھا بم کا دھماکہ تھا۔ آدھا گھنٹہ کے اندر اندر آفس کے برآمدے میں ہزاروں مزدوروں کی بھیڑ لگ گئی۔ گھوشال بابو اور دو ایک دوسرے کانگریسی نوٹس پڑھ پڑھ کر مزدوروں کو سمجھا رہے تھے۔ اور مزدوروں کی بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ جس نے بھی سُنا حیرت کا اظہار کیا۔

ایں ہو دس برس میں انعام الحق کچھ نہیں کر سکا اور دس دن میں پی این ورمانے مینجمنٹ کو اپنے پیروں پر جھکا دیا۔

ارے یار بڑا دھاکڑ لیڈر ہے۔

کمپنی بھی سمجھ گئی تھی کہ اگر ورما کی بات نہیں مانی گئی تو ہڑتال ضرور ہو جائے گی۔

ارے وہ کھانے والا آدمی نہیں ہے خاں صاحب کی طرح۔

بیسوں کولیریوں میں اس کی یونین یونہی تو نہیں چل رہی۔

اِدھر کانگریس کے سپورٹر بغلیں بجا رہے تھے۔ ادھر شوشلسٹ یونین کے خیمے میں بھونچال آگیا تھا۔ یہ کمپنی کی کھلی ہوئی غداری تھی۔ وہ کمپنی کی لے لحم ملد یونین تھی، اس کو پیں پُشت ڈال کر کولیری مزدور سنگھ والوں کے ایک میمورنڈم پر تنخواہ بڑھا دینے کا مطلب صاف ظاہر تھا۔ یہ کھلا ہوا شوائش گھات تھا۔ انعام الحق جانتا ہے کہ یہ انتقامی کارروائی ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اسکی پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا ہے۔ وہ غصہ سے تلملا رہا ہے۔ دہک رہا ہے، مگر کر نیکو کچھ نہیں ہے۔ اس نے وہائٹ صاحب سے، آئی وی صاحب سے، سب سے رابطہ قائم کیا تھا مگر ہر جگہ سے وہی ریڈی میڈ جواب ملا تھا کہ یہ فیصلہ ہیڈ آفس نے کیا ہے۔

بو کھلاہٹ میں چاہا کہ مزدوروں کو تنخواہ لینے سے رکوا دیا جائے تا آنکہ اضافہ چالیس فیصد نہ ہو جائے۔ مگر یہ حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ دوسرے دن تمام مزدوروں نے ہنسی خوشی تنخواہیں اٹھا لیں۔

جھنجھریا نے آج خوب پی لی ہے۔ مُفت ملی تھی، کانگریسیا لوگوں نے آج دارو بانٹی ہے، پیو پیو اور پیو، جتنا چاہو پیو۔ کوئی روک نہیں ہے، بیلدار، بھوئیاں، باوری سب پی کر مست

ہیں۔ عورتوں نے بھی چڑھا لی ہے۔ ادر تو اور گھوشال بابو بھی پی کر بورا گئے ہیں۔ بھری سڑک میں بھگوان داس کو پکڑ کر ناچنے لگے۔ لوگوں کی بھیڑ لگ گئی، تماشہ ہو گیا بنا پیسہ کا،

اِدھر باوری پاڑہ میں ناچ چل رہا ہے۔ بلیدار لوگوں نے مُردنگ نکال لی ہے، خوب دھما دھم ہو رہی ہے، اِدھر انعام الخاں اور اسکے ساتھیوں کے کلیجے پر آرا چل رہا ہے، گانے کی آواز، خوشیوں کے نعرے اور بے ساختہ لگائے گئے قہقہے انہیں چُبھ رہے ہیں، وہ پیچ و تاب کھا رہے ہیں، کھول رہے ہیں۔ کچھ کرنا چاہیئے، اگر ابھی نہ کیا گیا تو پھر کبھی کیا جا سکے گا، سر جوڑ کر باتیں ہو رہی ہیں، سرگوشیوں میں مشورہ چل رہا ہے، طاقت کا مظاہرہ ضروری ہو گیا ہے۔ کمپنی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں شوشلسٹ یونین ہے۔ ابھی زندہ ہے، مری نہیں ہے۔ اور جبتک وہ زندہ ہے........

پہلا ٹکراؤ مدصوبن بازار ہی میں ہوا۔ شوشلسٹوں نے کولیری مزدور سنگھ کے ایک ورکر کو پکڑ کر پیٹ ڈالا۔ وہ آدمی شراب کے نشے میں دُھت شوشلسٹوں کو گالی بک رہا تھا، یہ جواز کافی تھا۔ اس کو پیٹنے کو، چند کانگریسیوں نے اس آدمی کی حمایت کرنی چاہی تو انہیں بھی خوب پیٹا گیا۔ لاٹھی چل گئی۔ ایک آدمی کا سر پھٹ گیا۔ ایک کے ہاتھ کی تین انگلیاں ٹوٹ گئیں، تمام شور مچ گیا، تمام سنسنی پھیل گئی۔ آخر وہی ہوا جسکا ڈر تھا۔ دونوں یونین کے لوگ دو خیموں میں بٹ گئے، دونوں پارٹیوں کے حمایتی دوسری آس پاس کی کولیریوں سے جمع ہو گئے، دونوں طرف سے جماؤ ہوا، دونوں طرف سے صف آرائی ہو گئی۔ انعام الخاں خود کھڑے ہو کر للکار رہے تھے۔ ادھر ابھی ابھی ایک ٹرک آدمی لیکر پی این ورما بھی آ گئے تھے، پہلے دونوں طرف سے پتھراؤ ہوا، سیاہ پتھر کے ٹکڑے کوؤں کے جُھنڈ کی طرح اڑنے لگے۔ تماشہ دیکھنے کیلئے دُور دُور میں کھڑے لوگ بھاگ نکلے، موہنا کولیری کی بیشتر آبادی اپنے گھروں میں بند ہو گئی، باہر شور ہوتا رہا۔ گالی گلوچ، پتھر بازی، للکارنے کی آوازیں، سب سُنائی دیتی ہیں، ہواؤں کے دوش پر سوار، افواہیں بند مکانوں میں گونجنے لگیں،

پٹھان دنگل کا دو آدمی گر گیا ہے۔

پانچ آدمی کولیری مزدور سنگھ کے گرے ہیں۔

گھوشال بابو کے سامنے کا دو دانت پتھر لگنے سے ٹوٹ گیا ہے،

ورما صاحب کا پانچ ٹرک آدمی آرہا ہے ہتھیار کے ساتھ۔

آج بہت لاش گرے گی۔

آج انرتھ ہو جائے گا۔

ورما صاحب کے پانچ ٹرک آدمی نہیں آئے۔ البتہ پولس آگئی، پولس نے بندوقیں دکھا کر اور ہوائی فائر کر کے دونوں پارٹیوں کو منتشر کیا۔ دونوں طرف سے آٹھ آٹھ دس دس آدمی گرفتار کئے گئے باقی سب بھاگ نکلے۔

افواہیں بہت غلط نہیں تھیں۔ پتھروں سے اور پھر لاٹھیوں سے بہت سے لوگوں کو چوٹ لگی تھی۔ گھوشال بابو کے واقعی دو دانت ٹوٹ گئے تھے، ٹوٹے دانت سے بہتے خون کو انھوں نے اپنے سفید کھدر کے کرتے میں اس طرح لیا تھا کہ دیکھنے سے ایسا لگتا تھا کہ سب سے بیشی چوٹ انہیں کو لگی ہے۔ پولس نے انھیں فوراً علاج کیلئے سرکاری اسپتال بھجوایا۔

بہت تناؤ ہے۔ ابھی بھی دونوں طرف سے کافی تیاری ہے گو عارضی طور پر پولس نے حالات پر قابو پالیا ہے۔ مگر اندیشہ ہے کہ کبھی بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

منیجمنٹ ایک دم مطمئن ہے۔ یہ دو پارٹیوں کا جھگڑا ہے اس جھگڑے سے انہیں کیا لینا ان کو تو ایک حد تک پہلے سے بھی اندازہ تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ خاص طور پر پولس بہت اطمینان سے ہے۔ اس نے کئی بار پولس کو فون کر کے امن بحال کرنے کیلئے کہا تھا۔ یہ اس کا فرض تھا۔ گھوشال بابو ٹھیک کہتے ہیں یہ انگریز لوگ اپنے کام میں کہیں جھول نہیں چھوڑتے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ہوتی جہاں آدمی انگلی رکھ کر بتلا سکے یہاں ان کی غلطی ہے۔

رات، آج موہنا کو یری میں سرِشام آگئی ہے۔ دکانیں سب بند ہیں، شراب والوں نے بھی آج دیا نہیں جلایا ہے۔ جوئے کے اڈے ویران ہیں، ڈھول تاشہ، گانا ناچنا سب موقوف، تمام اُلّو بول رہا ہے۔ بھائی زمانہ خراب ہے۔ اچھا ہے، آدمی چپ چاپ اپنے گھر میں پڑا رہے۔ نہ باہر نکلیں گے نہ کسی آفت میں پھنسیں گے۔

سکھدیو دیر رات تک جاگتا رہا، شام کو اس کی ملاقات جوناتھن سے ہوئی تھی، اس نے بتلایا تھا دونوں طرف سے کافی تیاری ہے۔ ممکن ہے کل، یا دو ایک دن بعد پھر ٹکراؤ ہو جائے، اب کی جو ٹکر ہو گی اس میں امید ہے بہت زیادہ خون خرابہ ہو گا۔

رات گئے تک وہ یہی سوچتا رہا کہ یہ کس کی لڑائی ہے۔؟ یونین کی۔ مزدور کی، یا پھر مینجمنٹ کی، اس لڑائی سے کس کو کیا ملیگا۔ یہ محض اقتدار کی لڑائی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے بھی بس وہی ایک چیز ہے — پیسہ ......

مزدور کا چندہ۔

کمپنی کی رشوت۔

ٹھیکے داروں کے عطیات ......

بہت رات تک، ذہن کے سنسان ویرانے میں بھٹکنے کے بعد بالآخر وہ سو گیا۔

مگر صبح صبح اسکو جو خبر سننے کو ملی وہ اسکے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ گھبرا کر یکبارگی بستر سے باہر آگیا، نہیں نہیں ... ایسا نہیں ہو سکتا۔

ارے یار لاش پڑی ہے۔ اِدھر پچھم کی جھاڑیوں میں، بارود گھر کے پیچھے۔

تم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا —؟

ہاں بھائی۔ میں آنکھ سے دیکھکر آرہا ہوں۔ وہاں تو بھیڑ لگی ہے۔ سیکڑوں لوگ موجود ہیں،

مگر رات کو یہ ہوا کب — کوئی ہلہ گلہ تو ہوا نہیں۔

یہ تو کسی کو معلوم نہیں۔ صبح صبح رفع حاجت کیلئے رجو کی گھروالی گئی تو اس نے دیکھا۔ لوٹا وہیں پھینک کر چلاتی ہوتی بھاگی۔

تم نے دیکھا وہ لالہ ہی تھا —؟

ہاں بھائی! میں لالہ دیپ نارائین کو نہیں پہچانتا —؟

اچھا چلو دیکھتے ہیں۔

وہاں بھیڑ کم ہو گئی تھی۔ پولس نے دونوں لاشوں کو قبضے میں کر لیا تھا۔ ایس، پی صاحب کو دھنباد خبر چلی گئی تھی۔ پی این ورما آندھی طوفان کی طرح اپنی گاڑی اڑاتے چلے آئے تھے۔ اور پولس والوں کو بری طرح جھاڑ رہے تھے۔ اسکا سفید گورا چہرہ لال ہوا اٹھا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں پر بھی بہت غصہ تھا۔

تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ ہاتھ میں چوڑی ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔؟ تمہارے سامنے ان لوگوں نے دو دو آدمیوں کی جان لے لی، اور تم لوگوں کو معلوم بھی نہیں پڑا —؟ میں

ان لوگوں کو بتا دونگا کہ انھوں نے کس کے گھر نیوتا دیا ہے۔

ایس پی آیا تو اس پر تو ایسے برسا کہ لگا کہ مار ہی بیٹھے گا۔

پولس کے ناک کے نیچے دو دو خون ہو گئے۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے۔ آخر یہ پولس کے جوان جو یہاں تعینات تھے۔ وہ کیا کر رہے تھے۔ کیا بھانگ پی کر سو رہے تھے؟ ہم کل ہی فیصلہ کر لیتے اگر آپ نے روک نہ دیا ہوتا۔ اب بولئے ہم کس پر بھروسہ کریں۔ ؟ ان نکمے گھوس خور پولس کرمیوں پر ۔۔۔۔۔۔۔

ایس پی صاحب نے بڑی مشکل سے ان کو ٹھنڈا کیا۔ ساتھ ہی وعدہ بھی کیا کہ وہ ہتیاروں کو ضرور پکڑیں گے۔ اور ایسے لوگوں سے بھی نپٹینگے جن کی حمایت میں یا جن کی شہ پر یہ اتنا بڑا کانڈ ہوا ہے۔

لاش کا پنچنامہ بنا کر پوسٹ مارٹم کیلئے بھیجدیا گیا۔ اور گرفتاری شروع ہو گئی۔ پی این ورما نے خود ایسے پچاسوں نام دیئے تھے، جن پر ان کو شک تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شوشلسٹ پارٹی کے بیشتر اہم آدمی گرفتار کر لئے گئے جن میں انعام الخان بھی تھا بہت سے لوگ بھاگ نکلے پٹھان دنگل سب کا سب روپوش ہو گیا صرف اصغر خاں اور قاسم خاں پکڑے گئے۔

تب موہنا کولیری شوشلسٹوں سے پاک ہو گئی۔ جسطرح پرانے زمانے میں فاتح لوگ ہار کر منتشر ہونے والی غنیم فوجوں کے جوانوں کو رفتہ رفتہ اپنی فوج میں شامل کر لیتے تھے۔ ویسے ہی پی این ورما نے ان تمام لوگوں کو سمیٹ لیا جو شوشلسٹ یونین کے خاتمے سے بے سہارا ہو گئے تھے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اصغر خاں اور قاسم خاں کی ضمانت خود پی این ورما نے کروائی۔ اور اسی نے ان دونوں کو عدالت سے بری بھی کروالیا۔ کولیری مزدور سنگھ کی یونین بن گئی۔ دو کمروں کے ایک کوارٹر میں اسکا آفس قائم ہو گیا اور خود کمپنی نے اسکو تسلیم کر لیا۔

اِس طرح شوشلسٹ یونین کا وہ کانٹا نکل گیا، جو بہت دنوں سے کمپنی کو چبھ رہا تھا۔

ایک دن مجمدار نے اس سے پوچھا تھا۔

میرے ساتھ ایک جگہ چلوگے ۔؟

کہاں ۔؟

سوناپور ۔ جہاں میں پہلے رہتا تھا۔

کیا کام پڑ گیا تم کو وہاں ۔؟ میں تو ادھر کا منہ کر کے تھوکتا بھی نہیں۔

سر ساکو پیری نہیں جانا ہے۔ بس اوپر اوپر چلے چلتے ہیں۔

آخر کام کیا ہے ۔؟

بس ایک آدمی سے ملنا ہے۔ تمہیں بھی ملا دوں گا۔

کوئی خاص آدمی ۔؟

میرے لئے تو بہت خاص ہے۔

وہ تیار ہو گیا تھا۔ دوسرے دن اتوار کی چھٹی تھی چنانچہ دونوں سوناپور جا پہنچے، اسی گھر کے اسی کمرے میں، جس میں پہلے کبھی مجمدار رہتا تھا۔ گھر میں اور کوئی نہیں تھا بس ایک عورت تھی۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ننگے پاؤں ننگے ہاتھ۔ بڑا سا گھونگھٹ نکالے۔ اس کو سمجھتے دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی بیوہ عورت ہے۔

عورت نے مجمدار کے پاؤں چھوئے۔ مجمدار بولا۔

اِس بار یونین کے چکر میں کافی دیر ہو گئی۔ ہمارے یہاں خوب مارا ماری چل رہی تھی

عورت دھیمے سے بولی ۔ ہاں میں نے سُنا تھا۔ آپکی طرف سے بہت چنتا تھی۔ کیونکہ آپ بھی تو ایسے چکر میں رہتے ہیں۔

مجمدار ہنسا۔ میرا چکر دوسرا ہے۔ میں اگر کبھی لڑا بھی تو پیسے یا اقتدار کیلئے نہیں لڑونگا۔ بس صرف مزدوروں کیلئے لڑونگا"!

سہدیو بولا۔

اب ذرا ہانکو مت"!

مجمدار ہنس دیا مگر اس کو کچھ کہنے کی بجائے عورت سے پوچھا۔

تم کو تکلیف تو بہت ہوئی ہوگی ۔؟

نہیں تکلیف تو نہیں ہوئی۔ دھرم پال پیسے کیلئے بول ضرور رہا تھا۔ پر اُس نے سودا بند نہیں کیا۔

بھلا سودا بند کر دیگا۔؟ رہنا ہے اسکو سونا پور میں کہ نہیں۔؟

سُہدیو نے چٹکی لی —— ہاں بھائی موہنا کولیری والوں سے تو اب لوگ ڈرنے بھی لگے ہیں

مجمدار بولا۔ بہت بولنے لگے ہو آجکل . . . .

مجمدار نے اسکی طرف سے توجہ ہٹائی اور جیب سے پچاس روپے نکال کمرہ عورت کی طرف بڑھا دیئے

میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں میری بہن بھوک نہ مر رہی ہو۔

عورت نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ خود ہی بولا۔

اور دیکھو آج کھانا ہم لوگ یہیں کھائیں گے۔ کوئی حرج تو نہیں ہے۔؟

عورت دھیرے سے بولی۔ ہرج کیا ہوگا؟

وہ ابتک گھونگھٹ کاڑھے ہوئے تھی۔ بولنے کا لہجہ بھی بہت دھیما تھا مجمدار سمجھ گیا کہ وہ سُہدیو کی وجہ سے شرما رہی ہے چنانچہ اس نے کہا۔

یہ میرا ساتھی سُہدیو ہے۔ ہیرا آدمی ہے۔ ہم دونوں ایک ساتھ اسی سرسا کولیری میں کام کرتے تھے اور اب بھی اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ موہنا کولیری میں بھی میرے ساتھ ہے۔ فرق صرف یہ ہوا کہ یہاں تھا تو کمیونسٹ تھا۔ وہاں گیا تو کانگریسیا ہو گیا ہے۔ اب تو موہنا کولیری میں اسی کی یونین بن گئی ہے۔ مطلب یہ کہ سیاں کوتوال ہو گئے۔

آخری جملہ پر سُہدیو مُسکرا کے رہ گیا۔ اور کوئی جگہ ہوتی تو وہ کچھ کہتا بھی مگر یہاں . . . . .

اگر کمرہ ایک ہی ہو، وہی باورچی خانہ بھی ہو اور کھانے کا کمرہ بھی اور آرام کرنے کا بھی تو پردا زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ کھانا بناتے، برتن مانجھتے جلد ہی اس عورت کا گھونگھٹ بکھرنے لگا۔ گو پوری طرح سے اس نے گھونگھٹ ہٹایا نہیں مگر پھر بھی بہت کچھ دکھلائی دے گیا۔ تب دیکھا سُہدیو نے ایک سانولی سلونی لڑکی کو، بڑی بڑی ہرن جیسی سیاہ گہری آنکھیں، بے تحاشہ لانبے گھنے اور اُلجھے ہوئے بال تیکھے نین نقش اور بے حد دلاویز جسمانی ساخت۔ کھانا کھلاتے وقت وہ کبھی کبھی آنکھیں ٹیڑھی کر کے اس کو بھر نظر دیکھ لیتی تھی۔ اسکی آنکھوں میں کچھ نہیں تھا۔ کوئی جذبہ نہیں، کوئی للک نہیں، کوئی لگاوٹ نہیں، بس ایک حزن تھا۔

اور ایک لاتعلقی یہ لاتعلقی سہدیو کو اچھی لگی۔

مجمدار نے بعد میں بتایا تھا کہ جب وہ یہاں تھا تب وہ نئی نئی بیاہ کر آئی تھی قسمت کی ایسی ہیٹی تھی کہ ابھی سال بھر بھی نہ ہوا تھا کہ بیوہ ہو گئی۔ کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ کوئی اتا پتہ نہ تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں اکیلی لڑکی کہاں جائے؟ وہ اندھیرا راستہ کھلا پڑا تھا جو اس کو پتہ نہیں کہاں پہنچا دیتا، وہ چل بھی پڑتی اس راستے پر مگر تب مجمدار نے اسکا ہاتھ تھام لیا۔

تب سے مجمدار اس کو پچاس روپیہ مہینہ خرچ کیلئے دیتا ہے۔ گھر میں ایک سلائی مشین ہے، بیس تیس روپیہ مہینہ اس سے بھی کما لیتی ہے۔ دن کسی طرح کٹ جاتے ہیں، اکیلی جان کا کیا ہے، کھایا کھایا نہیں کھایا۔ کون رونے والا بیٹھا ہے۔ مجمدار اسکے اکیلے پن کے درد کو جانتا ہے شاید اسی لئے اپنی اس بہن کیلئے کوئی لڑکا، کوئی آدمی ڈھونڈ رہا ہے، مگر بیوہ عورت سے شادی کرنے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ کون تیار ہو گا۔

اس واقعے کے کوئی تین مہینہ بعد مجمدار کو ملیریا ہو گیا۔ اپنی تنخواہ تو لے آیا تھا اب پریشانی یہ تھی کہ سونا پور پیسے بھیجے کیسے جائیں۔ سوائے سہدیو کے کسی نے اسکا گھر بھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ مجمدار نے اس کو کسی طرح تیار کر لیا کہ وہ سونا پور پیسے پہنچا دے۔

رتی بالا نے اس کے پاؤں نہیں چھوئے کواڑ کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے مجمدار کے نہ آنے کی وجہ پوچھی اور جب اسکو معلوم ہوا کہ مجمدار کو ملیریا ہو گیا ہے تو وہ ایکدم سے بے چین ہو گئی۔

کب سے بیمار ہیں وہ، ؟ کون دیکھ بھال کرتا ہو گا۔ کوئی تو نہیں ہے اُن کا۔ ڈاکٹر کو دکھلایا کہ نہیں، دوا کھا رہے ہیں کہ نہیں۔ بہت سارے سوال پوچھ ڈالے اس نے، سہدیو کیلئے اس طرح کھڑے کھڑے سارے سوالوں کا جواب دینا مشکل ہو گیا شاید وہ بھی اس صورت حال کو سمجھ گئی، دروازے سے ذرا ہٹ کر بولی،

آیئے نا — اندر نہیں آئے گا -؟

اندر آنے کا راستہ ملیگا تب نا -؟

سہدیو کے جملے پر چونک کر اس نے اسکی طرف دیکھا، عورتیں الفاظ کا وہ مطلب بھی بہت جلدی نکال لیتی ہیں۔ جو بہت اندر کہیں چھپا ہوتا ہے۔ حالانکہ سہدیو نے اس مطلب سے یہ بات نہیں کہی تھی۔

اس بار گھونگھٹ چھوٹا تھا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں کا حزن بھی مدھم تھا۔ اس زمین کی طرح جس پر کچھ ہی دن پہلے تھوڑی سی بارش ہو گئی ہو۔ اور گو نمی نہ ہو مگر دھول گرد سب بیٹھ گئی ہو اور ایک صاف ستھرا احساس جاگتا محسوس ہو حالانکہ وہ اب سیدھی آنکھوں سے اسکی طرف نہیں دیکھ رہی تھی بس کبھی کبھی آنکھوں کے گوشے سے نظر ڈال لیتی۔

دادا آپکی اتنی تعریف کیا کرتے ہیں، اتنا بکھان کرتے ہیں کہ مجھے تو آسچرج ہوتا ہے، کیونکہ وہ ایسے آدمی نہیں ہیں۔ جو جلدی کسی سے متاثر ہو جائیں،

یہ سچ ہے کہ میں اتنا اچھا آدمی نہیں ہوں جتنا وہ سمجھتے ہیں۔ شاید کافی دنوں سے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ایسا ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود اتنے بھلے ہیں کہ ان کو سب ہی آدمی اچھا لگتا ہو۔!

وہ ہنسی تو نہیں، مسکرائی بھی نہیں۔ مگر ایک روشنی سی ضرور اسکے چہرے پر آئی، جیسے اندر کوئی چراغ جل اٹھا ہو اور اسکی مدھم روشنی کا یہ ایک انعکاس بھر ہو۔

تب تو آپ ان کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ کبھی کولیری لیڈروں، مالکوں، یا سودخوروں کی بات چھیڑ دیئے تو وہ ایکدم چھوٹے لوگوں کی طرح گالی گلوج پر اتر آتے ہیں۔ میں نے کتنی بار منع کیا ہے، مگر ان کو غصہ آجائے تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے"۔!

وہ جس سدھانت کے آدمی ہیں۔ اسکے بالکل الٹ ہے یہاں سب کچھ۔ اسی لئے وہ جھلائے رہتے ہیں۔ اب اسی کو دیکھو تین دن سے بخار لگ رہا ہے۔ جاتے ہیں کولیری ڈاکٹر مکھرجی سے گولی لیکر کھا لیتے ہیں۔ مکھرجی کے بارے میں ایک لطیفہ مشہور ہے موہنا کولیری میں کہ جسکو پرلوک کا ٹکٹ لینا ہو وہ جائے مکھرجی کے پاس۔

اس نے ایکدم سے گفتگو کو پلٹ کر پوچھا۔

کب سے بخار لگ رہا ہے ان کو۔؟

آج چار دن ہو گیا ہے۔

وہ چپ ہو گئی۔ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی،

وہ نہیں آتے تو میں ڈر جاتی ہوں۔ کیونکہ کوئی بڑی بات ہو جائے جب ہی وہ نہیں آتے۔ ورنہ معمولی رکاوٹیں انہیں نہیں روک سکتیں،

میں پہلے بھی یہاں اکثر آتا رہتا تھا۔ جب مجمدار یہاں رہتا تھا۔ اسی کمرے میں، لیکن میں نے پہلے کبھی آپ کو نہیں دیکھا تھا۔

تب میں دوسرے گھر میں رہتی تھی۔ پھر جب میں بے سہارا ہو گئی اور مجمدار دادا کی بھی نوکری چھوٹ گئی تو انھوں نے یہ کمرہ مجھے دیدیا۔ اس کا کرایہ بھی کم ہے اور مالک مکان اچھے لوگ ہیں، ایک نظر مجھے بھی دیکھتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو اکیلی عورت کیلئے تمام بڑی مشکلات ہیں۔

ایک اکیلی عورت کا سارا سونا پن کمرے میں بکھرا پڑا ہے، سارا سامان سلیقے سے رکھا ہوا ہے۔ کہیں کوئی بے ترتیبی نہیں، کہیں کوئی بکھراؤ نہیں۔ جیسے ان کو چھیڑنے والا، بکھیرنے والا کوئی نہ ہو۔

ہاں مشکلات تو ہیں، لیکن آپ باہر نکل کر کوئی کام کرتیں تو اچھا ہوتا، اس علاقے میں کام کی کوئی ایسی کمی نہیں ہے۔ اور کچھ نہیں تو کسی کولیری میں نوکری تو مل ہی جاتی"!

میں نے شروع شروع میں یہی سوچا بھی تھا۔ اور باہر نکل بھی پڑتی، کیونکہ زندہ رہنے کیلئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ضروری تھا۔ مگر دادا نے روکدیا۔ بولے تم میری چھوٹی سی بھولی بھالی بہن ہو، اور یہ ایک ہولناک جنگل ہے۔ یہاں ہزاروں بھیڑیئے، ہزاروں درندے آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ تم کیا کرو گی۔؟ اچھا ہے اپنے آپ کو بچا کے رکھو، میں جب تک زندہ ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دونگا۔

سہدیو ہنس دیا ــــ اتنے بڑے کمیونسٹ ہیں، مجمدار صاحب مارکس اور اینجل سے نیچے بات نہیں کرتے، حیرت ہے، ان کو صرف اپنی بہن دکھائی دی، یہ جو ہزاروں عورتیں مختلف کولیریوں میں کوئلہ لوڈ کرتی ہیں۔ کوئلہ چرا کر بیچتی ہیں۔ اور دوسرے بیسیوں طرح کے کام کرتی ہیں۔ وہ بھی تو اسی جنگل میں رہتی ہیں۔ انہیں بھیڑیوں اور درندوں کے بیچ۔ ان کا خیال نہیں آیا ان کو ــــ؟

وہ کچھ بولی نہیں۔ اسکو شاید برا لگا۔ شاید وہ اپنے منہ بولے بھائی، اپنے دادا کیخلاف

کچھ بھی سُننا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ ناراضگی یا ناپسندیدگی اس کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوئی۔ سہدیو نے اسکو پیسے دیئے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھا میں چلتا ہوں"!

کیوں۔؟ کھانا نہیں کھائیگا۔

وہ ہنس کر بولا ــــ ہر بار کھانا ضروری تو نہیں ہے۔

ایکدم ضروری ہے۔ اگر دادا ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ اب تو انہیں شکایت ہو جائیگی کہ میں نے تمہیں پوچھا نہیں"!

ارے پوچھ تو تم رہی ہو۔ انکار تو میں کر رہا ہوں"!

کیا واقعی آپ انکار کر رہے ہیں۔؟ اس نے یہ سوال کر کے سہدیو کی طرف دیکھا تو اسکو جواب دینا مشکل ہو گیا۔ آخر وہ خود ہی بولی۔ اور ایسے بولی جیسے حکم دے رہی ہو۔

کھانا بنا ہوا ہے کھا کر جائیے گا۔

کھانا کھاتے ہوئے سہدیو نے بڑی نرمی سے اس سے پوچھا۔

اچھا ایک بات بتاؤ۔ پتہ نہیں یہ بات مجھے پوچھنی چاہیئے یا نہیں، مجمدار آپ کے لئے کوئی لڑکا دیکھ رہا ہے۔

وہ چُپ رہ گئی سہدیو نے دوسرا سوال کیا۔

کیا آپ کے یہاں بیوہ کی شادی ہوتی ہے۔؟

نہیں ہمارے یہاں بیوہ کی شادی نہیں ہوتی۔ میں براہمن ہوں، دادا نے آپکو بتایا ہوگا۔ مگر دادا کمیونسٹ آدمی ہیں دھرم ورم کو نہیں مانتے اس لئے چاہتے ہیں کہ مجھے کوئی سہارا ملجائے۔

اور آپ۔؟ آپ کیا سوچتی ہیں۔؟؟

جواب جلد نہیں دیا پرتی بالا نے بلکہ کوشش کی کہ اس کا جواب دے ہی نہیں، پر سہدیو کے کئی بار پوچھنے پر اس نے کہا۔

میرے لئے دھرم بہت بڑی چیز ہے۔ مگر اس سے بھی بڑی چیز میرے دادا ہیں، اگر وہ کہدیں کہ تم کنوئیں میں کود جاؤ تو میں ایک پل کیلئے بھی نہیں سوچونگی۔

سہدیو چپ چاپ اس کو دیکھتا رہا۔ چھوٹے سے گھونگھٹ سے اسکا نصف چہرہ دکھ رہا تھا۔ ستواں ناک جسکے چھید میں ایک تنکا لگا تھا۔ اور ایک آنکھ جس پر پلکوں کی لمبی قطار جھکی ہوئی تھی۔ اور ہونٹوں کا گوشہ کسی قدر خشک، کسی قدر روکھا، — کسی قدر پیاسا۔

سہدیو کو بہت دن نہیں لگا فیصلہ لینے میں۔ اس نے جب یہ بات مجمدار کو بتائی تو پہلے تو وہ چونکا پھر ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

کیا تمہارے پریوار راضی ہو جائینگے۔؟

کیا ان کا راضی ہونا ضروری ہے —؟

پھر بھی آدمی ایک سماج میں رہتا ہے اس سے تجاوز کرنا کیا ٹھیک ہوگا۔

یہ میں نہیں جانتا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کر لیا۔ مجھے اس کے بعد نہ پریوار کی پرواہ ہے۔ اور نہ سماج کی میں صرف اپنے ضمیر کو جواب دہ ہوں، اور یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ یہ غلط کام نہیں ہے۔

میں جانتا ہوں سہدیو۔ مگر تم میرے بہت اچھے دوست ہو، بہت پیارے دوست ہو، میں نہیں چاہتا کہ تھوڑا سا زہر۔ تھوڑی سی تلخی تمہاری آئندہ زندگی میں شامل ہو جائے،

مجمدار صاحب! میں نے یہ فیصلہ جذباتی ہو کر نہیں کیا ہے۔ بلکہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔

وہ وہائٹ صاحب کے آفس جا رہا تھا کہ راستے میں جعفری صاحب مل گئے۔

ارے سہدیو۔ سنا تم نے شادی کر لی کسی بنگالن سے؟

شادی کی نہیں صاحب ہو گئی — سہدیو نے کسی قدر خوش دلی سے کہا۔

اماں یار ہوئی کہاں۔ شادی تو تم نے کی۔ جو ہوئی تھی وہ محبت تھی۔

جعفری کے ساتھ شاہی صاحب لوڈنگ بابو اور ایک جونیئر انجینئر جیسوال بھی تھے، سہدیو نے کوشش کی کہ کھسک لے مگر جعفری صاحب اتنی آسانی سے کب چھوڑنے والے تھے، بولے،

مگر یار تعجب ہے تمہیں یہ محبت ہوئی کیسے -؟ یہ تو ہوا کرتی ہے اپنے لکھنؤ یا پھر دلی میں، پاک محبت.... کمر سے اوپر والی - کول فیلڈ میں تو ہر آدمی ڈائرکٹ ہٹ کرنا چاہتا ہے،

شاہی صاحب اور جیسوال زور سے ہنس پڑے، سہدیو ایکدم سے جھینپ گیا۔ ہنسی ذرا رکی تو شاہی بولا۔

جعفری صاحب! ہر آدمی آپ کی طرح تو ہے نہیں - آپ تو نیچے سے چلتے ہیں۔ پاؤں کے انگوٹھے سے شروع ہوتے ہیں اور کمر تک جاتے جاتے ختم ہو جاتے ہیں - اس سے اوپر جانے کی کبھی ضرورت ہی نہیں سمجھی آپ نے"!

ارے یار اسکے اوپر جو ہے وہ بچوں کیلئے ہے -!

ایکبار پھر لمبا قہقہہ لگا - سہدیو نے پھر بھاگ نکلنے کی کوشش کی اور جعفری نے پھر پکڑ لیا۔

ارے بھائی بھاگو مت - آج کل تو تمہارا ستارہ بلندی پر ہے پہلے تو مائننگ سرداری کیلئے درخواست دے ہی دی ہے - پھر بیٹھے بٹھائے بغیر خرچ پانی کے بیوی حاصل کر لی - اب اورمین (over man) ہونے میں کتنی دیر لگے گی - تو کم سے کم مٹھائی تو کھلاؤ،

سہدیو لجا کے بولا - کھلائیں گے صاحب آپ جب بولیے -

اچھا چھوڑو کسی دن مچھلی بھات کھائیں گے تم سے - ابھی فی الحال چائے بھیجوا دو میرے آفس میں -

جان بچی اور لاکھوں پائے — جلدی سے چائے والے کو تین چائے جعفری صاحب کے یہاں بھیجنے کو کہکر بھاگا تو سیدھے وائنڈنگ روم اور وہاں سے نیچے......

وہ تو گیا تھا ہائٹ صاحب سے بولنے کہ دو گارڈ کی ضرورت ہے سپورٹ کیلئے اور پھنس گیا جعفری کے پھیر میں -

اس شادی پر کولیری کے دوسرے لوگوں کو بھی تعجب تھا - دھوڑوں کی عورتیں روز کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسکی بیوی کو دیکھنے آجائیں۔

بنگالن ہے - مگر ہندی بولتی ہے فٹا فٹ.....

بڑی سُندر ہے"!

ارے سُندر ہے تو کیا ہوا ہے تو بیوہ -

جوتھی ہانڈی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ابھی شادی ہوئے ڈیڑھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ ایک دن وہ کام پر سے واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پرتی بالا بے حد گھبرائی ہوئی کبھی دروازے کے باہر جھانکتی ہے کبھی اندر چلی جاتی ہے۔ اس کو دیکھا تو ایک دم باہر نکل آئی۔

جیٹھ جی آئے ہیں دیش سے۔

کون بھیا۔؟ کہاں ہیں۔؟!

پتہ نہیں جھولا رکھکر بولے کہ کہدینا تمہارا بھائی آیا ہے۔ بہت ناراض تھے، میں نے کتنا کہا اندر آنے کو مگر وہ آئے نہیں، بلکہ کوئی جواب بھی نہیں دیا۔

سہدیو اُلٹے پیروں نکلا تھا بھائی کو ڈھونڈنے، زیادہ کھوجنا نہیں پڑا تھا۔ وہ بازار کی ایک چائے کی دکان پر بیٹھے تھے چپ چاپ۔

چلئے گھر نہیں چلئے گا۔؟

کونسا گھر۔؟ گھر تو تم نے برباد کر دیا۔ باپ دادا کی عزت مٹی میں ملا دی۔ تم چلو گھر، دیس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں"! اسکے بھائی نے بیحد غصہ سے کہا،

پہلے آپ تو گھر چلئے۔ پھر آپ جیسا کہیں گے ویسا ہوگا۔

کہنا کیا۔ سیدھی بات ہے۔ اس بنگالن کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو، بہت کر چکے نوکری چلو وہیں دونوں جن کھیتی کریں گے۔ کم سے کم باپ دادا کی عزت تو بچی رہیگی۔

غصہ مت ہوئیے۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔

ارے یہ غلط نہیں ہے؟

کیا غلط ہے۔؟

کیا وہ بیوہ نہیں تھی۔؟ کیا بیوہ سے شادی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کہاں لکھا ہے کہ بیوہ سے شادی نہیں کی جا سکتی۔؟

اُبکے اس کا بھائی بگڑ گیا۔

میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ سیدھے سیدھے کہتا ہوں کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ نہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نہیں تو کیا ۔؟

نہیں ہم لوگوں کو چھوڑنا ہوگا۔ تم کو۔

ٹھیک ہے پہلے آپ گھر چلیئے۔ اس طرح سڑک کنارے بچھان کرنا کیا اچھا لگتا ہے،

مگر میں اسکے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤنگا۔

مت کھایئے گا۔ مگر چلیئے تو.....

وہ گھر میں داخل ہوا تو پرتی بالا نے گھونگھٹ نکالا۔ ساڑی کے گوشے کو گلے میں لپیٹ کر آگے بڑھی اور اسکے پاؤں کی مٹی چھوکر ماتھ سر پر پھیرا۔ اسکے بھائی کا ہاتھ غیر ارادی طور پر آشیرواد کیلئے اُٹھ گیا۔ دراصل اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی کمسن اور اتنی خوبصورت ہوگی۔ سب سمجھ رہے تھے کہ وہ کوئی پکے عمر کی بیوہ بنگالن ہے، جس کو سہدیو نے گھر ڈال لیا ہے۔ اپنے بھائی کے چہرے کا بھاؤ سمجھ کر سہدیو مسکرایا۔ اس نے پرتی بالا سے پوچھا۔

کھانا تیار ہے۔؟

ہاں ۔!

پانی لے آؤ۔

اس کا بھائی چمک کر بولا— میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔

براہمن کے ہاتھ کا پروسا کھانا ٹھکرادینگے آپ ۔؟

میں کل چلا جاؤں گا۔ تم کو بھی چلنا ہے۔

سہدیو بولا۔ کل کی بات کل کرینگے۔ پہلے کھانا کھایئے۔

نہیں کھاؤں گا۔

ابکی پرتی بالا آگے بڑھی اور دھیرے سے بولی۔

جیٹھ سے کہیئے کھانا کھالیں، میں ابھاگن ضرور ہوں مگر اچھوت نہیں۔ میرے ہاتھ کا کھانے سے دھرم بھرشٹ نہیں ہوگا۔ جو پاپ لگنا ہے وہ مجھے لگے گا۔

اب انکار کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔

دونوں بھائیوں نے کھانا کھایا اور دیر رات تک بات چیت کرتے رہے، طے یہ ہوا

کہ دونوں مع پرتی بالا کے گھر جائیں گے یعنی گاؤں ــــــ

گاؤں نے پرتی کو قبول نہیں کیا ......

بڑی تھو تھو ہوئی تمام۔ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا گاؤں میں۔ کسی جگ میں نہیں۔ ڈومنی چمینی کو لوگوں نے رکھ لیا تھا داشتہ بنا کے۔ رات کے اندھیرے میں اسکے گھر آنا جانا بھی ہوتا تھا مگر شادی کر کے کسی نے گھر کبھی نہیں بسایا۔ عورتیں دیکھ دیکھ کر جائیں اور سو سو طرح کی باتیں بناتیں

بنگالن ہے مگر ذات کیا ہے۔

براہمن ـــ؟ براہمن تو کبھی ہو گی نہیں۔ براہمن کیا کہار سے شادی کریگی ـ؟

بھائی رانڈ عورت جس گھر میں گھسی اس کا ستیہ ناس کیا۔

پھنسایا ہے سہدیو کو۔

بنگالی لوگ جہیز دینے کے ڈر سے اکثر لڑکیوں کی رسی ڈھیلی کر دیتے ہیں۔

پرتی بالا ایکدم سے بجھ گئی ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے اس طرح کے جملے سُن ہی لیتی ہے، ہتک کا احساس اسکو جلائے ڈال رہا ہے۔ وہ غصہ سے ہمہ وقت تلملائی رہتی ہے۔ اس کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ ایک دن بھی یہاں نہیں رہے۔ حالانکہ اسکی جیٹھانی اور جیٹھ اسکی کافی آؤ بھگت کر رہے ہیں۔ سہدیو اس کے دل کا حال جان رہا ہے۔ اس کی ساری دلی کیفیت کو سمجھ بھی رہا ہے۔ اسلئے صرف سات دن رہ کر لوٹ آیا۔ ان سات دنوں میں دو بہت اہم باتیں وقوع پذیر ہوئیں،

ایک تو جلیا اس سے ملنے آئی اور ذرا سا ایکانیت پاتے ہی اس سے پیسہ مانگ بیٹھی۔

"کچھ پیسے ہوں تمہارے پاس تو ..... آج کل بہت تکلیف میں ہوں۔ تین مہینے سے بیمار ہوں، سسرال والوں نے یہاں دھکیل دیا ہے"!

سہدیو نے اس کو سو روپے کا نوٹ دیدیا۔

سہدیو کو افسوس نہیں ہوا۔ صرف حیرت ہوئی کہ کیا محبت میں بھی پیسے کو اتنا دخل ہے؟! کیا تمام چیزیں چل کر صرف ایک ہی مرکز تک پہنچ جاتی ہیں۔ پیسہ ..... اس زمانے کی غالباً سب سے سفاک چیز۔ سب سے قابلِ نفرت چیز یہی ہے۔ مگر ٹھہرو۔ کیا واقعی یہ سفاک اور قابلِ نفرت چیز پیسہ ہی ہے۔ یا وہ غریبی، وہ مجبوری، وہ مسلسل ترسندگی ہے جو زندگی کو رفتہ رفتہ ذلیل کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ ایک محبوبہ اپنے محبوب کے سامنے پیسے کیلئے ہاتھ پھیلانے پر مجبور

ہو جاتی ہے۔ وہ جلیبا سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا، اگر آنکھ ملا پاتا تو کم سے کم اتنا ضرور کہتا کہ تم نے محبت کی قیمت بہت کم آنکی ہے۔

جلیبا سمجھ رہی ہے کہ سہدیو کیا سوچ رہا ہے۔ وہ پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کرید تی جا رہی ہے اور اسکی گرم ہتھیلی میں سو روپے کا مُڑا تڑا نوٹ پسینے سے بھیگتا جا رہا ہے، ہلکے بخار میں دھیرے دھیرے سُلگتا بدن اب زیادہ دن نہیں ٹکے گا۔ جلیبا جانتی ہے۔ یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ سو روپے میں اسکا علاج نہیں ہو سکتا۔ مگر تھوڑی سی راحت، مہینہ بھر کی اُمید، دُکھ اور غریبی کے اس تپتے ہوئے صحرا میں ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا ــــ پھر اس نے کسی غیر سے تھوڑے ہی کچھ مانگا ہے۔ سہدیو سے تو وہ کچھ بھی مانگ سکتی ہے...... کچھ بھی..... وہ نیچے جھکا ہوا سر اوپر اٹھاتی ہے تو آنسو کی دو چنچل بوندیں آنکھوں سے چھلک پڑتی ہیں۔ جلیبا اسے اتنے صفائی سے چھپاتی ہے کہ اس کی طرف دیکھتا سہدیو بھی نہیں دیکھ پاتا۔

اور دوسری بات جو ہوئی وہ بھی کم حیرت انگیز نہیں تھی۔ جس دن وہ آنے لگا اس کے ایک دن قبل بھائی نے رات کے کھانے پر کہا۔

اب تو تم پتہ نہیں کب آؤ گے۔ ایک بات کا فیصلہ کر جاتے تو اچھا تھا۔

کون سی بات ــــ؟ وہ چونک گیا تھا۔

یہی گاؤں گھر کی جائیداد کے بارے میں۔ اب تمہارے بھی بچے ہوں گے۔ میرے بھی ہیں۔ آگے چلکر بچوں میں خون خرابہ کیوں ہو۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ پہلے ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔

آپ کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں ــ؟ سہدیو کو کافی حیرت ہوئی تھی۔

اب دیکھو نا۔ تم شہر میں کماتے ہو۔ اور بھگوان کی کرپا سے اچھا کماتے ہو۔ تمہیں کمپنی کا گھر بھی ملا ہوا ہے۔ تم وہ سب چھوڑ کر یہاں آنے سے تو رہے۔ تو کیوں نہ کو لیری کا جو کچھ ہے تم لے لو، اور یہاں کی زمین اور گھر لڈو کو دیدو۔ لڈو کو تم مانتے بھی بہت ہو۔

سہدیو بہت آسانی سے سمجھ گیا ہے۔ اسکے بھائی کی گفتگو صاف تھی۔ اتنے دنوں سے آئی جو آؤ بھگت ہو رہی تھی۔ وہ بے مطلب تھوڑے ہی تھی۔ ابھی وہ کچھ بول بھی نہ پایا تھا کہ فیصلہ پر تی بالا نے کر دیا۔

جیٹھ جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم آخر گاؤں کی زمین لیکر کرینگے بھی کیا۔ ہمیں یہاں نہ رہنا ہے،

اور نہ بار بار آنا ہے۔ نہ ہی گرہستی کرنی ہے۔

سہدیو نے نظر اُٹھا کر پرتی بالا کو دیکھا۔ عورت نہیں جانتی کہ زمین ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے گاؤں سے رشتہ بنا رہتا ہے۔ اتنے زمانے سے، پرکھوں سے بنا ہوا یہ رشتہ آسانی سے نہیں توڑنا چاہیئے، پھر بھی اس نے پرتی بالا کی بات نہیں اٹھائی اور اپنے بھائی سے بولا۔

ٹھیک ہے بھیا میں حصہ لڈو کو دیتا ہوں۔

سہدیو کے علاوہ صرف ایک آدمی اور ایسا تھا جس کے چہرے پر یہ سُن کر چمک آگئی تھی، اور وہ تھی پرتی بالا۔

گاؤں سے ہمیشہ کیلئے رشتہ توڑ کر وہ خوش تھی۔!

وہ اتوار کا دن تھا اور وہ جوناتھن کے ساتھ جھریا گیا تھا۔ اس دن ٹھنڈ بہت تھی۔ سو واپسی میں جوناتھن نے ایک چائے کی دُکان پر روک لیا۔

آؤ چائے پی لو بہت ٹھنڈ ہے۔!

وہ دونوں وہیں چائے پینے لگے۔ وہیں سڑک کے کنارے بید کی جھوڑیاں اُلٹ کر بیٹھی ہوئی چند کوئلہ بیچنے والی عورتیں بھی چائے پی رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بہت دیر تک غور سے سہدیو کو دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے اٹھ کر اسکے پاس چلی آئی۔

سہدیو بھیا ہو نا۔؟

اپنا نام سُنکر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ غالباً اسکی حیرت کو بھانپ کر عورت بولی۔

ہمکو نہیں پہچانے۔؟

کہیں کچھ تھا جو جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ اسکی آواز، آنکھیں، چہرہ، کوئی چیز ایسی ضرور تھی۔ جو اپنی شناسائی کا یقین دلا رہی تھی۔ مگر دماغ پر زور دینے کے باوجود وہ اس بوڑھی عورت کو پہچان نہیں سکا۔ اِدھر جوناتھن بھی حیرت میں تھا۔ عورت بولی۔

ہم نتھونیا ہیں بھیا رسول پور والی "!

ایکدم سے جیسے گھپ اندھیرا ہو گیا۔ جیسے ذہن کی ساری بتیاں اچانک بجھ گئیں، اس کو ایسا لگا جیسے پوچھ رہی ہو — عرفان کے ابو کہاں ہیں — ؟ جیسے وہ مانگ رہی ہو۔ عرفان کے ابّو کو لادو، اب بہت دن ہو گیا ہے . . . .

جوناتھن سہدیو کی اڑی ہوئی رنگت اور سوکھتے ہوئے ہونٹوں کو دیکھکر ایکدم سے خائف ہو اُٹھا۔

کیا بات ہے سہدیو — یہ . . . . . یہ عورت کون ہے۔

جواب خاتون نے ہی دیا۔

ہم ختونیا ہیں بھیّا رسولپور والی۔ بھیّا ہمکو پہچانے نہیں۔ ہمرے میاں انہیں کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ای ایکبار ہمرے گھر بھی گئے تھے۔ ہمرے گھر کا کھانا بھی کھایا تھا . . . . . .

مت بولو . . . . . . اور کچھ مت بولو . . . . . بھگوان کیلئے . . . .

تیزاب آنکھوں میں پڑا ہے، دماغ پر انڈیلا گیا ہے۔ یا ساری کائنات اس زہراب میں ڈبو دی گئی ہے۔ شدید جلن کا ایکدم تیکھا، ناقابلِ برداشت احساس . . . . .

جوناتھن اس کو بازو سے پکڑ لیتا ہے۔

سہدیو کیا بات ہے، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔

وہ رفتہ رفتہ اپنے آپ کو پاتا ہے۔ اپنے آپ کو دریافت کرتا ہے، اس جگہ کو محسوس کرتا ہے جہاں وہ کھڑا ہے۔ اس عورت کو پہچان جاتا ہے جو بے حد حیرت سے اسکی طرف دیکھے جا رہی ہے۔ اور تب وہ ڈرتا ہے کہ شاید آج اس سے جواب طلب کیا جائیگا۔ آج ختونیا اس سے ضرور معلوم کر کے رہیگی کہ رحمت میاں کہاں ہے۔

ایں بھیّا ہم کو پہچانے نہیں — ؟

وہ پہچان گیا ہے۔ چہرے کی جھریوں کے پیچھے، بجھی ہوئی آنکھوں کے اندر، بیداد اس چہرے کی دوسری طرف وہ خوبصورت، ہنس مکھ بے ساختہ بولنے والی، بے ساختہ ہنسنے والی عورت صاف دکھائی دی اس ڈر سے کہ کہیں وہ کچھ پوچھ نہ لے، اس نے خود ہی پوچھا۔

بابا ٹھیک ہیں — ؟

بابا کو گذرے تو زمانہ ہو گیا۔

اوہ..... اچھا بیمار تھے کیا ؟

بیمار کیا تھے بھیا، بس بیٹے کا سوگ لے گیا۔

مگر تم یہاں کب آئیں۔

ہم کو آئے تو چھ برس ہو گیا۔ وہاں رہتی تو کیا کرتی بھیا۔ وہی خانصاحب لوگوں کا لات جوتا ملتا۔ سو یہاں چلی آئی کہ بھیک مانگ کر جی لونگی مگر رسولپور میں نہیں رہوں گی۔

وہ کسی اندرونی انجانے خوف سے عرفان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا۔ وہ خود ہی تبلاتی ہے۔

ہمرا عرفان اب بڑا ہو گیا ہے۔ بڑے اسکول میں پڑھتا ہے یہیں تو۔ ہم کو منع کرتا ہے کہ کوئلہ مت بیچو۔ ہم بولے بھیا کہ جب تم کمانے لگو گے تب نہیں بیچیں گے۔

اس کے میلے، بوڑھے چہرے پر تھوڑی سی چمک آجاتی ہے۔ اسکے ساتھ بیٹھی عورت اٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

اے ختونیا گھر نہیں چلو گی۔ ؟

ٹھہر وا تنے دن پر ہمرا دیور ملا ہے، پھر وہ سہدیو سے بولی۔

کہاں کام کر رہے ہو بھیا، کون کولیری میں ؟

موہنا کولیری میں ہوں بھابی۔ کسی دن آؤ نا۔ کسی سے بھی پوچھ لوگی کہ لوڈر سہدیو کا گھر کون ہے تو وہ بتا دے گا۔

اچھا بھیا آوں گی کسی دن۔!

وہ ٹوکری کو سر پہ رکھ کر نہیں بلکہ اوڑھ کر ان عورتوں کے ساتھ چلی گئی۔ جونا تھن بڑی دیر سے صبر کئے ہوئے تھا۔ جیسے ہی وہ بالوگادا کی پگڈنڈی پر مڑے اس نے بے صبری سے پوچھا۔

کون تھی یہ عورت۔؟

سہدیو اسکو جواب نہیں دیتا۔ چھ برس سے وہ یہیں ہے۔ اسی کولفیلڈ میں، وہ جھوڑی میں بھر کر، گلی گلی گھوم کر کوئلہ بیچتی ہے۔ کیا اس کو معلوم ہے کہ رحمت میاں کے ساتھ کیا ہوا تھا۔؟ کیا وہ جانتی ہے کہ وہ کونسی کولیری ہے۔ اس کولیری کی کون سی گپھا ہے۔ اس گپھا کا وہ کون سا تاریک گوشہ ہے، جہاں اسکے بیٹے کا باپ، اس کے سرتاج، اس کی خوشی، اس کی ہنسی، اس کی جوانی، اسکی تازگی، اسکی ساری کائنات سوئی پڑی ہے۔۔ شاید وہ نہیں جانتی، شاید وہ اس سے پوچھ لے،

.... کیا جواب دیگا وہ — ؟ کیا بتا دیگا — ؟ سب کچھ، ذرا ذرا، پوری تفصیل کے ساتھ، یا پھر وہ چُپ رہ جائے گا۔ جیسے وہ تب چُپ رہ گیا تھا جب رحمت میاں باپ اس سے ملا تھا۔ مگر رحمت کے باپ اور ختونیا میں بہت فرق ہے۔ وہ اتنی آسانی سے دھوکہ نہیں کھائے گی - اتنی آسانی سے بہل نہیں سکتی -

جوناتھن پھر اپنا سوال دہراتا ہے،

یہ عورت کون ہے - ؟ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کو دیکھکر تم اتنا پریشان کیوں ہو گئے تھے؟

اس کا ایک بڑا قرض ہے مجھ پر — !

سود والا ہے یا بغیر سود والا — ؟

مذاق مت کرو - یہ عورت مجھ کو نہ ملتی، کبھی نہیں ملتی، زندگی بھر نہیں ملتی تو اچھا تھا۔

اب میں تم سے اور کچھ نہیں پوچھوں گا — !

کبھی بتاؤں گا میں خود ہی، بڑی لمبی کہانی ہے -

گھر پہنچ کر اس نے تھیلا دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا اور خلاف معمول برآمدے میں بچھی ننگی چارپائی پر لیٹ گیا - دوسرے بیشتر لوگوں کی طرح وہ بھی تقریباً ہر اتوار کو جھر یا جاتا تھا اور ضرورت کی خاص خاص چیزیں جس میں سبزی اور کبھی کبھی گوشت بھی شامل ہوتا تھا لے آتا تھا، لیکن ہر اتوار کو وہ پرتی بالا کو پکار کر تھیلا اس کے ہاتھ میں پکڑا کر خود آنگن میں رکھے پانی کے ڈرام کے پاس پہنچ جاتا، وہاں اچھی طرح ہاتھ منہ دھوتا تب جا کر چارپائی پر بیٹھتا۔ مگر آج وہ ایسے چُپ چاپ آکر لیٹ گیا کہ پرتی بالا کو تشویش ہو گئی -

کیا بات ہے - ؟ ایسے کیوں لیٹ گئے - طبیعت تو ٹھیک ہے نا — ؟

اس نے آنکھیں جو ذرا کی ذرا بند کر لی تھیں، کھول کر پرتی بالا کو دیکھا اور دھیرے سے بولا،

آج خاتون ملی تھی — !

کون — ؟

ختونیا — تم کو رحمت میاں کا قصہ بتایا تھا نا، اسی کی بیوی ....

اچھا وہ ..... ابھی تک زندہ ہے — ؟

تمہارا کیا خیال ہے اس کو مر جانا چاہیئے تھا ۔؟

نہیں نہیں ..... پرتی بالا گھبرا گئی ۔ میرا مطلب ہے اتنا بڑا حادثہ ہوا اسکے ساتھ، اتنا بڑا صدمہ تو کسی کی بھی جان لینے کیلئے کافی ہے ۔

تم کو یاد ہے ۔؟ اس کا ایک لڑکا بھی تھا ۔؟ اب وہ جوان ہو گیا ہے ۔

اچھا ۔؟

وہ یہیں جھریا میں پڑھ رہا ہے ۔ ہائی اسکول میں ۔

چلو اسکے اچھے دن لوٹ آئیں گے ۔!

سہدیو نے کروٹ لیکر غور سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا ۔

کیا واقعی اسکے اچھے دن لوٹ آئیں گے ۔؟ ایسے دن جیسے رحمت میاں کی زندگی میں تھے ۔؟

پرتی بالا تلملا گئی اس سوال پر ۔ جواب وہ دے سکتی ہے، ہر عورت دے سکتی ہے، مگر دیگی کوئی نہیں، خانگی زندگی کا سکھ، چاہے اوپر چھپر ہو یا نہ ہو ۔ چاہے فرش پر بستر پڑا ہو یا نہ ہو، چاہے ساڑی تار تار ہو گئی ہو ۔ چاہے پیٹ میں مٹھی بھر ان بھی نہ ہو، مگر مضبوط باہنوں کا حصار چوڑی بال بھری چھاتی کا لمس اسکی ان خوشیوں کی ضمانت ہوتا ہے جو اسے پھر کبھی میسر نہیں آتی، یہ خوشیاں جو شاید دنیا کی ہر عورت کیلئے سب سے اہم ہوں،

پرتی بالا نے ہوشیار عورتوں کی طرح بات بدل دی ۔

اسکو لائے نہیں ساتھ، میں بھی دیکھتی ذرا ۔

اس نے آنے کو کہا تو ہے ۔!

کیا کرتی ہے وہ ۔؟

کوئلہ بیچتی ہے ۔

کوئلہ بیچتی ہے ۔؟ پڑھائی کہاں سے ہے لڑکے کو ۔؟

پتہ نہیں ۔ شاید اور کوئی کام کرتی ہو ۔

ادھر وہ باتوں میں مصروف تھے ادھر دونوں لڑکوں نے موقعہ کا فائدہ اٹھاکر تھیلے کو الٹ دیا، ہر ہفتہ سہدیو ان کے لئے جھریا سے کچھ نہ کچھ لے آتا تھا ۔ کبھی مٹھائی کبھی

بسکٹ، کبھی کوئی نمکین چیز، اسی کی تلاش تھی ان کو۔ ماں کی نظر پڑی ان پر تو وہ دوڑی۔

اے ری سربوناش کورے چھی ــ

وہ کبھی کبھی بے ساختہ بنگلہ بول اٹھتی تھی۔ اور تب سہدیو کو مزہ آجاتا تھا، مگر آج اس کی بنگلہ سن کر بھی وہ چپ ہی رہا۔

جس دن ختونیا اس کے یہاں آئی یعنی دوسرے اتوار کو اس دن بھی چپ چپ ہی رہا زیادہ تر باتیں پرتی بالا ہی کرتی رہی۔

آپ کو کتنا مل جاتا ہے کوئلہ بیچنے سے دن بھر میں ــ؟

سہدیو کو بڑا غصہ آیا، کمبخت عورت چاہے کوئی ہو سب سے پہلے سوال پیسے کا کرے گی۔ چاہے وہ لکھ پتی کی بیوی کیوں نہ ہو۔

پانچ چھ روپیہ ــ!

چھ روپیہ ــ؟ پرتی بالا نے تعجب کا اظہار کیا تو سہدیو بولا۔

تم بھی چل دو کل سے اپنی جیٹھانی کے ساتھ ۔

ختونیا جلدی سے بولی ــ ارے یہ کیوں جائیگی کوئلہ بیچنے۔ میں تو ابھاگن تھی۔ میرا نصیب جل گیا تب نا نکلنا پڑا گھر سے۔ اللہ ایسا دن کسی کو نہ دکھائے۔

اس کے آخری جملے میں جو درد تھا اس نے اچانک سارے ماحول کو سنجیدہ کر دیا۔ سہدیو نے ڈرتے ڈرتے اسکی طرف دیکھا کہ کہیں نہ وہ کچھ پوچھ بیٹھے مگر کچھ پوچھنے کی بجائے وہ خود ہی بولی۔

ہم کو تو بھیا شروع سے اندازہ ہو گیا تھا۔ عرفان کا ابو ایسا آدمی تھا ہی نہیں، سو جب ننکو کی چھٹی آئی کہ وہ کسی عورت کے ساتھ بھاگ گیا ہے اسی وقت کہدیا کہ یہ غلط ہے۔ ان کو کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے۔ یہ بات تو یہاں آنے پہ معلوم ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ بھی دو برس بعد،

پرتی بالا دال چن رہی تھی۔ تھالی زمین پر رکھکر پوچھا۔

دیدی تم کو معلوم ہے کیا ہوا تھا ــ؟

ہاں یہاں آنے کے بعد ہی پتہ لگا یا۔ سرسا کولیری بھی گئی۔ بہت سے لوگوں سے پوچھا۔

تھوڑا تھوڑا بہت سے لوگوں نے بتایا۔ کچھ دن کے بعد جگیشر سے کبھینٹ ہوئی، ست گانواں والا۔ وہ بھی تو سہدیو بھیا کے ساتھ ہی کام کرتا تھا۔ اسی نے پوری بات بتائی۔!

سہدیو کو ذرا سا اطمینان ہوا، چلو اچھا ہوا اس کو بتانا نہیں پڑا کچھ، پرتی بالا ادھن میں دال ڈال کر لوٹی تو دوسرا سوال کیا۔

عرفان کو معلوم ہے یہ سب کچھ۔؟

خاتون دھیمے سے مسکرائی۔ بھلا معلوم نہیں ہوگا۔ وہ آٹھ سال کا تھا۔ چار کلاس میں پڑھ رہا تھا جب اسکے ابو کا انتقال ہوا، یہاں آیا تو وہ اکثر سرسا کولیری بھاگ جاتا، کبھی کبھی تو دن بھر وہیں رہتا مگر ادھر تین چار سال سے اس نے ادھر جانا چھوڑ دیا ہے۔

تم سے کچھ بولا نہیں۔؟

کیا بولے گا۔ ایک دن اس نے کہا تھا۔

اماں! ابو کی میت سرسا کولیری کی کسی بند کپھا میں ہے۔ کیا اب اس کو نکالا جا سکتا ہے؟

کیا کروگے اس کو نکال کر کے۔؟

میں سوچتا تھا۔ تھانہ میں لکھا دوں کہ میرے باپ کو ان لوگوں نے مار دیا ہے، اور وہاں سے لاش نکل جائے تو بات ثابت ہو جائے گی۔

پر اب پانچ سال بعد کیا بچا ہوگا وہاں، ہڈی بھی مٹی ہو گئی ہوگی۔

پھر اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ جاکر چپ چاپ سے اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ بہت دیر کے بعد میری نظر اس پر پڑی، دیکھا تو وہ رو رہا تھا۔ آدھا تکیہ بھیگ گیا تھا۔ اس کے آنسو سے۔

اب نہیں پوچھتا کچھ۔؟

نہیں اب نہیں پوچھتا کچھ، صرف ہم کو منع کرتا ہے کہ کوئلہ مت بیچو۔ ایک دن جی جل گیا۔ بولی کوئلہ نہیں بیچونگی تو کھانا کہاں سے چلیگا۔ تمہاری پڑھائی کیسے ہوگی — اسی دن جو صبح گھر سے نکلا ہے تو دن بھر غائب رہا۔ رات ہو گئی اس کا کوئی پتہ نہیں، میں پریشان کہ کہاں رہ گیا۔ اس سے پوچھا کوئی پتہ نہیں۔ آٹھ بجے آیا بولا میں نے دو جگہ لڑکا پڑھانے کا کام کر لیا ہے۔ اب تمکو میری فکر نہیں کرنی ہوگی۔" پھر وہ سہدیو سے بولی، بھیا بڑا آنی ہے، بڑا غصہ ور کسی کی بات برداشت نہیں کرتا۔ اپنے باپ کی طرح نہیں ہے۔

سہدیو اس موضوع کو جاری رکھنا نہیں چاہتا۔ چاہتا ہے کہ رحمت کا ذکر نہ ہو، اسکی کوئی بات نہ چلے مگر پرتی بالا کو کیا معلوم کہ ہر سوال جواب اس کو یادوں کے بھنور میں دھکیلتا جارہا ہے۔ ایک نامعلوم شکنجے میں کستا جارہا ہے۔ اس لیے اس نے بات بدلنے کیلئے پوچھا۔

جگیشر آجکل کیا کررہا ہے۔؟

اے بھیا او تو بہت بڑا آدمی ہو گیا ہے۔ بہت بڑا ٹھیکیدار۔ ست گانواں میں وہ اتنا بڑا مکان بنوالیا ہے کہ پوری پلٹن اس میں سما جائے۔ اونچا اتنا ہے کہ دیکھو تو سر کی ٹوپی گر جائے، وہی بچارا تو بڑا مدد کیا شروع شروع میں چپراسی لوگ کو تلہ نہیں اٹھانے دیتے تھے۔ وہی بولدیا تو اب کوئی کچھ نہیں بولتا۔ وہی بولا ہے کہ عرفان کو کام میں لگا دیگا۔ ابھی عمر کم ہے۔

اس کو تعجب نہیں ہوا جگیشر کے بارے میں سُن کر۔ وہ شروع ہی سے کپل سنگھ کیساتھ لگا رہا تھا۔ ظاہر ہے اسی کی رسی پکڑ کر اوپر بھی اٹھا ہوگا۔

پرتی بالا پھر بیچ میں ٹپکی۔

دیدی کھانا تیار ہوگیا ہے۔

خاتوں چونکی۔ ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ بیکار میں کسی کا دھرم ......

پرتی بالا بہت زور سے ہنسی ۔ میں آپ کا سنکوچ سمجھ رہی ہوں، مگر یہ تو پہلے ہی آپ کے یہاں کا کھانا کھا کر اپنا دھرم گنوا چکے ہیں۔ چلیئے اُٹھئے ۔ پرتی بالا نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اٹھالیا۔

خاتون اُٹھتے ہوئے بولی۔

بڑی سُندر ہے ہمری دیورانی۔ ہم سمجھ گئے بھیا اپنی پسند سے بیاہ کئے ہو۔

سہدیو ہنس کر بولا۔ میں نے کہاں کیا بیاہ بھابی۔ اسی نے کر لیا ہے۔ تمہاری دیورانی نے۔

پرتی بالا ٹمک کر بولی۔ آپ اتنا صاف جھوٹ تو مت بولو۔ تم نے نہیں کہا تھا میرے دادا کو؟ کیا کرتا تمہار ابھائی اتنا پریشان تھا کہ مجھ سے اس کی پریشانی دیکھی نہیں گئی۔

ختونیا چھ برس سے اس علاقے میں رہکر جان گئی ہے کہ بنگلہ میں دادا بڑے بھائی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے پرتی بالا سے پوچھا۔

تمہارا بھائی یہیں رہتا ہے۔؟

جواب سہدیو نے دیا۔ رہتا تھا، اب نہیں رہتا۔ مجمدار بابو۔ ہمارے ساتھ سرسا کولری میں بھی تھا۔ ہم دونوں کو ایک ساتھ ہی نوکری سے نکالا گیا تھا۔

ارے وہی۔۔۔۔۔! وہ چونکی پھر سہدیو سے بولی۔ تم کو بھی تو وہ لوگ بہت مارا تھا سر پھاڑ دیا تھا۔ بچنے کی امید نہیں تھی۔ تم دو مہینہ اسپتال میں بھی تھے۔ مجھے سب معلوم ہوا یہاں آکر۔ مگر بھیا اتنی بڑی کول وری میں جب کوئی نہیں بولا تب تم کیوں اتنی رات کو اکیلے نکل گئے تھے۔ اگر تم کو کچھ ہو جاتا بھیا۔۔۔۔۔

سہدیو پہلی بار اس موضوع پر دھیرے سے بولا۔

مجھے آج بھی اس بات کا قلق ہے کہ میں اس کے لئے کچھ کر نہ سکا۔

تم کیا کرتے بھیا۔ میرا ہی نصیب خراب تھا۔ اگر نصیب نہ خراب ہوتا تا اتنی دور پردیس میں آکر مجھے غصہ اس بات کا تھا کہ انھوں نے لاش کیوں برباد کر دی۔ مت دیتے معاوضہ مگر لاش تو دیدیتے۔

ہاں بھیا ایک بار مرا منہ دیکھ لیتے ہم لوگ تو صبر آجاتا۔

اس کی آواز میں کہیں کوئی کپکپاہٹ، کہیں کوئی لکنت نہیں تھی۔ مگر آنسو ابل کر آئے اور چھلک کر رخساروں پر بہہ آئے، خاتون نے آہستہ سے آنچل کا کونہ اٹھایا اور ان بہتے آنسوؤں کو پونچھ لیا۔

ماحول ایکبار پھر غم انگیز ہو گیا۔

میں تمہارا ابھی گنہ گار ہوں بھابی کہ میں تمہیں اس بات کی خبر نہ دے سکا۔ مجھے دراصل کبھی ہمت ہی نہیں ہوئی رسولپور جانے کی۔ میں سوچتا تھا میں کیسے سامنا کر پاؤں گا تمہارا۔ کیا بتاؤں گا تمہارے بیٹے کو اور اس آدمی کیلئے الفاظ کہاں سے لاؤں گا جو رات دن اپنے بیٹے کی سلامتی کیلئے دعا مانگتا رہا ہے۔ اتنا ساہس مجھ میں کبھی نہیں تھا۔ آج بھی نہیں ہے۔

اب روکنے کی کوشش کے باوجود سہدیو ان آنسوؤں کو روکنے میں ناکام ہو گیا ہے جسکو نو سال سے روکے روکے اس کا سارا وجود بھر آگیا ہے۔

خاتون نیا کھڑی ہوئی۔ دو قدم آگے بڑھ کر سہدیو کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایسے جیسے وہ اسکی ماں ہو اور بولی۔!

بھیا اس میں تمہارا کیا قصور تھا۔ یہ تو ہمارے بھاگ میں بدا تھا۔

پرتی بالا حیران کھڑی ہے۔ وہ دیکھ رہی ہے آنسو سہدیو کے رخساروں سے بہکر اس کی گردن میں اتر گیا ہے۔ رونے کی آواز نہیں ہے۔ صرف ٹھوڑی تھوڑا تھوڑا کانپ رہی، ادھر ختونیا کا اس کے سر پر رکھے ہاتھ پر ختونیا کی آنکھوں سے برسنے والی بوندیں ٹپاٹپ رہی ہیں،

پرتی بالا سوچتی ہے ان دونوں میں کیا رشتہ ہے۔

سہدیو کو سب خبر مل رہی ہے۔

کولیری مزدور سنگھ کی میٹنگ ہوئی تھی۔ اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ کُل تین برسوں میں کولیری مزدور سنگھ کی ساکھ موہنا کولیری سے اکھڑ گئی ہے۔ اور اتنی اکھڑ گئی ہے کہ اس سال چندے کے وقت شاید پچیس فیصد سے زیادہ ٹکٹ نہیں کٹ سکے۔ پی۔ این ورما بہت پریشان ہے اب وہ چھوٹا موٹا لیڈر نہیں ہے کولفیلڈ کا۔ اس سارے علاقے کا سب سے بڑا نیتا ہے۔ اس کے رعب اور دبدبے کا یہ عالم ہے کہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر بات کرتے ہوئے اچھے اچھوں کی ٹانگیں کانپتی رہتی ہیں۔ پاتھر ڈیہہ سے سونار ڈیہہ تک پچاسوں کولیریوں میں اس کا جھنڈا لہرا رہا ہے، اب پی این ورما کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ وہ کولیریوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ ادگھاٹنوں اور بڑی بڑی پارٹی میٹنگوں سے اسکو فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔

جسطرح پہلے زمانے میں حکمراں لوگ علاقے فتح کر کے اپنا نمائندہ مقرر کر کے آگے بڑھ جاتے تھے، ویسے ہی پی۔ این ورما نے تمام چھوٹے درجے کے لیڈروں اور خیر خواہوں کو مقرر کر دیا ہے، موہنا کولیری الکھ بابو، گھوشال بابو، دلدار خاں، اور رام کھبجن پانڈے کے سپرد کر دی گئی ہے۔

الکھ بابو ویسے آدمی تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔ سیاسی سمجھ بوجھ کے علاوہ ٹریڈ یونین ازم کا تجربہ بھی ان کے پاس ہے۔ عیب بس اتنا ہے کہ پیتے بہت ہیں۔ انگلش پیتے ہیں۔ اور اتنی زیادہ پیتے ہیں

کر ٹھیک سے آنکھ بھی نہیں کھول سکتے، چنانچہ ان ادھ کھلی آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا ہے تو کامنوں کی کسی ہوئی چھاتیاں، کمر اور سڈول پنڈلیاں، عورت انکی دوسری بڑی کمزوری ہے اور اس بات کو تقریباً سبھی جانتے ہیں۔ چنانچہ ٹھیکیدار اپنی جائز اور ناجائز حرکتوں کیلئے انھیں پوری ڈھال بنائے ہیں اور کبھی کبھی کلکتہ سے بیشتہ ور عورتوں کو بلا کر ان کی نواب گاہ سجا دیتے ہیں۔ اب بھلا بتلائیے ایسے میں اللکھ بابو اگر ٹھیکیدار کا کام نہیں کریں گے تو کیا مزدوروں کا کریں گے۔ یہ کمبخت، بدذات، مزدور کے جاتی، ہوئی نوکری بھی بچا دیں تب بھی پچاس روپیہ دینے میں دم نکلتا ہے، مانو اللکھ بابو بھیک مانگ رہے ہوں ارے سو پچاس تو یہ ٹھیکیدار بغیر مانگے جیب میں بھر جاتے ہیں، اگر ٹھیکیدار نہ ہوتے تو وہ تو بھیک مانگتے نظر آتے۔

گھوشال بابو بڑے مزے میں ہیں۔ اب انھوں نے کھادی کے کرتے پر صدری کا اضافہ کر دیا ہے۔

خوب کلف لگا ہوا کھڑ کھڑاتا لباس پہنتے ہیں، شراور سندری دونوں سے پرہیز ہے۔ باضابطہ کبھی نہیں پیتے۔ کسی پارٹی وارٹی میں چل گئی تو دوسری بات ہے۔ ان کو تو بس ایک ہی نشہ ہے، پیسہ کمانے کا نشہ، سو وہ جہاں موقع پاتے ہیں۔ نوچ لیتے ہیں، مزدوروں سے پانچ پانچ دس دس روپیہ بھی وصول کر لیتے میں انہیں عار نہیں ہوتا۔ پی این ورما کے نزدیک کا آدمی ہے۔ اس لئے وہائٹ صاحب اور لوکس صاحب دونوں اس سے دھنستے ہیں۔ جس آفس میں داخل ہوتے ہوئے انہیں کبھی خفقان ہوتا تھا۔ بدن پر خوف کا لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ اس میں اب ایسے داخل ہوتے ہیں۔ ایسی بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہیں جیسے یہ ان کا اپنا آفس ہو۔ وہائٹ صاحب اور لوکس صاحب سے مزدوروں کا چھوٹا موٹا کام کروا کے مزدوروں سے تو وصول کرتے ہی ہیں۔ ساتھ ہی منجمنٹ کی چھوٹی موٹی زیادتیوں کو دبا کر وہائٹ صاحب اور لوکس صاحب کی خوشنودی بھی حاصل کئے رہتے ہیں، یہ اسی کا کرشمہ ہے۔ کہ بھوس بنگلہ میں لب سڑک انھوں نے ایک پختہ مکان بنوا لیا ہے، سمنٹ کمپنی کا۔ اینٹ کمپنی کی، لوہا کمپنی کا۔ بس مزدوری بھر خرچ آیا وہ بھی ٹھیکیداروں نے پورا کر دیا۔ دن رات نوٹ کے چکر میں ایسے پڑ گئے ہیں گھوشال بابو کہ اب کوئی دوسری چیز انہیں نظر ہی نہیں آتی۔

دلدار خاں اور رام بھجن پانڈے کو لیڈری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو ٹھیکیداری کیلئے اس لائین میں آئے تھے۔ اور ورما صاحب کے ایک اشارے سے ان کا کام ہو گیا۔ کمپنی کو بھی ٹھیکہ دینا ہی تھا کسی نہ کسی کو سوا نہیں کو دیدیا کم سے کم یہ دو آدمی تو ہاتھ میں رہیں گے۔

مزدور سنگھ کے آفس میں کافی بھیڑ رہتی ہے۔ مگر مزدوروں کی نہیں، اس لوٹ میں تھوڑا بہت حصّہ لینے کے لالچ میں کچھ ابن الوقت قسم کے لوگوں کا مجمع۔ خوب خوش گپیاں چلتی ہیں۔ مزدوروں کا ذکر نہیں ہوتا۔ اُن کے مسائل پر بات نہیں ہوتی۔ بس یونین اور ورما صاحب کے کارنامے بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی واہ واہ ہوتی ہے۔ مزدور اب اس تمام بھیڑ سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ مزدور سنگھ کے کرتا دھرتا لوگوں سے انہیں گھن آنے لگی ہے۔ وہ اب اتنے بے وقوف نہیں رہے کہ جدھر جی چاہا ہانک دیا۔ اب وہ سمجھنے لگے ہیں۔ کم از کم اتنا ضرور جان گئے ہیں کہ کون کام کر رہا ہے۔ اور کون نوچ کھسوٹ کر اپنا گھر بھر رہا ہے، منہ سے کوئی کچھ نہیں بولتا چاہے مصلحت سے چاہے خوف سے مگر اندر نفرت کا ایک شعلہ ضرور لہک رہا ہے۔

سُکھدیو یہ سب اچھی طرح جانتا ہے شروع سے اس کو معلوم ہے کہ یونین امدادِ باہمی کا ایک ایسا ادارہ ہے جس کو مزدوروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کوئی نہیں دیکھتا کہ کون جی رہا ہے اور کون مر رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس یونین کی بنیاد کا پہلا پتھر رکھنے والے اور اسی یونین کیلئے اپنی جان گنوانے والے لالہ دیب نارائین کو بھی لوگ بھول گئے ہیں۔

پچھلی تین برساتوں نے پن تلسی کی پہاڑیوں پر جمع ہوا خون دھو دیا ہے۔ ویسے بھی ان غریب مزدوروں کے خون میں اتنی لال اور اتنا جماؤ کہاں کہ زیادہ دن تک دکھائی دے سکے، سیاہ زمین لہو کی ساری سُرخی کو آہستہ آہستہ جذب کر لیتی ہے۔ ایک بیوہ عورت کی مجنونانہ چیخیں، ایک بوڑھی ماں کی خاموش بہتی ہوئی آنکھیں اور تین معصوم بچّوں کی سسکیاں ــ کتنی جلدی معدوم ہو جاتی ہیں سب۔ تیرہ دن کے بعد پھر پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ ہمدردی سے سر پر رکھے ہوئے ہاتھ اٹھا لئے جاتے ہیں۔ اور تب اوپر کھلا ہوا نیلا بے رحم آسمان ہوتا ہے۔ اور نیچے سخت، پتھریلی، کٹھور، اور سیاہ دل زمین، اور فضا میں چاروں طرف

بھوک کے بگولے لہراتے ہیں۔ بچوں کے سوکھے ہونٹ اور ترستی ہوئی آنکھیں کلیجہ نوچنے لگتی ہیں۔ تب فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ کچھ کرنا ہوگا۔ اب بغیر کچھ کئے گزارہ نہیں۔

چنانچہ لالہ دیپ نارائین کی ماں اور بیوی دونوں لوڈنگ کی نوکری کر لیتی ہیں۔ بوڑھی جھوڑی بھر کوئلہ لیکر چلتی ہے تو پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے۔ پاؤں لڑکھڑاتے ہیں۔ اب گری کہ اب گری۔ بہو زیادہ تر اس کے ساتھ رہتی ہے کہ کہیں بوڑھی کا پاؤں پھسلے تو وہ اس کو سنبھال لے۔ بے وقوف سنبھال سکے گی اسے؟ اب خود اس میں کتنی طاقت رہ گئی ہے۔

مگر قدرت بھی کتنی ستم ظریف واقع ہوئی ہے۔ بہو جو ہر پل اپنی ساس پر نظر جمائے رہتی تھی کہ کہیں گر نہ جائے۔ وہ نہیں گری۔ گری خود۔ ویگن اور عارضی پلیٹ فارم کے درمیان لگے تختے سے بھری جھوڑی لئے وہ ایسا پھسلی کہ ایکدم نیچے ریلوے لائین پر آگری۔ کمر میں ایسی چوٹ آئی کہ اٹھ ہی نہ سکی بلکہ کچھ دیر کیلئے تو بے ہوش ہوگئی۔ اس کو گرتا دیکھکر ساتھ کی عورتیں دوڑیں۔ لوڈنگ بابو دوڑے۔ آفس خبر پہنچی تو وہاں سے ڈھیر سارے لوگ پہنچ گئے۔ اسکو اٹھایا گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا جانگھ اور کمر کو جوڑنے والی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔

تین مہینے سے پلاسٹر میں پڑی ہے۔ دھوڑے کے کونے میں ایک جھلنگ چارپائی ہے اسی پر جھولتی رہتی ہے۔ بوڑھی ساس کے بدن میں اتنا بل نہیں کہ اسے اٹھا بٹھا کر ضروریات سے فارغ کرا سکے۔ وہ تو خیر یہی رہی کہ اس کی گھر والی بیچاری آ کر کسی طرح اس کو فارغ کرا دیتی ہے۔ اور میلا بھی پھینک آتی ہے۔ پھر بھی کوٹھری میں بہت کچھ رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں تو بدبو تو رہ ہی جاتی ہے۔ چنانچہ سہدیو جب اس اندھیری کوٹھری میں داخل ہوا تو اس کو ایسا لگا کہ مارے گندھ کے اس کی آنتیں الٹ کر اسکے حلق میں آگئی ہیں۔ آنکھیں اندھیرے سے ذرا مانوس ہوئیں تو اس نے دیکھا ایک گوشے میں ایک چارپائی پڑی ہے اور اس چارپائی پر ہڈیوں کا ایک ڈھانچ پڑا ہے۔

یہ للائین تھی —؟

ساڑھے پانچ فٹ اونچی۔ بھرے بدن کی کسی ہوئی عورت للائین جب توڑے پہنکر نکلتی تو اسکے توڑے کی آواز پر لوگ پلٹ پلٹ کر اس کو دیکھتے۔

کون بابو ۔۔۔؟

لالہ دیپ نارائن کے مہاروبا ۔۔!

اب لالائین چار فٹ کے سکڑے سمٹے ہڈیوں کے ڈھانچے میں بدل گئی ہے۔ اس نے سہدیو کو دیکھا تو ریں ریں کر کے رونے لگی۔

آج صبح صبح لالہ دیپ نارائن کی بوڑھی ماں آئی تھی۔

ایں ببوا۔ بہو کا حال ٹھیک نہیں ہے۔ تم کو بلایا ہے، بڑی بھوک مری ہے بٹیا۔!

مگر چاچی کمپنی پیسے تو دیتی ہے۔

ہاں ببوا، مگر ایک ٹھو کانے دیتی ہے، ایک جن کے پیسے سے اتنا بڑا پریوار کیسے چلیگا۔ تین ٹھو ریزہ ریزہ بچے ہیں۔ ہم وسوانگ تھک گیا بابو۔ بھگوان کاہے جو ہم کو چھوڑ دیا دھکہ کھانے کو۔

وہ صبح تو نہیں جا سکا تھا، لیکن ڈیوٹی کے فوراً بعد اس کے دھوڑے میں جا پہنچا تھا۔ جب تک لالہ جی زندہ تھے وہ بڑے وقار سے رہتی تھی، باہر نکلتی تو ہاتھ بھر کا گھونگھٹ کھینچا ہوتا۔ سہدیو کے سامنے کبھی پڑ جاتی تو ایکدم سے سمٹ جاتی۔ پر لالہ جی کے گذرنے کے بعد تو اس کو سب کچھ تیاگنا پڑا۔ لوڈنگ میں عام طور پر باوریں مسہریں یعنی بالکل نچلے طبقے کی عورتیں ہی کام کرتی تھیں، لالائین نے اپنی لوک لاج تیاگ کر، چھ برسوں کا گھونگھٹ کھول کر جو باہر پاؤں نکالا تھا تو اس کی ایک ہی وجہ تھی۔ اس کے بچے، انہیں کیلئے اُس نے یہ لمبی لڑائی لڑنی شروع کی تھی، پر کبھی کبھی بدھاتا بھی عجب کھیل کھیلتا ہے،

آج سہدیو نے نظر بھر کر اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو دیکھا، آج گھونگھٹ نہیں تھا، اب اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ سہدیو نے چاروں طرف کمرے میں نظر دوڑائی اور ایک مچیا کھینچکر اسکے قریب بیٹھ گیا۔

کیسی ہو بھوجی ۔۔؟

لالائین رونے لگی۔ آواز نہیں نکلی اس کے منہ سے۔

کوئی تکلیف ہے بھوجی۔ اب تو پلاسٹر بھی کٹ جائے گا جلد ہی۔!

اب نہیں بچونگی، اب ساہس نہیں رہا بھیا۔

وہ ہانپنے لگی، سہدیو اسکی طرف جھک گیا۔ اور اپنے لہجے کو کسی قدر بشاش بناتے ہوئے بولا۔

ہٹ! خراب بات کاہے سوچتی ہو۔ تمہارے تین بیٹے ہیں۔ بڑے ہو جائیں گے تو تمہارا گھر بھر دیں گے کما کر۔ کمپنی ان کو نوکری دیگی، یونین ان کیلئے لڑے گی۔

بڑے ہوں گے جب نا بابو۔ میں تو چلی۔ کون ان کو پالے پوسے گا۔ بوڑھی تو اپنے دم کو روتی ہے۔ بچوں کی چنتا ہی مجھے کھائے جا رہی ہے۔

دیکھو بھوجی! سہدیو سمجھانے لگا۔ جس کا کوئی نہیں ہوتا اسکا بھگوان ہوتا ہے۔ جو اتنی بڑی شرشٹی چلاتا ہے۔ وہی ان بچوں کا بھی انتظام کر دیگا۔ تم کاہے فکر کرتی ہو۔

اب تو بھیا اس پر بھی بھروسہ نہیں رہ گیا۔ ہم لوگوں نے کیا بگاڑا تھا کسی کا۔ لالہ جی بھی ایسے آدمی نہیں تھے جو کسی چیونٹی کا بھی دل دکھاتے۔ پھر یہ ڈنڈ کیوں دیا گیا۔

سہدیو چپ ہے۔ لالٹین کی باتوں میں جو سچائی ہے۔ اس کو کاٹنے کا، اپنے جھوٹے شبدوں سے ہی کاٹنے کا ساہس نہیں ہو رہا ہے اس میں بھگوان کو وہ بھی نہیں مانتا۔ مجمدار کے ساتھ رہ کر یہ بھرم بھی توڑ لیا ہے اس نے۔ پر دنیا کے ہزاروں لاکھوں دکھیوں، مجبوروں اور ٹوٹ کر بکھرنے والوں کیلئے یہ نام بڑا سہارا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا

اگر یہ بھی نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔

بڑھیا چوکھٹے پر بیٹھ کر بے آواز رو رہی ہے۔ پتہ نہیں اس بوڑھی کمزور اور لمحہ زائل ہوتی ہوئی آنکھوں میں اتنا آنسو کیسے رہ گیا ہے۔ لالہ جی کا بڑا لڑکا جس کی عمر اب آٹھ سال کی ہے۔ ماں کے پائنتانے بیٹھا اسکے پاؤں دھیرے دھیرے دبا رہا ہے۔ مہینوں سے لیٹے لیٹے سارا بدن تختہ ہو گیا ہے۔ بڑا لڑکا ہوشیار ہے۔ غریب اور بےسہارا لوگوں کیلئے آٹھ سال کی عمر بہت ساری باتوں کو سمجھنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ زمانہ انہیں روند کر کچل کر جلد تیار کر دیتا ہے کہ وہ اس لڑائی میں شامل ہو سکیں جسے ہم آپ نے ایک خوبصورت نام زندگی دے رکھی ہے۔

لالٹین تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی۔

بابو ہم تم کو اسلئے بلائے تھے کہ بھیم کو کہیں کسی کام سے لگا دیتے۔!

بھیم اسکے بڑے بیٹے کا نام ہے۔ وہی بڑا بیٹا جو ماں کے پاؤں دبا رہا ہے۔ سہدیو سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آٹھ سال کے لڑکے کو کہاں کام پر لگا دے۔ کولیری میں کام کرنے کیلئے کم سے کم اٹھارہ سال کا ہونا ضروری تھا۔

اگر کہیں کسی ٹھیکیدار کے یہاں بھی کہہ سُنکر کام دلا دے تو پھر وہ اتنے چھوٹے بچے سے کیا کام لے گا۔ لالاٹین اسکو سوچتا دیکھ کر بولی۔

اور نہیں تو کسی ہوٹل میں لگا دو بھیا۔ تمہاری تو بہت جان پہچان ہے۔ اور کچھ نہیں تو اپنا پیٹ تو بھر لے گا۔

کولیری میں ایسے ہوٹل بھی نہیں ہیں۔ البتہ بھوس بنگلہ یا جھریا میں کسی جگہ اس کو لگایا جا سکتا ہے۔ مگر پھر سوال ایک یہ بھی اٹھتا ہے۔ کہ لالہ گھرانے کا لڑکا کیا جھوٹے پلیٹ دھوئے گا۔؟ صبح چھ بجے سے دس بجے رات تک کام لیا جائے گا اس سے۔ کتنے دن ٹکے گا یہ۔؟ لالاٹین بولی۔

بہت آدمی سے کہا بھیا۔ مگر کوئی نہیں سُنتا، سب بولے کہ سہدیو بابو کہہ دینگے تو کوئی نہ کوئی کام مل جائے گا۔ اسکی بہت پہنچ ہے۔

سہدیو اپنے آپ سے سوال کرتا ہے۔ کیا واقعی اسکی بہت پہنچ ہے کہاں ہے یہ پہنچ۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہائیٹ صاحب اس کو مانتے ہیں۔ مزدور اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ مگر کیا ان سے یہ کام ہو جائے گا۔ وہائیٹ صاحب ضابطے کی پابندی کیلئے عمر کا سوال کھڑا کریں گے۔ اور مزدوروں کے اختیار میں ہے ہی کیا۔ رہ گئی یونین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ بولا۔ دیکھو بھوجی! اتنے چھوٹے سے بچے کیلئے کوئی بھی کام بہت مشکل ہے، پھر بھی میں یونین سے بات کروں گا کہ وہ کوئی ایسی صورت نکال دے کہ تمہاری پریشانی دُور ہو جائے۔

یونین ۔۔؟ ہم کو تو بھیا یونین پر ذرا بھروسہ نہیں۔ ہمرے مالک کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جھلنگ چارپائی پر اس کا بدن ہلنے لگا۔ اگر اس کے شریر میں طاقت ہوتی تو اتنے زور سے چیخ کر، دھاڑ کر روتی کہ سارا ارض وسما ہل جاتا، مگر وہ کمزوری کی اس آخری حد پر تھی۔ جہاں آواز نکالنا اس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ اس لئے

صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہلتا رہا۔ ریں ریں کی آواز آتی رہی۔ اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں سے سیال آگ قطرہ قطرہ چھلکتی اور اسکے سوکھے مرجھائے رخساروں پر بہتی رہی۔ سہدیو چپ چاپ اسکو دیکھتا رہا۔ زندگی میں ایسے مقام کیوں آتے ہیں۔ جہاں الفاظ اپنی تمام قوت اور شدت کے باوصف بیکار ہو جاتے ہیں۔ بریکار محض۔

لالائین بہت دیر تک روتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے اندر کا طوفان کم ہوتا گیا۔ بہت دیر بعد وہ بولی۔

سہدیو بھیا ایک بات میں تم سے بولنا چاہتی ہوں۔ کسی سے نہیں کہا ہے۔ پر اب مرنے کنارے آئی اسلئے تم کو بتا کے جانا چاہتی ہوں۔ یہ بات ہمیشہ میرا کلیجہ نوچتی رہتی ہے۔

سہدیو ہمہ تن گوش ہو گیا۔ اس نے سہدیو سے ایک سوال پوچھا۔

بھیم کے بابو کو کون مارا تھا۔ ؟

سہدیو نے جواب نہیں دیا۔ اسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔

سب سمجھتے ہیں کہ اس کو خان لوگ مارا۔ انعام الخاں کی پارٹی نے مارا پر یہ سچ نہیں ہے۔ تب سچ کیا ہے۔ ؟ ایک سوال سہدیو کے دماغ میں بجلی کی طرح کوندگیا مگر اس نے پوچھا نہیں۔

اسکو ورما صاحب کے آدمیوں نے ہی مارا تھا۔!

وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ؟ سب جانتے ہیں کہ انعام الخاں کے آدمیوں نے ہی اسکی جان لی تھی۔ بہت سے لوگ پکڑے بھی گئے تھے۔ دو آدمیوں کو دس دس سال کی سزا بھی ہوئی تھی، یہ سب کس نے کہدیا لالائین سے۔ اس نے سہج بھاؤ سے پوچھا۔

یہ بات تم کیسے کہہ سکتی ہو بھوجی۔ ؟ کس نے کہا تم سے۔

اگر کوئی کہتا تو میں وشواش نہیں کرتی۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ان تین آدمیوں نے جنھوں نے انکی ہتیا کی، وہ تینوں کچھ ہی دیر پہلے میرے گھر سے چائے پی کر گئے تھے۔ لالہ جی کی چیخ سنکر باہر نکلی تو ان لوگوں نے مجھے بھی پکڑ لیا۔ جان سے مارنے کی دھمکی دی۔ اور ہمیشہ کیلئے چپ رہنے کو کہا۔ انھوں نے صاف کہا کہ اگر تم نے زبان

کھولی تو تمہارے تینوں بچّوں کو جانک میں ڈال دینگے۔ سو بابو میں ڈر گئی۔ مانگ تو اجڑ ہی چکی تھی۔ اب کم سے کم کوکھ تو بچ جائے۔

سہدیو کو ایسا لگا جیسے کسی خوبصورت، بارعب، بے حد نرم چمکیلے چہرے کو کسی نے نوچ لیا۔ پتہ چلا کہ وہ صرف ایک مکھوٹا تھا۔ اصل صورت اتنی کریہہ اتنی بھیانک، اتنی گھناونی ہے کہ اس کو نظر بھر کر دیکھنا بھی مشکل لگتا ہے۔

لالائین پھر رونے لگی ہے۔ یادوں کا خنجر اسکے دل میں بہت دُور تک اُتر گیا ہے قطرہ قطرہ بوند بوند لہو اسکی آنکھوں سے اُبل رہا ہے۔ یہ جو کمرے کی خاموشی میں مسلسل ایک آواز ڈوب کر ابھر رہی ہے۔ یہ رونے کی آواز نہیں ہے۔ یہ ایک مسلسل چیخ ہے جو اندر ہی اندر اپنی چیتکاریں کھو چکی ہے۔ سہدیو کو لگتا ہے اسکا دم گھٹ جائے گا۔ سانس ایک آزار کی طرح تکلیف دہ ہو گئی ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

ٹھیک ہے بھوجی میں کوشش کرونگا کہ بھیم کیلئے کچھ کر سکوں۔

وہ کمرے سے باہر آتا ہے۔ کھلی ہوا اسکو زندگی کا، زندہ ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ وہ آس پاس چلتی ہوئی بھیڑ کو دیکھتا ہے۔ چائے کی دکانوں اور شراب خانوں سے لوٹتے لوگ، جوا کھیلنے کیلئے جاتے لوگ، ہنستے بولتے، بات چیت کرتے لوگ، زندہ گرم اور جوان لوگ۔ یہ سب کون ہیں۔ کیا واقعی یہ لوگ زندہ ہیں۔؟ اور اگر زندہ ہیں تو کیا انہیں احساس ہے کہ موت ان کی پشت پر کھڑی ہے۔ ان کے ساتھ پہلو بہ پہلو چل رہی ہے روز ان کا شکار ہوتا ہے۔ یہ روز مرتے ہیں جو حادثوں سے بچ جاتے ہیں۔ وہ بھوک سے مرتے ہیں۔ جو بھوک سہلیتے ہیں۔ وہ کبھی نہ اچھی ہونے والی بیماریوں سے مرتے ہیں۔ جو بیماریوں سے بھی بچ جاتے ہیں۔ وہ قرض کی ذلت اور اہانت سے مرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی آستین میں چھپے ہوئے خنجروں سے بھی مرتے ہیں، چاروں طرف موت کی گرم بازاری ہے۔ انگنت اندھیری کوٹھریاں، انگنت جھیلنگ چارپائیاں، اور ان چارپائیوں پر جھولتے ہوئے ان گنت کنکال اور پی این ورما کی سفید کار سے اڑتی ہوئی سیاہ دھول جو آہستہ آہستہ پھیپھڑوں پر بیٹھتی جا رہی ہے،

وہ گھر آتا ہے تو یونین کے ایک آدمی کو اپنا منتظر پاتا ہے۔

ورما صاحب نے آپ کو بلایا ہے آفس میں۔

کہہ دو میں نہیں جاؤں گا۔

وہ آدمی ہکا بکا کھڑا ہے۔ بات اسکی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ ورما صاحب بلائیں اور کوئی آدمی جانے سے انکار کر دے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا اتنی ہمت رکھنے والے بھی اس موہنا کولیری میں رہتے ہیں۔ اتنی جرائت تو شاید سی ایم ای۔ ڈبلیو بی وہائٹ بھی نہ کر سکیں۔ وہ بات کو اور وزن دار بنانے کیلئے پھر کہتا ہے۔

الکھ بابو۔ گھوشال بابو۔ بھگت جی سب آفس میں موجود ہیں۔ ورما صاحب آپ کو خاص طور پر یاد کر رہے ہیں۔

جاکر کہہ دو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ مجھے یونین کے کاموں سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ وہ آدمی سمجھانے لگا۔

کیا کرتے ہیں ربانی صاحب۔ اتنا بڑا لیڈر آپ کو بلا رہا ہے کہ اگر بارہ بجے رات کو ایس پی کے یہاں آدمی بھیج دے تو وہ اسی وقت چلا آئے، صبح کا انتظار بھی نہ کرے اور آپ جانے سے انکار کر رہے ہیں۔ آپ کو پاگل کتے نے کاٹا ہے کیا۔؟

سنو! سہد یو نے اسکو آگے کہنے سے روک دیا۔ سنو میں ٹرنر موریسن کمپنی کا نوکر ہوں اور کسی کا نہیں۔ مجھے ان مزدور یونینوں سے نفرت ہے، جو اپنے نام کے ساتھ مزدور کا لفظ جوڑ کر رکھتے ہیں۔

ٹھیک ہے۔ وہ آدمی قدرے جیں بر جبیں ہو گیا۔ آپ جو کر رہے ہیں اسکا پریناام کبھی اچھا نہیں ہوگا۔ جن کا راج چلتا ہے موہنا کولیری میں انہیں سے بیر بسانا عقلمندی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا آپ چلے چلئے میں اپنا منہ بند رکھوں گا۔

تم اپنا منہ کھول دینا۔ میں نہیں جاؤں گا۔

ٹھیک ہے آپ سمجھئے گا۔ وہ آدمی برہم ہو کر پاؤں پٹکتا چلا گیا۔

دوسرے دن جو ناتھن نے اس سے کہا۔

کل سنا تمہارے پاس ورما صاحب کا آدمی گیا تھا بلانے اور تم جانے سے انکار کر دیا۔

تم سے کس نے کہا۔؟

تمام کولیری میں چرچا ہے اس بات کی۔

سہدیو کے دماغ سے ابھی تک لالٹین کے کمرے میں سسکتی، روتی، بلکتی موت فراموش نہیں ہوئی تھی۔ کل شام کا تلخ ذائقہ ابھی تک ہونٹوں پر موجود تھا۔ ذہن میں جیسے کوئی انگارہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ رہ رہ کر دہک اٹھتا تھا۔

مجھے ان یونینوں سے نفرت ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ کولیری مزدور سنگھ کوئی کام کرے گی یا کم سے کم ان لیبروں کو ایک نظر دیکھے گی جن کے بدولت انہیں یہ بادشاہت ملی ہے۔ مگر یہ لوگ..... انعام الحق اور پی این ورما میں فرق کہاں رہ گیا ہے۔

جوناتھن گھمبیرتا سے بولا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ دھیرے دھیرے سب لوگ نفرت کرنے لگے ہیں ان سے، پھروہ رازداری سے بولا۔

اسی بات کی تو میٹنگ تھی آفس میں۔ اس بار اندازہ ہے کہ پچیس فیصد بھی ٹکٹ نہیں کٹے گا۔ یونین کافی بدنام ہو گئی ہے۔ جو لوگ یہاں یونین کے کرتا دھرتا ہیں وہ سب لوٹ مچائے ہوئے ہیں۔ ورما صاحب اچھے آدمی ہیں۔ انھوں نے کبھی کسی لیبر سے ایک پیسہ نہیں کھایا۔ ان کو جب پتہ چلا کہ یہاں کی حالت اتنی دگرگوں ہے۔ کہ اس بار شاید موہنا کولیری میں ان کا سنگھاسن ہی ڈول جائے تو وہ پریشان ہو گئے۔ یہاں ان کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہوئی لیبر جسکی گرفت میں ہوں۔ بہت چھان بین کے بعد تمہارا نام آیا کہ پوری کولیری میں وہی ایک ایسا آدمی ہے جو اگر مزدوروں کو کہدے تو اس کی بات اٹھانا ان لوگوں کیلئے مشکل ہو جائے۔ اس بار یونین نے تمہیں کوئی عہدہ دینے کا بھی فیصلہ کیا تھا.....

مجھے یونین کے اعزاز و اکرام کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے لیڈر بننے کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھا۔ میں ایک مائننگ مین ہوں اور یہی میری شناخت بھی ہے اور یہی امتیاز بھی۔

مگر یونین سے بیر بسا کے رہنا بھی تو مشکل ہے۔

دیکھو جوناتھن۔! وہ چلتے چلتے رک گیا میں یونین کے بھروسہ پہ زندہ نہیں ہوں، میں محنت بیچتا ہوں، کہیں بھی بیچ سکتا ہوں۔ کوئی میرے یہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا، یونین ناراض ہو کر میرا کیا کر لیگی۔ ؟

یہ مت کہو سہدیو۔ یونین کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور وہ کچھ بھی کر سکتی ہے،

کرنے دو مجھے پرواہ نہیں ہے۔

وہ باتیں کرتے ہوئے وائنڈنگ روم تک آئے۔ ابھی کیج پر سوار ہونا ہی چاہتے تھے، کہ آفس کا پیغام سہدیو کو ملا کہ وہائٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ ابھی۔ فوراً۔

اس نے جوناتھن کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولا۔

لگتا ہے عتاب نازل ہوگیا۔

لگتا تو ہے۔

وہائٹ صاحب آفس میں اکیلا نہیں تھا جب سہدیو وہاں پہنچا۔ وہائٹ صاحب کے ساتھ لوکس صاحب بھی موجود تھے اور ایک ایسا آدمی بھی جسے سہدیو پہچانتا نہ تھا مگر جو اپنی وضع قطع سے یونین ہی کا کوئی آدمی لگتا تھا۔ خلاف توقع وہائٹ صاحب نے اس کو کرسی پیش کی۔ مگر اس نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔

1

وہائٹ صاحب اس کو غور سے دیکھ کر بولا۔

ویل مسٹر رمانی آج صبح پی این ورما کا فون آیا تھا۔ تم نے ان کے پاس جانے سے انکار کیوں کر دیا۔

سر میں ایک مائننگ مین ہوں اپنے کام سے زیادہ دلچسپی ہے مجھے۔

I Know

وہائٹ صاحب ہنس دیا

مگر مسٹر ورما دراصل تم سے کچھ مدد لینا چاہتے ہیں یونین ممبرشپ کیلئے۔

مجھے معلوم ہے سر۔ مگر مزدور میری بات نہیں مانینگے۔

یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو مسٹر رمانی مجھے معلوم ہے کہ مزدوروں پر تمہارا زبردست ہولڈ ہے۔ وہ تمہاری ہر بات مان لیتے ہیں۔ اتنا بڑا لیڈر تم سے REVUEST کر رہا ہے کیا یہ بڑی بات نہیں ہے۔

وہائٹ صاحب اسکو سمجھانے لگا۔ دیکھو کولیری میں رہنے کیلئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، صرف کوئلہ کاٹنا ہی کام نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا آفر ہے تمہارے لئے۔ آگے بڑھنے کے لئے ایک کھلا راستہ پڑا ہے۔ یہ ایک سیڑھی ہے اوپر چڑھنے کیلئے۔

سہدیو بہت دیر تک چپ رہا۔ پھر دھیرے دھیرے اپنا سر اٹھایا اور بہت ٹھہر کر بولا۔
سَر مزدور میری بات نہیں مانیں گے۔ میں لیڈر نہیں ہوں۔ مائننگ سے متعلق وہ میری باتیں اس لئے مان لیتے ہیں کہ وہ صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن یونین کے معاملے میں ان کے اپنے فیصلہ ہیں۔

گہری خاموشی چھا گئی۔ تینوں آدمیوں نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں کیا بات ہوئی یہ بات وہ بھلی بھانتی جان گیا تھا۔ وہائٹ صاحب نے کینہ توز نظروں سے اسکی طرف دیکھا اور بھرے گلے سے بولا۔

ٹھیک ہے جاؤ۔!

اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ اندر ہی اندر دہل گیا۔ مگر سہدیو کے دماغ میں بس ایک ہی تیزاب کھول رہا تھا۔ لالہ دیپ نارائن کا۔

اور سسکیوں کے درمیان کہی گئی لالٹین کی بات کی چوٹ سے اسکا سارا وجود جھنجھنا رہا تھا۔

یہ متوقع عتاب تین ہفتہ بعد ٹوٹا جب وہائٹ صاحب نے پھر اسکو اپنے آفس میں بلایا۔

تم یہ بتا سکتے ہو کہ دو ہفتہ سے ریزنگ کیوں ڈاؤن ہے۔؟

ٹرنر موریسن کی ہر کوئلہ کی کان کی ایک ٹارگٹ ریزنگ تھی یعنی جس کان سے دو سو ٹن کوئلہ نکلتا ہے تو اس ٹارگٹ کو پورا کرنا ضروری تھا۔ مگر یہ ذمہ داری اس کی نہیں تھی۔

اسکو چپ دیکھ کر وہائٹ صاحب نے کسی قدر برہمی سے پوچھا۔

تم نے میرا سوال سن لیا ہے۔؟

سوال اس نے سن لیا تھا مگر اسکی چھوٹی سبزی مائل آنکھوں میں جو ایک سفاک چمک تھی۔ وہ اسی کو دیکھنے میں لگ گیا تھا۔ وہائٹ صاحب کے دوبارہ پوچھنے پر وہ چونکا۔

مگر یہ میری ذمہ داری نہیں ہے صاحب! یہ بات آپ مائننگ سردار سے یا اوورمین سے پوچھ سکتے ہیں۔!

کس کی کیا ذمہ داری ہے میں خوب جانتا ہوں۔ تمہارے متعلق شکایت ہے کہ تم خود تو کام کرتے نہیں، دوسروں کو بھی نہیں کرنے دیتے۔

یہ بالکل غلط الزام ہے سر! دو ہفتہ سے سپورٹ نہیں ملتا۔ اٹھارہ عدد کھونٹے کیلئے کوئی دو ہفتہ سے کہا جا رہا ہے۔ وہ ابھی تک نہیں ملا۔ دو گارڈر چاہیئے تھا۔ وہ بھی نہیں ملا۔ حد تو یہ ہے کہ "کھلیا" بھی نہیں ملتا۔

یہ سارے ایکس کیوز میں نہیں مانتا۔ اگر ایسا تھا تو تم نے رپورٹ کیوں نہیں کی۔؟

میں نے رپورٹ کی ہے۔ مائننگ سردار سے بھی اور اوورمین سے بھی۔

تم نے ڈائرکٹ مجھ سے کیوں نہیں کہا اگر ایسا تھا۔

ایسا کرنے سے سمجھا جاتا کہ میں نے مائننگ سردار اور اوورمین کی رپورٹ کی ہے۔ سر سیدھی بات یہ ہے کہ یہ جو مجھے سپورٹ نہیں مل رہا ہے۔ یہ جان بوجھ کر ہو رہا ہے۔ دانستہ، کسی سازش کے تحت۔

اپنی غلطی دوسروں کے سر مت منڈھو۔ تم اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ تم نے جان بوجھ کر ریزنگ ڈاؤن کر رکھی ہے۔ یہ سراسر تمہاری بدمعاشی ہے۔!

اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر وہ ضبط کئے کھڑا رہا۔

تم یہ چارج شیٹ لو۔ کمپنی ایسے آدمیوں کیلئے کوئی ہمدردی نہیں رکھتی جو اپنے کام میں کھرے نہ ہوں، یا جو کمپنی کے وفادار نہ ہوں"!

وفاداری ــ؟

وفاداری کا مطلب جانتے ہیں آپ وہائٹ صاحب۔؟ شاید وفاداری سے آپ کا مطلب لوکس صاحب کا کتا ہے۔ لوکس صاحب کا کتا جو پیروں کی چاپ پر دم ہلانے لگتا ہے، بغیر بلائے، بغیر چمکارے، اور جب لوکس صاحب نزدیک پہنچتا ہے تو اپنی لمبی سرخ زبان سے اس کے جوتے چاٹنے لگتا ہے۔

غیر مشروط وفاداری!

اسس کو یاد آتا ہے۔

کول مائنس آفس سے دو انسپکٹر آئے ہیں۔ ان کو کوئلے کا نمونہ لینا ہے۔

Sample تاکہ وہ رسائنک جانچ کے بعد یہ طے کر سکیں کہ یہ کس گریڈ کا کوئلہ ہے۔

کوئلہ کا گریڈ جس سے اس کی قیمت مقرر ہوتی ہے۔ لوکس صاحب اس کو بلواتے ہیں۔

مسٹر سہدیوان صاحب لوگوں کو نیچے لے جاؤ اور کوئلے کا سیمپل دیدو۔!

چار مزدور ان کے ساتھ کر دیئے جاتے ہیں۔ ان چاروں نے بڑے بڑے ہاف پینٹ پہن رکھے ہیں۔ ان کی جیبیں بھری ہوئی ہیں۔ سہدیو جانتا ہے ان میں اے گریڈ کوئلے کا سفوف ہے۔

یہ قافلہ نیچے اترتا ہے۔ سہدیو ایک جگہ مزدوروں سے چھ انچ کی پٹی کاٹنے کو کہتا ہے، ایکدم اوپر سے نیچے تک From Top to Bottom مزدور گینتا لیکر دیوار کو چھیلنا شروع کرتے ہیں۔ جب یہ کام مکمل ہو جاتا ہے۔ تو نیچے گرے ہوئے کوئلے کو چور کر سفوف بنا لیا جاتا ہے، بس یہی موقع ہے۔ سہدیو انسپکٹروں کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں گپ میں پھنساتا ہے اور چاروں مزدور اپنی جیبوں میں رکھا کوئلے کا سفوف اس کوئلے میں رلا دیتے ہیں۔ بوری بھر کر یہ کوئلہ باہر لایا جاتا ہے۔ پھر مہر بند کر کے رسائنک جانچ کیلئے دونوں انسپکٹر اسے لے جاتے ہیں۔ اب C گریڈ کا کوئلہ B گریڈ ہو جاتا ہے، اور یہی C گریڈ کوئلہ B گریڈ کی قیمت پر تمام سرکاری کارخانوں میں سپلائی ہوتا ہے، اور سال بھر میں تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کا منافع ٹرنر موریسن کمپنی کو دیتا ہے۔

وفاداری کی ایک اور کہانی اس کو یاد ہے۔

رات کو آٹھ بجے وہائٹ صاحب نے اسکو اور Over man شیو پوجن کو بلوایا ہے۔ آفس میں نہیں، بنگلے پر۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ دونوں وہاں پہنچتے ہیں تو وہائٹ صاحب بے چینی سے برآمدے میں ٹہل رہا ہوتا ہے۔ وہ انہیں لے کر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے۔

تم لوگوں کو معلوم ہے کل اسٹرائک ہے۔؟

ہاں صاحب!

تو کل تم لوگوں کا کھاد چالو رہے گا۔!

مگر یہ کیسے ممکن ہے سر۔؟

سب ممکن ہے، دنیا میں سب ممکن ہے۔

سر یہ جنرل اسٹرائک ہے۔ پورے ہندوستان میں جتنی کولیریاں ہیں سب بند رہیں گی۔

وہ ٹھیک ہے۔ مگر ٹرنر موریسن چالو رہے گا۔

مگر یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے سر!

کیسے ممکن نہیں ہے۔؟ وہ گرج کر پوچھتا ہے۔

سر تمام لیبر کو معلوم ہے کہ کل اسٹرائک ہے کل کوئی آدمی کام پر آئے گا ہی نہیں،

یہ میں نہیں جانتا، بس اتنا جانتا ہوں کہ کل ٹرنر موریسن چالو رہے گا۔ اگر سو آدمی نیچے نہیں جائے گا تو بیس آدمی سے چالو رکھو، دس آدمی سے چالو رکھو۔ پچاس گاڑی کی جگہ صرف پانچ گاڑی ریزنگ کرو مگر کام چالو رکھو،

یونین۔؟ پی این ورما کا کیا ہوگا سر۔؟

اسی کو تو جتانا ہے کہ یونین کی مناہی کے باوجود کام ہوگا، ہو سکتا ہے،

پھر اس نے خاموش ہو کر چند لمحوں تک انہیں بڑے پیار اور اپنائیت سے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

تم لوگ کمپنی کے وفادار ہو۔ کمپنی کو تم پر بھروسہ ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یونین تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ٹرنر موریسن کمپنی کا سارا امنجمنٹ تمہارے ساتھ ہے۔

دونوں باہر نکل کر بہت سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ کیسے کیا ہوگا۔؟ لیبر کو کیسے لایا جائے گا، پھر یونین کو کیا جواب دیا جائے گا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بڑی دیر کے سوچ بچار کے بعد سہدیو پوچھتا ہے۔

اچھا ایک بات بتاؤ کیا یونین کے آدمیوں نے تمہیں اطلاع دی ہے اس اسٹرائک کے بارے میں

نہیں ۔!

یونین کے کسی لیڈر نے ۔؟

نہیں کسی نے کچھ نہیں بتایا۔

تب تو یونین سے بچنے کا راستہ ہے۔ ہم لوگ کہدیں گے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا۔ اگر اسٹرائک تھا تو آپ کے یہ آدھا درجن لیڈر ہیں ان میں سے کسی نے خبر کیوں نہیں کی۔

ہاں یہ راستہ تو ہے۔ لیکن لیبر کو کیسے لایا جائے گا۔

شیو پوجن بولا۔ ایک راستہ ہے اگر یہ داؤں چل گیا تو سمجھو چل گیا۔ ہم لوگ صبح آکر وائنڈنگ روم کا ہارج چالو کرا دیں۔ خالی ڈولی اندر جائے اور باہر آئے اپنے کوارٹروں سے لیبر جب یہ دیکھیں گے کہ چانک کا چکہ چل رہا ہے تو وہ سمجھیں گے کہ کھاد چالو ہے۔

دوسری صبح لوگوں نے یہی کیا بھی۔ کل بتیس ۳۲ مزدور آئے انہیں سمجھا بجھا کر نیچے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد وہ خود بھی نیچے چلے گئے۔ اور اس طرح اس دن جب سارے ہندوستان کی کولیریاں بند تھیں۔ ٹرنر موریسن چالو رہا۔

کیا سوچنے لگے مسٹر رمانی۔؟

کچھ نہیں سر۔ سوچ رہا ہوں وفاداری کا کیا مطلب ہے۔؟

وہائٹ صاحب نے بے حد میٹھے لہجے میں کہے گئے۔ اس جملے کی ساری تلخی کو محسوس کیا۔ ایک لمحہ کیلئے اس کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ پھر بولا۔

To be loyal in Every situation ہی وفاداری ہے

اور تم اس میں ناکام ہو۔ سہدیو زیر لب مسکرایا۔ چوٹ گہری نہ سہی مگر لگی ضرور تھی۔ وہائٹ صاحب کو اسکو ایک عجیب بے نام سی وحشیانہ خوشی کا احساس ہوا۔ وہ جانے کے لئے مڑا تو وہائٹ صاحب نے اس کو روک لیا۔

تم نے ان موسا جوائن کر لیا ہے۔؟

اس بار سہدیو نے چونک کر اسکو گہری نظروں سے دیکھا۔ تو اس چارج شیٹ کی ایک وجہ یہاں بھی موجود تھی۔ اس نے جلدی سے کہا۔

نہیں سر! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اور ابھی تو میں سردار بنا بھی نہیں ہوں۔

کل مدھوبن میں انکی جو میٹنگ ہو رہی تھی اسمیں تم شامل تھے۔؟

میں اس میٹنگ میں شامل نہیں تھا۔ ادھر سے گذرتے ہوئے ذرا کی ذرا رک گیا تھا۔

اور یہ سچ تھا کہ ادھر سے گذرتے ہوئے وہ ذرا کی ذرا وہاں رکا تھا۔ لوگوں نے اسے پہچان لیا اور بازو سے پکڑ کر ایک کرسی پر بیٹھا دیا۔ وہائٹ صاحب نے پھر اپنی چھوٹی سبزی مائل درندے کی آنکھوں کی طرح چمکیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ سہدیو کو ایسا لگا جیسے یہ آنکھیں دور تک اس میں اترتی اور اسکو کھنگالتی جا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہائٹ صاحب سانپ کی طرح پھپھکار کر بولا۔

تم کو اس میٹنگ میں کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ اور ورما صاحب بہت ناراض ہیں اس بات سے اپنے آپ کو ان تیز تیکھی دور تک اتر جانے والی نظروں سے بچایا۔ خود کو مجتمع کیا۔ اور قدرے بے خوفی سے بولا۔

ان موسا کوئی غیر قانونی پارٹی نہیں ہے وہ تو Indian Nat رہ گئی ورما صاحب

کی ناراضگی کی بات تو وہ تو پہلے ہی مجھ سے بہت خفا ہیں۔

ان کی خفگی مہنگی پڑ سکتی ہے تمکو۔!

سر میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں ایک ورکر ہوں۔ ورما صاحب سب کچھ کر سکتے ہیں مگر میرے یہ ہاتھ نہیں چھین سکتے۔

بہت گمان ہے تمکو ان ہاتھوں پر۔؟

یہ ہاتھ ہی تو ہمارے سب کچھ ہیں۔

ناں سنس۔ سارے کام ہاتھ سے نہیں ہوتے۔ کچھ کام دماغ سے بھی کئے جاتے ہیں، تم کو چاہیئے کہ ورما صاحب سے ملکر ساری غلط فہمیاں دور کر لو۔ ان سے معافی مانگ لو۔

یہ ممکن نہیں ہے سر۔ میں تلوے چاٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

کیا مطلب۔؟

مطلب یہ سر کہ میں لوکس صاحب کے کُتّے جیسا Loyal نہیں ہوں۔

وہائٹ صاحب نے غصہ سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

بہت بولنے لگے ہو آجکل۔ مگر یاد رکھو ٹرنر موریسن سے نکلنے کے بعد تمہیں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں ملے گی۔

وہی خوفناک اچانک پھٹ پڑنے والا غصہ اس میں تلملایا مگر اس نے ضبط کر کے اس گوری چمڑی اور سفاک نیلی آنکھوں والے آدمی کو دیکھا۔ اور آہستہ آہستہ سر اٹھا کر بولا۔

سر جو لوگ ٹرنر موریسن میں کام نہیں کرتے وہ بھی جا رہے ہیں۔ جو لوگ اس کالی دنیا سے الگ ہیں وہ بھی زندہ ہیں۔ دنیا بہت وسیع ہے سر! میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہونیوالا ہے مگر میں بڑے خلوص سے یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس پر پچھتاوا افسوس کبھی نہیں ہوگا۔

گفتگو ایک انجام کو پہنچ گئی تھی اسلئے سہدیو نے آداب کیا اور باہر نکل گیا۔

تب ابھی صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ زندگی شروع کرنے کا وقت زندگی شروع بھی ہو گئی تھی۔ چانک کا چکہ چل رہا تھا۔ ڈولی بول اور ہابس ہو رہی تھی۔ آٹھ دس دس آدمیوں کا گروپ ان کیجول سے نیچے اتار اجا رہا تھا۔ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں مزدور وائنڈنگ روم کے پاس نیچے جانے کیلئے اکٹھا ہو رہے تھے۔ پھیری کرنے والے زمین پر ٹاٹ بچھائے اس پر اپنا سامان پھیلائے آوازیں لگا رہے تھے۔ لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے، قہقہہ لگانے کی آوازوں سے سارا ماحول ہمک رہا تھا۔ ME آفس سے نکلکر وہ وائنڈنگ روم کی طرف نہیں گیا۔ آج اسکو نیچے نہیں جانا تھا۔ اسکی ضرورت بھی کیا تھی۔ یہ چارج شیٹ ایک پروسیس بھر تھا۔ ایک کھلی ہوئی سازش، ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اسکو نکال باہر کرنے کا خاکہ۔ وہ جانتا ہے اس کے کسی بھی جواب سے کمپنی مطمئن ہونے والی نہیں ہے۔ بس ایک اپ چار کتا پوری کی جا رہی ہے۔

جونا تھن شام کو اس کے گھر آیا تھا۔

مل گیا ہے ـــ؟

ہاں ـــ!

دیکھوں کیا چارج لگائے گئے ہیں۔

سب وہی چارج ہیں جن سے کسی کو نکالا جا سکتا ہے۔

دن بھر میں یہ خبر بہت دھیرے دھیرے ساری کولیری میں پھیل گئی تھی یونین والوں کے کیمپ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ دوسرے مزدوروں کو دھمکاتے پھر رہے تھے، دیکھا یونین سے ٹوٹنے کا مطلب۔

سالا بہت اکڑتا ہے سمجھتا ہے وہی پی این ورما ہو گیا ہے۔ سالا وہائٹ صاحب کا چمچہ۔ ارے ورما صاحب تو ایس پی، ڈی ایس پی کا کان پکڑ کر تبادلہ کروا دیتا ہے منٹوں میں یہ سالا دو کوڑی کا لوڈر کس کھیت کی مولی ہے۔ اب بلائے ان موسا والوں کو۔

جو ناتھن فکر مند ہے۔ پربتی بالا بھی بہت گھبرائی ہوئی ہے۔ دونوں مل کر اس کو سمجھاتے ہیں۔

ابھی بات نہیں بگڑی ہے۔ یا یوں سمجھ لو کے سب دروازے ابھی بند نہیں ہوئے ہیں۔ اگر تم کہو تو گھوشال بابو سے یا الکھ بابو سے بات چیت کی جا سکتی ہے۔ اب بھی معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے۔

مگر سہدیو کے اندر جو آگ دھندھک رہی ہے۔ وہ ان چھینٹوں سے بجھنے والی نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ اٹل ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ آگے اتھاہ گہرا اندھیرا ہے۔ کہیں کوئی روشنی نہیں۔ ایک شعلہ بھر بھی نہیں، ایک چنگاری بھر بھی نہیں، مگر پھر بھی وہ ہار ماننے پر تیار نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر آج وہ جھک گیا تو زندگی بھر کبھی سیدھا کھڑا نہیں ہو سکیگا یہ لوگ اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ اتنی بڑی قیمت چکانے کیلئے تیار نہیں ہے۔

کولیری کے مزدوروں میں بے چینی ہے۔ تھوڑی سی ہلچل۔ وہ سہدیو کے ساتھ کی جانے والی کھلی بے انصافی سے بخوبی واقف ہیں۔ انہیں یونین اور کمپنی کا یہ اقدام سخت ناپسند ہے مگر وہ کچھ کر نہیں سکتے۔ وہ سوچ سکتے ہیں، کڑھ سکتے ہیں مگر اپنے غم و غصہ کے اظہار کیلئے نہ ان کے پاس زبان ہے۔ اور نہ خود کو کسی شکل میں ڈھالنے کی جرأت ان کا اپنا آپ کچھ نہیں ہے۔

وہ یونین اور ٹھیکیداروں کے ڈنڈوں سے ہانکے جاتے ہیں۔ پہلوانوں اور بدمعاشوں کے ذریعہ کنٹرول کئے جاتے ہیں۔ اور جو ذرا تجاوز کرتے ہیں اس کے لئے ٹرنر مور لیسن

کمپنی کا وہ بجلی کا ہیٹر جس کو جو چھولے وہ ختم ۔

سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ سہدیو کی نوکری چلی گئی۔ آمدنی کا ایک اکیلا راستہ تھا جو بند ہو گیا۔ اب لوگ کوارٹر خالی کروانے کے پیچھے پڑے ہیں۔ اس ننگی بھوکی دنیا میں کچھ نہیں بچا ہے۔ بس ایک غصّہ، ایک جھلاہٹ، تھوڑی سی آگ، تھوڑی سی نفرت اور اسکے علاوہ ایک چیز جو اور بچ رہتی ہے وہ ہے شراب ۔

شراب جو غصّے کو فزوں کرتی ہے۔ اندر دھدکنے والی آگ کو تیز تر کر دیتی ہے۔ اور زیادتی، اس ظلم سے لڑنے کی جرائت عطا کرتی ہے۔ منہ کو زبان اور زبان کو بولنے کی طاقت بخشی ہے۔ اور تب آدمی ہوا میں مٹھی بھینچ کر اور چیخ کر کہہ سکتا ہے۔

تم کو معلوم ہے لالہ دیپ نارائین کا خون کس نے کیا تھا ــــ؟

چائے اور پان کی دکان میں لگی بھیڑ متوجہ ہوتی ہے۔ سہدیو آج پی کر بورا گیا ہے۔

دیپ نارائین کو خان گروپ نے نہیں مارا ہے۔ اس کو انعام الخان کی یونین والوں نے بھی نہیں مارا۔

کافی لوگ اکٹھا ہو گئے ہیں۔ لوگوں چاروں طرف سے سہدیو کو گھیر لیا ہے، وہ سچی بات سُننا چاہتے ہیں۔ وہ ایک آدمی کو سچ بولتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

لالہ دیپ نارائن کو پی این ورما نے مروایا ہے۔

ہَٹ کیا بولتے ہو سہدیو بھائی ــــ؟

ٹھیک بولتا ہوں۔ اس کو پی این ورما کے آدمیوں نے گولی ماری تھی۔

نہیں ــــ!

میں ثبوت دے سکتا ہوں۔ ثابت کر سکتا ہوں، ابھی اس کی بیوی زندہ ہے، لالائین نے

سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

ایسا ہوا ہے۔ جن لوگوں نے اسکو مارا وہ اسی کے گھر سے چائے پی کر نکلے تھے۔

تبھی چائے کی دکان سے دو پہلوان اٹھتے ہیں۔

کالو لا رے سالا ——؟

ٹھیک بولتا ہوں۔

ایک اس کا گریبان پکڑ لیتا ہے۔

سالا پی کے بدکھی بتیاتا ہے۔

بات بگڑنے لگی ہے۔ سہدیو کے چاروں طرف جمع بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی ہے۔ پہلوانوں سے دہشت زدہ لوگ کھسکنے لگتے ہیں۔ اب کچھ ہوگا...... اب کچھ....

سالا چار چلو پی کے بورا گیا ہے۔ سالے اتنا ماریں گے کہ گھر کا راستہ بھول جائیگا۔

پہلوان اس کو جھٹکا دیتا ہے۔ وہ گرنے کو ہوتا ہے تبھی اسے دوسرا پہلوان چھڑا دیتا ہے،

چھوڑو سالے کو نشہ میں ہے۔

چورا ہے کی ساری بھیڑ غائب ہو گئی ہے اب وہاں کوئی نہیں ہے نہ سچ سننے والا، نہ سچ بولتے ہوئے کسی کو دیکھنے والا۔ پہلوان اس کا گریبان چھوڑ دیتا ہے۔ سہدیو لڑکھڑا کر زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔

سالا ابھی پی این ورما سنے گا تو گانڑ میں ڈنڈا کروا دیگا۔ جانتا نہیں ہے اس کو۔ وہ جانتا ہے، وہ پی این ورما کو جانتا ہے، وہ ان پہلوانوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ وہائٹ صاحب اور اس کے گرگوں سے بھی واقف ہے۔ وہ ان سارے پالتو ٹھیکیداروں سے بھی آگاہ ہے جو در اصل منجمنٹ کے دلال ہیں۔ وہ اس ساری لوٹ کھسوٹ سے۔ اس سارے ظلم و استبداد سے آگاہ ہے جو ان کے چاروں طرف ایک بڑے مہاجال کی طرح پھیلا ہے اور دھیرے دھیرے ان کے چاروں طرف کستا جا رہا ہے۔ اس سے چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اسے توڑ ڈالنے کی شکتی نہیں۔ جال میں پھنسی مچھلی تڑپھڑاتی ہے۔ اور تب کیا بچتا ہے، ؟ شراب۔،

یہ سیال آگ اندر کی آگ کو بجھنے نہیں دیتی، کلیجہ نوچتی ہے۔ دماغ پر کھروچے ڈالتی ہے۔

مگر آدمی کو زندہ رکھتی ہے۔ کالا چند ٹھیک کہتا تھا۔ شراب ہی ہمیں زندہ رکھتی ہے، کالا چند سچا آدمی تھا۔ کھرا آدمی، اب کہاں ہے وہ ۔ ؟

اس کو کالا چند کی یاد آتی ہے، لمبا قد اور آدمی جواب ہڈیوں کا ڈھانچ رہ گیا ہے۔ جس نے ظلم و استبداد کے زہر کو گھونٹ گھونٹ پیا ہے۔ اور اس زہر کی ساری تلخی کو اپنے رگ و پے میں رواں رکھا ہے۔

کہاں ہے وہ ۔ ؟

کچھ پتہ نہیں ۔ !

کہتے۔ لوگ ہیں جو اس کولفیلڈ میں کھو جاتے ہیں۔ ہمیشہ کیلئے گم ہو جاتے ہیں۔ ایسے کر پھر ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

اب پھر لوگ باگ نزدیک آنے لگے ہیں، دونوں پہلوان چھوٹے گلاسوں میں چائے لیکر وہیں کھڑے کھڑے پی رہے ہیں۔ سہدیو ویسے ہی فرش پر بیٹھا ہے۔ پہلوانوں میں سے ایک اس کو مخاطب کرتا ہے۔

کا بے سہدیوا۔ اب یہیں بیٹھا رہے گا۔ اب گھر جا۔ چل ۔ ۔ ۔ !

گھر ۔ ؟ ایک ہفتہ سے سب در پے ہیں۔ گھر چھوڑ دو۔ کوارٹر خالی کر دو۔ کمپنی کے غنڈے روز آکر بولتے ہیں۔ اگر کوارٹر خالی نہیں کیا تو سارا سامان سڑک پر پھینکدیا جائے گا۔ ٹھیکیدار دو کے گرگے دھمکی دیتے ہیں۔ سالے کوارٹر خالی کرو نہیں تو ایسا غائب کر دیں گے کہ قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ کہاں گیا۔ وہ ان دھمکیوں سے نہیں ڈرتا، وہ اڑا ہوا ہے۔ وہ کوارٹر خالی نہیں کرے گا جسکو کرنا ہے کر لے۔

وہ اٹھتا ہے، چلتا ہے تو پاؤں لڑکھڑاتے ہیں۔ چند قدم چل کر وہ پھر پلٹتا ہے۔

سالے پی این ورما کے کتے۔ میں کیا تم سے ڈرتا ہوں ۔ ؟ میں کسی سالے سے نہیں ڈرتا۔ میں ساری دنیا کو بتا دوں گا کہ لالہ جی کا خون پی این ورمانے کروایا ہے۔ اپنے ہی آدمی کا گلا خود کاٹا ہے۔ سالا چہرہ دیکھو تو فرشتہ لگتا ہے، بے ایمان، خونی، ڈاکو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دونوں پہلوان چائے کا گلاس پھینک کر اس کی طرف جھپٹتے ہیں۔

ای سالا ایسے نہیں مانے گا۔

تبھی نہ جانے کہاں سے چار پہلوان اور نکل آئے۔

مارو سالے کو۔!

موہنا کولیری کے بازار میں بھگدڑ مچ گئی۔ دکانوں کے ڈھنڈر دھڑا دھڑ گر گئے۔

ان چھ آدمیوں نے سہدیو کو گھیر لیا۔

چربی چڑھ گئی ہے سالے کو۔

اب بول تیرے باپ کو کون مارا تھا۔

سہدیو ان کو نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ یہ سارے چہرے اس کے پہچانے ہوئے ہیں۔ وہ ان میں سے ایک ایک کو جانتا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ شاید آج وقت آگیا ہے۔ اس لئے جواب دیئے بغیر وہ چپ چاپ گذر جانا چاہتا ہے۔

بھاگتے کہاں ہو۔؟ ان میں سے ایک راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

دیکھو راستہ مت روکو نہیں تو بہت برا ہو جائے گا۔

کیا برا ہو جائے گا۔ تم کیا کباڑ لو گے۔؟

وہ پلٹ کر دیکھتا ہے بھرے پڑے بازار کی بھیڑ غائب ہو گئی ہے، جو ذرا سی بھی ہیں وہ دور دور کھڑے تماشہ دیکھنے لگے ہیں۔ بند دکانوں سے حیرت زدہ، خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں ایک ہولناک منظر کی نگراں ہیں۔ وہ ان سیکڑوں مزدوروں میں۔ اپنے ہی ساتھیوں میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ وہ ایک بار پھر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر سامنے وہ آدمی چٹان کی طرح کھڑا ہے۔ باقی کے پانچ آدمیوں نے اسکے گرد حلقہ بنا لیا تھا۔ اپنے آپ کو شدید خطرے میں پاکر بھی وہ نہیں گھبراتا۔ ہمت بٹورتا ہے اور اس آدمی کو سامنے سے ہٹاکر بڑھنا چاہتا ہے، جبھی وہ اس پر پل پڑتے ہیں۔

مارو سالے کو۔

اور مارو۔

سالا اتنا اینٹھ گیا ہے کہ ورما جی کو گالی بکتا ہے۔

اس پر گھونسوں کی بارش ہوتی ہے۔ وہ بھاگنے کی کوشش نہیں کرتا مدافعت کرتا ہے، ان لوگوں سے جوجھ پڑتا ہے۔ اس کے گینتا چلانے والے مضبوط ہاتھ اور شدید محنت کا عادی جسم

جلدی ہار ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کی مار سے وہ لوگ تلملا جاتے ہیں، یہ پہلی بار ہوا ہے کہ کسی لیبر کی طرف سے جواب ملا ہے گھونسے کا جواب گھونسے سے۔ یہ چیز انہیں اور مشتعل کر دیتی ہے۔

اور مارو سالے کو۔

اب بولو لالہ دیپ نارائن کو کس نے مارا تھا۔

اب لو اپنے باپ کا نام۔

وہ بے بس ہونے لگا ہے۔ وہ ایک ہے دوسری طرف چھ ہیں، چھ خونخوار درندے، وحشی، ہاونڈز مار لاٹھی ڈنڈے، بھالے گنڈاسے سے نہیں ہو رہی ہے۔ صرف گھونسے اور لات چل رہے ہیں لوگوں نے سہدیو کو نڈھال کر دیا ہے۔ اب وہ اسکو پکڑ کر پیٹ رہے ہیں۔

سہدیو اب بھی ہوش میں ہے۔ تھک گیا ہے۔ نڈھال ہو گیا ہے مگر اب بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔ اوپر کے پھٹے ہونٹ سے بہتا خون اسکے منہ میں چلا گیا ہے۔ وہ خون کا کھٹا نمکین ذائقہ محسوس کرتا ہے۔ اپنے ہی خون کا ذائقہ وہ بمشکل اپنے ہاتھ ان کی گرفت سے چھڑاتا ہے۔ اپنے آپ کو مجتمع کرتا ہے۔ پیر مضبوطی سے جماتا ہے اور سب سے قریب والے آدمی کے منہ پر گھونسہ جما دیتا ہے، وہ آدمی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتا ہے جبھی کوئی چیختا ہے،

ارے یہ سالا ایسے نہیں مانے گا گرا دو مار کے۔

سہدیو کے اندر ایک خوفناک غصہ تلملا رہا ہے اندر ہی اندر ایک آگ ہے جو کھول رہی ہے۔ یہ آگ جو اخراج چاہتی ہے۔ جو پھٹ کر، ابل کر بہہ جانا چاہتی ہے۔ وہ پھر ایک آدمی پر جھپٹتا ہے مگر آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کھڑا رکھنے کیلئے اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے۔ مگر اسکے بھاری جسم کو اسکی ٹانگیں سنبھال نہیں پاتیں اور وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔

لوگ اس کو ٹھوکروں پر رکھ لیتے ہیں۔

اتنا مارو کہ سالا تین مہینے تک چارپائی سے نہ اٹھ سکے۔

ہاتھ پاؤں توڑ دو سالے کا۔

وہ آدمی جسکو سہدیو کا گھونسہ لگا تھا اس کی ایک آنکھ سوج آئی تھی اور آنکھ کے

نیچے کا حصہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ دانت پیس کر آگے بڑھا۔

ایسے نہیں، سالے کو گوف میں لے چلو۔!

ہاں لے چلو آج سالے کو وہیں گاڑ دینگے۔

اس نے سہدیو کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور اپنے ساتھی سے دوسری ٹانگ کیلئے کہا۔

پکڑ سالے کی ٹانگ اور گھسیٹ۔

دوسرے آدمی نے دوسری ٹانگ پکڑ لی۔

اور دکانوں کے بند اوٹوں سے جھانکتی آنکھیں، اس غیر انسانی منظر کو دیکھکر خوف سے اور پھیل گئیں۔ اور دُور دُور سے تماشہ دیکھنے والے لوگ چونک کر اور پیچھے کھسک گئے۔

دونوں پہلوان اسکی دو ٹانگیں پکڑے بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔

سہدیو بے ہوش نہیں ہوا ہے۔ ڈوبتے ابھرتے تو اس میں وہ سب جان رہا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ مار سے چور چور اسکا جسم مدافعت کی ساری طاقت کھو چکا ہے۔ اسکی ساری پشت کوئلے کے روڑوں سے چھل رہی ہے۔ ایک اتھاہ درد کا سمندر ہے جسمیں وہ ڈوب رہا ہے ڈوبتا جا رہا ہے۔ کوئی بچانے والا نہیں، کوئی ایک لفظ کہنے والا نہیں ..... یہ سارے لوگ، یہ سیکڑوں لوگ جو اس سفاک منظر کو دور و نزدیک سے دیکھ رہے ہیں، یہ نہ گونگے ہیں، نہ بہرے ہیں نہ نامرد ہیں مگر کسی میں ذرا سی آگ، ذرا سی گرمی نہیں بچی ہے ٹھنڈے بے حس لوگ ....

تب چائے کی ایک بند دکان سے جو ایک شخص تڑپ کر نکلتا ہے وہ بھگوان داس ہے، زنخا بھگوانداس، موگا بھگوانداس، ویسے ہی آدھی دھوتی پہنے آدھی عورتوں کی طرح اوڑھے، لچک کر چلتا ہوا، ہاتھ نچا کر بولتا ہوا۔

ارے ہائے ہائے، مار ڈالا بے چارے کو، ارے روکو......

تو کہاں سے نکل آیا بے؟ چل بھاگ۔

ہائے ہائے بڑا مرد بنتے ہو، چھ آدمی ایک آدمی کو پیٹ رہے ہو؟! وہ دونوں ہاتھ سے تالی بجا کر بولتا ہے، ان میں سے ایک آدمی نے بھگوانداس کو زور کا دھکا دیا۔

چل بھاگ، تیرا بھتار لگتا ہے کیا۔؟

بھتار لگتا ہے تمہارا، تمہاری ماں کا۔

پہلوان نے ایک گھونسہ اسکے منہ پر جڑ دیا تو وہ بیٹھ کر ہائے ہائے کرنے لگا۔

ارے بھڑوے کا چودا، ۔ بڑا مرد بنتے ہو۔ تم لوگ تو ہم سے بھی خراب ہو ہیجڑے.......

بھگوانداس گالی بکتا رہا اور وہ لوگ سہدیو کو پاؤں سے پکڑ کر ایسے گھسیٹتے ہوئے چلتے گئے جیسے ڈوم مرے ہوئے کتے کو گھسیٹتے ہوئے لے جاتا ہے۔ تھوڑی دور چل کر وہ گوف ایریا کی ڈھلان میں اتر گئے۔

بن تلسی کی سوکھی جھاڑیوں نے اسکی پشت میں لمبی لمبی خراشیں ڈالنی شروع کیں، مگر اب اسکا سارا احساس زائل ہو چکا تھا......

وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

ختو نیا اس کو جگاتی ہے۔

بھیا کیا سوتے رہو گے۔؟ دن چڑھ آیا ہے۔!

وہ آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے واقعی دن نکل آیا ہے۔ دھوپ کی چادر اوڑھے ایک بیلا اور خوبصورت دن رات کی ساری آلائیشو کو دھو کر طلوع ہونے والا ایک صاف ستھرا چمکیلا دن۔ وہ روز دن کو اسی طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی اسے جگاتا ہے۔ کبھی پرتی بالا کبھی عرفان اور کبھی جب دیر ہو جاتی ہے تو ختو نیا، ختو نیا منہ اندھیرے کوئلے کی جھوڑی اٹھاکر کوئلہ بیچنے چلدیتی ہے۔ اور جب واپس ہوتی ہے تو دن پوری طرح طلوع ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھر جانے کی بجائے اس کے دروازے پر جھوڑی پٹک کر اندر آجاتی ہے۔ آنچل کا ایک سرا کمر میں کھونس کر تھیلا جیسا بنائے وہ کبھی کبھی سہدیو

کیلئے گرم جلیبیاں لادیتی ہے۔ اور کبھی بیسن کا بھا بھرا۔ سہدیو اس کو بہت منع کرتا ہے۔ پرتی بالا بھی کتی بار بول چکی ہے، مگر وہ نہیں مانتی۔ صرف ہنستی ہے۔ ٹھیک اسطرح جسطرح عرفان کے کوئلہ بیچنے سے منع کرنے پر ہنستی ہے۔ عرفان کو اسکا کوئلہ بیچنا پسند نہیں ہے، مگر اس کو کسی کی محتاجی منظور نہیں ہے، اپنے بیٹے کی بھی نہیں۔ کہتی ہے جبتک سوانگ چلتا ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ کیوں پھیلاؤں۔ بڑے حوصلے والی عورت ہے اتنی بڑی جوانی اکیلے کاٹ لی یکہ و تنہا۔ جانگھ بھر کے لڑکے کو پوس پال کر جوان کر لیا۔ اب وہ چاس نالہ کولیری میں کام بھی کرنے لگا ہے۔ اتنا پیسہ بھی مل جاتا ہے۔ کہ ماں بیٹے کا خرچ چل جائے۔ اسی لئے عرفان اسکو تنگ کرتا رہتا ہے، کہ وہ گلی گلی گھوم کر کوئلہ بیچنا چھوڑ دے۔ ختونیا ہنستی ہے،

اِیں بھیا دیکھو تو دو پیسہ کمانے لگا ہے تو کہتا ہے کوئلہ بیچنا چھوڑ دو، کل جب کچھ نہیں تھا، دنیا میں کوئی نہیں دکھتا تھا تب تو یہی سہارا تھا۔ تھاکہ نہیں بھیا.....

سہارا کا لفظ ایک لمحہ کیلئے سہدیو کو پکڑ لیتا ہے۔

اگر ختونیا کا سہارا اسکو نہ ملتا تو کیا ہوتا۔ زخموں سے چور چور جب اسکو خیراتی اسپتال میں بھرتی کرایا گیا تو پرتی بالا پاگلوں کی طرح لوگوں سے سہارا مانگ رہی تھی، گھگھیا رہی تھی، ادھر کمپنی کے پہلوان اس کے سارا سامان کوارٹر سے باہر پھینکدیا تھا اور کوارٹر ایک دوسرے آدمی کو الاٹ کر دیا تھا۔ تین دن تک وہ سامان ویسے ہی پھینکا رہا اور تین دن پرتی بالا سب کچھ چھوڑ کر، سب کچھ بھول کر اسپتال کے برآمدے میں چمگادڑ کی طرح رات رات بھر چکر کھاتی رہی،

کوئی بچالو ہمرے مالک کو، ڈاکٹر بابو اتنی بڑی دنیا بس وہی ایک سہارا ہے ہمارا.....

تین راتوں کے بعد ختونیا ایک خوبصورت دن کی طرح طلوع ہوئی۔

اِیں دلہن ہم کو کاہے خبر نہیں کیا کا ہم مر گئے تھے،

وہ پرتی بالا کو اپنے گھر لیتی آئی، کوارٹر کا سارا سامان ٹھیلہ پر اٹھوا کر منگوالیا اور جب سہدیو کو اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تو اسکے لئے اپنے بالکل بغل میں ایک کوٹھری کرائے پر لے دی تین روپیہ مہینہ پر۔

اسی کوٹھری کے سیلے ہوئے تعفن میں اس نے چار مہینے گذارے تھے۔ اس نے اپنے بھائی کو چھٹی بھی لکھوائی تھی، مگر جواب نہیں آیا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ بھائی اب اس کا نہیں ہے، وہ

جانتا ہے کہ اب وہ گاؤں بھی اس کا نہیں ہے۔ مگر دل کے شاید سب سے پہلے خانے میں جو تصویر آویزاں ہے، وہ اسکے بھائی کی ہے۔ اس گاؤں کی ہے جس سے بچھڑے ایک زمانہ ہو گیا ہے۔ جس کو بھولے ایک جگ بیت گیا ہے۔ جب کبھی دُکھ کا کوئی تند ریلا اس کو بہانے لگتا ہے۔ جب کبھی چاروں طرف سے کالی آندھی گھیرنے لگتی ہے۔ تب گاؤں کا وہ کھلا کھلا ماحول، وہ چھوٹا سا اپنا محفوظ گھر، وہ دنیا کی تمام پریشانیوں سے اچھوتا رہنے والا گاؤں یاد آتا ہے۔ اور یاد آتے ہیں وہ لوگ، وہ معصوم بے ریا لوگ جو دوستی بھی کرتے ہیں تو کھل کر اور دشمنی بھی کرتے ہیں تو کھل کر جہاں پالتو ہاؤنڈز نہیں ہوتے، جہاں زندگی ننگے پاؤں شبنم سے بھیگی گھاس پر چلتی ہوئی کسی دوشیزہ کی طرح الہڑ معصوم اور بےخوف ہے،

سہدیوا اپنے پلاستر چڑھے پاؤں کو سیدھا کئے چارپائی پر پڑے اکثر اپنے گاؤں چلا جاتا ہے۔ گھنٹوں وہاں کے کچے راستوں پر گھومتا ہے۔ میدانوں کی گھاس پر ہاتھ کا تکیہ بنا کر لیٹا رہتا ہے۔ بڑ کے گھنے پیڑ کے نیچے کبڈی کھیلتا ہے۔

چھل کبڈی تارا۔ سلطان گنج مارا..... مارا..... مارا.....

پیڑوں، جھاڑیوں اور گھاس کی مخصوص مہک اس کو مسحور کر دیتی ہے، مسحور کئے رہتی ہے، یہاں تک کہ کوئی نہ کوئی کچھ بول کر، اس کو پکار کر اس سرسبز وادی سے پھر اسکا سیاہ بے رونق دنیا میں کھینچ لاتا ہے۔

عرفان ایک ہاتھ میں جوتا لئے اور دوسرے ہاتھ میں برش پکڑے اس کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔

Now you are getting well uncle!

وہ آسانی سے جواب دیتا ہے۔ You getting well!

اگلے ہفتہ آپ کا پلاسٹر بھی کٹ جائے گا۔

وہ جواب نہیں دیتا۔ وہ اس تر و تازہ، جوان، بے فکر آدمی کو دیکھتا ہے، ہاں اب وہ جوان آدمی ہے۔ وہ بچہ جو تتلا کے بولتا تھا اور ہاتھ میں پلاسٹک کی موٹر لئے سارے گاؤں میں دوڑتا تھا۔ اب ایک جوان، خودسر اور پر اعتماد آدمی ہے۔

سہدیوا اس کو بانہہ سے پکڑ کر اپنے پاس بیٹھاتا ہے۔

کہیں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔؟

جانا کہاں ہے انکل بس وہی میاں کی دوڑ مسجد تک اپنے گرو کے پاؤں چھونے جارہا ہوں سندری۔

مطلب مجمدار کے پاس کیوں۔؟

وہ اثبات میں سر ہلاتا ہے۔

اس سالے سے کہو اس کی بہن بہت یاد کرتی ہے اسکو۔

عرفان ہنس دیا۔ میں ماما کہتا ہوں تو بہت بگڑتے ہیں کہتے ہیں کامریڈ کہو۔ ان کا خیال ہے دنیا میں کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے پھندے ہیں۔ ان پھندوں سے نکلنا ہوگا۔

سالے نے شادی نہیں کی ورنہ اس کو معلوم ہوتا کہ ان پھندوں کے بغیر زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیا میری رشتہ داری بھی یاد نہیں ہے اسکو؟ کبھی پوچھتا ہے میرے بارے میں۔؟

آپ کے بارے میں جب جاتا ہوں تب پوچھتے ہیں۔ انھوں نے تو آپ کے لئے ایک نوکری بھی ڈھونڈ رکھی ہے۔

نوکری۔؟

ہاں! پکی بات کر رکھی ہے انھوں نے بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیے۔

سہدیو نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ میں اتنی جلدی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ابھی تو پتہ نہیں کتنے دن لگ جائیں گے مجھے کام کے جوگ ہونے میں۔"

ارے انکل کام کرنے کو کون کہتا ہے۔ دستخط تو کر سکتے ہیں نا آپ۔

ہاں!

تو بس دستخط ہی کرنے ہیں!

پتھر کھیڑا کولیری ایک بہت چھوٹی سی کولیری ہے۔ اسکا مالک ایک بنیا ہے وہ پورا اسٹاف نہیں رکھ سکتا لیکن مائننگ قانون کی خانہ پری کیلئے اس کو ایک مائننگ سردار کی ضرورت ہے۔ کام آپ کو نہیں کرنا ہے۔ روزانہ جاکر صرف حاضری بنوانی ہے اور بہ کھاتے میں دستخط کرنے ہیں۔ تاکہ وہ مائننگ قانون سے محفوظ رہے اس کیلئے وہ ڈھائی سو

روپیہ مہینہ دیں گے۔ کہیئے منظور ہے۔

پی ایف کے ملے ہوئے پیسے سب خرچ ہو چکے ہیں۔ کچھ طویل علاج پہ اور کچھ کھانے میں۔ عرفان جانتا ہے کہ وہ خالی ہے۔ ضرور اسی نے یہ بات مجمدار کو بتائی ہوگی اور تب اس کیلئے یہ نوکری ڈھونڈی گئی ہے۔ سہدیو نظر اٹھا کر پیار سے اسکی طرف دیکھتا ہے۔ مجمدار کہتا ہے وہ بہت تیز لڑکا ہے۔ بہت آگے جائے گا۔

آجکل عرفان مجمدار کے ساتھ ہی زیادہ لگا رہتا ہے۔ ہفتہ میں دو چار دن سندری جانا اس کے لئے ضروری ہے۔ پھر وہاں سے لائی ہوئی کتابیں اور کتابچے پڑھتا ہے، دیر رات تک، یہاں تک کہ ڈھبری کا کالا دھواں اسکی ناک میں بھر جاتا ہے۔ ختونیا ڈانٹنے لگتی ہے۔

ساری ساری رات جاگ کر کیا اپنی آنکھیں پھوڑے گا۔

وہ کتاب رکھکر پیار سے اسکا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

کیا میرے باپ کو بھی اسی طرح ڈانٹتی تھیں تم ——؟

باپ ——؟ یہ کس کا نام لے لیا ہے۔ اس نے انجانے میں ختونیا کی یادوں کا بند پٹارا کھُل جاتا ہے۔ اس سے اور انگنت شہد کی مکھیاں نکل کر اس کو ڈنک مارنے لگتی ہیں اور سنجو کر، چھپا کر، سارے عالم سے چھپا کر رکھے ہوئے لاتعداد لمحے اسکا کلیجہ نوچنے لگتے ہیں۔ عرفان چونک جاتا ہے۔ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ کیا ہو گیا۔ ماں کے چہرے کا بھاؤ اچانک اتنا کیسے بدل گیا ہے۔ ہر وقت چمکنے والی، اس بڑھاپے میں بھی جگمگانے والی آنکھیں دفعتاً آنسوؤں سے کیسے دھندلا گئیں ہیں۔ وہ پچھتاتا ہے۔ کتاب بند کر کے اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ماں کا پکڑا ہوا ہاتھ کھینچ کر اس کو چارپائی پر بیٹھا لیتا ہے پھر اسکے گلے میں بانہیں ڈال کر کہتا ہے۔

سوری ممی!

پہلے ختونیا سوری کا مطلب نہیں جانتی تھی۔ مگر اب جاننے لگی ہے۔ وہ نظر اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھتی ہے۔ ایک اور جوان مرد۔ بالشت بھر کا کمزور مریل سا لڑکا آج ایک جوان مرد ہو چکا ہے۔ وہ اسکی تخلیق ہے۔ وہ اسکی تعمیر ہے، اس عمارت کی

ایک ایک اینٹ اس کے اپنے ہاتھوں کی رکھی ہوئی ہے۔ اس کے اندر سب کچھ موم کی طرح پگھلنے لگتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی چھاتی پر سر رکھ کر اپنے آپ کو اکٹھا کرتی ہے۔

تم اسکا نام مت لیا کرو۔

سہدیو اس بات کو بھلی بھانتی جانتا ہے۔ اس لئے کبھی نتو نیا کے سامنے رحمت میاں کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ عرفان سے بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ صرف ایکدن اس نے عرفان سے پوچھا تھا۔

تمہیں معلوم ہے رحمت میاں کے ساتھ کیا ہوا تھا۔؟

عرفان ایکدم سنجیدہ ہو کر چارپائی پر بیٹھ گیا تھا۔

ہاں انکل مجھے معلوم ہے۔ میں شروع شروع میں یہاں آیا تھا تو کئی بار سرسا کولیری گیا تھا۔ وہاں کے بہت سارے لوگوں سے میں نے پوچھ تاچھ کی تھی۔ تھوڑا تھوڑا کرکے مجھے سب معلوم ہو گیا تھا۔ میں کان کے نیچے جاکر اس جگہ کو بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر وہاں لیجانے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ کان کے اس علاقے کو بند کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں گیس نکل آتی ہے۔

تم کو اس کا کچھ یاد آتا ہے؟ مطلب اپنے باپ کا۔؟

نہیں کچھ نہیں، بس ایک چہرہ وہ بھی دھندلا دھندلا۔

مگر سہدیو کو سب یاد ہے۔ اسکا معصوم بھولا بھالا چہرہ، ہر دم خائف رہنے والی آنکھیں، بھوک اور خان صاحبوں کی بیگار سے کچلا ہوا بدن، گالیوں اور جھڑکیوں سے ٹوٹا ہوا اسکا حوصلہ۔ ابھی کل کی بات لگتی ہے جب وہ کان کے اندر اس کی بانہہ پکڑ کر بولا تھا سہدیو بھائی میرے ساتھ ساتھ رہو مجھے ڈر لگتا ہے۔

اگر وہ جانتا، اگر وہ جانتا تو اسے کبھی تنہا نہ چھوڑتا۔

تھوڑی دیر بعد عرفان آہستہ سے بولا تھا۔

ایک اور آدمی تھا جس نے سارا واقعہ مجھے تفصیل سے بتایا تھا۔ ذرا ذرا......

سہدیو نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

جمدار انکل نے۔ اس نے مجھے ساری بات بتائی، شروع سے آخر تک تعجب کی بات

ہے۔ ماں مجھ سے کم نہیں جانتی اس بارے میں۔ وہ جو آپ کو اتنا مانتی ہیں اسکی یہی وجہ ہے اگر آپ نہ ہوتے تو شاید پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہوا۔ لوگ یہی سمجھتے کہ رحمت میاں کو لیری چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ ماں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اگر آپ ان دنوں گھر نہ گئے ہوتے تو شاید یہ حادثہ ہی پیش نہ آتا۔

سہدیو نے اس کی طرف پیار سے دیکھا تھا۔

اس کو سب کچھ کہاں معلوم ہے۔ کیا اس کو معلوم ہے کہ اس کی ماں نے چاندی کی ایک سِکڑی منگوائی تھی۔ کیا اسکو معلوم ہے کہ وہ سِکڑی پہن کر خان صاحب کی لڑکی کی شادی میں اپنی امارت اور ثروت کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔ وہ سب چھوٹی چھوٹی محرومیاں، اور وہ زندگی بھر کی ساری نا آسودگیاں جن کے پورے ہونے کے دن قریب، ایکدم سے قریب آگئے تھے کہ دفعتاً ایک اندھیرے کنوئیں میں سب گر گئے سب کھو گیا۔ سب اندھے کنوئیں میں ڈوب گیا۔ اس آدمی کی محرومی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا جسکی اندھیری، گھٹا ٹوپ اندھیری زندگی میں خوشی بجلی کے ایک جھماکے کی طرح چمکی ہو اور پھر سب کچھ ویسے ہی اندھیرے میں ڈوب گیا ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ گہرے اندھیرے میں، اور کوئی ہوتا تو تڑپ کر مر گیا ہوتا مگر ختو نیا بڑے حوصلے والی عورت ہے۔ اسکی زندگی جہاں سے ختم ہوئی تھی وہیں سے اس نے ایک دوسری زندگی شروع کر لی، یہ بڑا کام ہے، اور یہ کام اکثر غریب طبقے کے لوگ کرتے ہیں۔ یا شاید انھیں کرنا پڑتا ہے،

عرفان جو اپنے جوتے پر بے تحاشہ برش چلا رہا تھا اسکو سوچتا دیکھکر رک گیا۔

انکل آپ سوچتے بہت ہیں یہ سوچنے کا زمانہ نہیں، کچھ کرنے کا ہے۔!

یہ کچھ کرنے کی سنک ضرور مجمدار نے اس کے دماغ میں ڈالی ہوگی۔ آجکل وہ اے۔ کے گھوش کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اس نے سندری کھاد کارخانے میں ایک بڑی کامیاب یونین بنائی ہے اور آس پاس کے دیہاتوں میں آہستہ آہستہ لال رنگ بکھیرتا جا رہا ہے اب اس کے ساتھ صرف گیارہ آدمی نہیں ہیں۔ گیارہ سو، یا گیارہ ہزار بھی نہیں، اب اس کے ساتھ پچاس ہزار لوگ ہیں۔ فیکٹری کے لیبروں کے علاوہ، سندری، بلیاپور، گوبند پور، کا سارا دیہی علاقہ اسکے زیر نگیں ہے، ان علاقوں کے ہزار ہا چھوٹے کسانوں، کھیت مزدوروں،

بچھڑے ورگ کے لوگوں کو وہ آہستہ آہستہ منظم کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مجدار کی مصروفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ادھر آنے کا موقع ہی نہیں ملتا اسکو۔ جب وہ اسپتال میں تھا تب ایک بار آیا تھا۔

مجھے اس بات کا افسوس نہیں ہے کہ ان لوگوں نے تمکو مارا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے اپنے اندر کی آگ کو ابھی تک بجھنے نہیں دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم ابھی زندہ ہو۔ ورنہ اتنے دنوں میں تو اس کولفیلڈ میں لوگوں کا وہ سنسکار سب ہو جاتا ہے۔

وہ مجدار کو دیکھکر رونے لگا۔

مجدار نے آگے بڑھ کر اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اسکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

تم تو بہت بہادر آدمی ہو۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے روتے ہو۔؟ 'رومت' آنسو اندر کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ اس کو بجھنے نہ دو، غصہ اور نفرت کی یہی آگ کسی دن کوئی راستہ نکالے گی۔ اس اندھیری کالی سرنگ سے نکلنے کا۔

پرتی بالا بھی بولتی ہے۔

آپ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے ہیں۔ کیا لڑکے کو پڑھانا نہیں چاہتے؟

تین برس ہو گئے ہیں۔ اسکو یہ ڈھائی سو روپے ماہانہ کی نوکری کرتے، گو کام کچھ نہیں ہے صرف دستخط کرنا ہے۔ مگر اسی میں آدھا دن گذر جاتا ہے۔ باقی آدھے دن میں وہ ٹیوشن کرتا ہے۔ پھر بھی، سب ملاکر بھی پیٹ نہیں چلتا۔ اوپر سے راجندر کے پرائیویٹ اسکول کی لمبی فیس۔ وہ کئی بار کہہ چکا ہے کہ اسے اس پرائیویٹ اسکول سے نکال کر کسی سرکاری اسکول میں داخل کرادو۔ مگر پرتی بالا اس بات کو منظور نہیں کرتی۔ وہ بنگالن ہے' اس لئے پڑھائی کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ حالانکہ ایک دن چڑھ کر اس نے کہدیا تھا۔ آخر پڑھ لکھ کر ہی کیا ہوتا ہے۔ تمہارے بنگالیوں نے ہی کون سا کمال کر دیا ہے'

ڈمی بھیجُراسکولوں کی ماسٹری یا سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں کی کلرکی۔

وہ تڑپ کر بولی تھی ۔ کیا بنگالیوں میں ڈاکٹر نہیں ہوتے ۔ انجینیر نہیں ہوتے ۔ آج جس شعبے میں دیکھو بنگالی ہی بنگالی دکھائی دینگے ۔ یہ سب کیا بغیر پڑھے لکھے ہی ......

وہ جز مز ہو گیا تھا اس دلیل پر ۔ پُرتی بالا غلط نہیں کہہ رہی تھی ۔ مگر وہ نہیں جانتی کہ جب ہاتھ کا ہتھیار کُند ہو تو آدمی وار کرنے کی بجائے صرف وار روکتا ہے ۔ اور راجندر کو اس اچھے اسکول سے نکال کر سرکاری اسکول میں داخل کرنا دفاع ہی کی ایک صورت تھی ۔

پُرتی بالا بہت پڑھی لکھی نہیں ہے ، جیسے سہدیو سوچتا ہے ۔ یا جیسے عرفان سوچ سکتا ہے ویسے پُرتی بالا نہیں سوچ سکتی ہے ۔ وہ صرف ضد کر سکتی ہے ۔ اور پچھلے کئی ہفتوں سے وہ ضد کئے ہوئے تھی ۔

اسکول میں لڑکوں کی فیس معاف بھی تو ہوتی ہے ۔ ہمارا راجندر پڑھنے میں بہت تیز ہے ۔ کیا اسکی فیس معاف نہیں ہو سکتی ۔ آپ اسکے اسکول تو جائیے ۔ درخواست تو لکھ کر دیجئے ۔

وہ چیں بر جبیں ہو کر تیار ہوا تھا ۔ ایک درخواست لکھی اور بادلِ نخواستہ راجندر کے اسکول جا پہنچا وہاں ہیڈ ماسٹر نے اس سلسلے میں جو بات بتائی وہ کافی امید افزا تھی اس نے کہا یہ کام ہمارے اختیار میں نہیں ہے ۔ اس قسم کی باتوں کا فیصلہ کمیٹی کرتی ہے ، آپ ایسا کیجئے یہ درخواست لیکر جے پی سنگھ کے پاس چلے جائیے ۔ وہ کمیٹی کے بہت اہم ممبر ہیں اگر وہ ریکومینڈ کر دینگے تو آپ کا کام فوراً ہو جائے گا ۔

وہ جھجک کر بولا تھا ۔

وہ پہچانتے نہیں ہیں ۔!

اس سے کیا ہوتا ہے ۔ ایسے آدمیوں کے گھر جب کوئی پہنچ جاتا ہے تو جلدی وہ انکار نہیں کرتے ۔ بس ذرا دیئے کا ئیگا ۔ اپنا دکھڑا سنا ئیے گا ۔ بس آپ کا کام ہو جائیگا ۔

عرفان ٹھیک کہتا ہے کہ آدمی کو زندگی کے انگنت محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے ، یہ جو آج وہ جیب میں عرضی رکھکر اپنے بیٹے کو ساتھ لئے جے پی سنگھ سے ملنے جا رہا ہے تو یہ کیا ہے ۔! یہ بھی تو ایک لڑائی ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ وہاں کیا ہو گا ۔ اسکی انا کو ایک اور گھاؤ لگیگا

کہیں اندر سے وہ زخمی ہوتا جائے گا۔ اپنے وجود کے اندر زخموں کی قطاریں سجائے وہ بولتا جائے گا۔ صاحب بہت غریب آدمی ہوں۔ ڈھائی سو روپے ماہانہ پر نوکر ہوں، پیٹ نہیں چلتا تو لڑکے کو کیسے پڑھاؤں۔ اگر اسکی فیس...... ہر جملہ ہر لفظ اس پر حملہ آور ہوگا۔ ہر جملہ ہر لفظ ایک گھاؤ لگائے گا۔ اور وہ اپنے زخمی وجود کا لہو پونچھتا ہوا چپ چاپ اس آدمی کے سامنے سر جھکائے، دست بستہ کھڑا ہوگا۔ ان الفاظ کا گھاؤ کھانے کیلئے جو اس آدمی کے منہ سے ادا ہوں گے۔

وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتا ہے جو چلنے سے زیادہ بھاگ رہا ہے۔ اس کے کینوس کے جوتے دھول میں اَٹ گئے ہیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا اسکو معلوم ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔؟ کیا ایک آدھ زخم اس کے حصّے میں بھی آئے گا۔؟ سات سال کا لڑکا ہے وہ تیسری جماعت میں پڑھتا ہے وہ۔ کیا وہ ان واروں سے اچھوتا رہ جائے گا۔؟ بہت چھوٹی عمر ہے اسکی ان زخموں کیلئے۔

مگر لڑکا خوش ہے اپنی گندی بستی سے نکل کر۔ اس ضلعی شہر کی وسعت اور خوبصورتی میں مگن ہے۔ اسکو معلوم نہیں کہ اس وسعت اور خوبصورتی میں اسکا کتنا حصّہ ہے، کچھ نہیں ایک ذرہ بھی نہیں، بس وہی گندی بستی اسکا مقدر ہے۔ اور اسکی میراث اس گندی بستی میں واقع وہی سیلا ہوا کمرہ ہے جس کے فرش پر پھٹے پُرانے کپڑوں سے سِلا ہوا گیندڑا" ڈال کر اسکی ماں اسکو سُلاتی ہے۔ بعد میں بیوی سلائے گی۔ پھر اسکی بہو، اور تب اسی سیاہ اندھیری سُرنگ کے کسی گوشے میں اسے چھوڑ کر لوگ آگے چل دینگے۔ روشنی کی تلاش میں۔ سُرنگ کے دوسرے دروازے کی کھوج میں......

دروازے کا بٹن دباتے ہوئے وہ ڈرتا ہے۔ تھوڑا سنکوچ کرتا ہے پھر تھوڑی ہمت جمع کر کے بٹن دباتا ہے۔ اندر گھنٹی بجتی ہے تو جھجک کر جلدی سے انگلی ہٹا لیتا ہے۔ چند سیکنڈ بعد ایک بوڑھا آدمی نکل کر پوچھتا ہے۔

کیا بات ہے۔؟ کس سے ملنا ہے۔؟

جے پی سنگھ صاحب نہیں۔؟

کیا کام ہے۔؟ اس کا حلیہ دیکھکر وہ کسی قدر رعب سے پوچھتا ہے۔

ایک.... وہ بولتے بولتے رک جاتا ہے۔ پھر کچھ سوچ کر کہتا ہے۔

انہیں سے ملنا ہے۔!

اچھا ٹھیک ہے۔ وہاں اس بینچ پر بیٹھ جاؤ صاحب ابھی بریک فاسٹ لے رہے ہیں۔ نوکر کے لہجے کی حقارت کو محسوس کرتا ہے۔ کہیں کسی اتھلے گھاؤ کی طرح درد ہوتا ہے۔ زخم گہرا نہیں لگا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی بانہہ پکڑ کر برآمدے میں پڑی بینچ پر بیٹھا دیتا ہے۔ لڑکا ان اندرونی وارداتوں سے بے خبر سارے ماحول کو نہایت دلچسپی سے دیکھتا ہے۔ وہ سامنے چھوٹے سے باغ میں کھلے رنگ برنگ پھولوں کو، گیرج میں کھڑی چماچم کرتی کار کو، برآمدے کے صاف ستھرے چمکیلے فرش کو دیکھکر بہت خوش ہے۔ یہ ایک دوسری دنیا ہے۔ ایسی دنیا جس کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا یا کم از کم اتنے نزدیک سے نہیں دیکھا۔

یہ کس کی دنیا ہے۔؟

یہ سوال سہدیو کے دماغ میں بارہا آیا ہے۔ وہائٹ صاحب کے بنگلے کو دیکھکر، پی، این ورما کے گھر کو دیکھکر، شہر کی بڑی بڑی عمارتوں والے حصے سے، خوبصورت چوڑی سڑکوں والے علاقوں سے گذرتے ہوئے یہ کون خوش نصیب لوگ ہیں جو یہاں رہتے ہیں۔ اولاد در اولاد...... نسل در نسل.... آخر ان میں ایسی کون سی وشیشتا ہے، کیا انہیں۔ اس جیسے ہزار ہا لکھو کھا لوگوں کو ایسی زندگی کبھی میسر آئے گی۔؟ کبھی۔؟؟

جواب نہیں ہے۔ اسکے پاس۔ برسوں سے اسکے ذہن میں ٹنگا ہوا یہ سوال جُوں کا توں موجود ہے۔ کوئی جواب نہیں، گنگولی کہتا ہے۔ یہ دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے ہے۔ مارکس اس سلسلے میں کہتا ہے.......

اس کے بعد وہ مارکس اور اینجلز کی تھیوریاں سُناتا ہے۔ مگر جو کتابوں میں لکھا ہے اور جو زندگی ان کے سامنے ہے اس میں کہیں نہ کہیں ایک فرق موجود ہے۔ آنے والے خوش آئند دنوں کا خواب دیکھتے دیکھتے ہم مرجاتے ہیں۔ ہمیشہ سے مرتے آرہے ہیں، ایک نسل کے بعد دوسری نسل، دوسری کے بعد تیسری.... مگر اس کالی سُرنگ سے باہر آنے کا راستہ نہیں ملتا۔

دروازہ کھلتا ہے اور ایک بیحد سفید، بے داغ کھدر کے لباس میں ایک بہت صاف

ستھرا اور چکنا آدمی باہر آتا ہے۔ اور سہدیو کو دیکھ کر چونک جاتا ہے۔

ارے تم ہو سہدیو۔۔؟

وہ بھی حیرت زدہ ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے، پھر اس کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی، وہ جگیشر دسادھ ہے، جو اب جگیشر پرشاد سنگھ ہے۔ یعنی جے پی سنگھ۔

ارے تم یہاں بیٹھے ہو۔۔؟ اندر کیوں نہیں آئے۔؟ چلو چلو اندر بیٹھتے ہیں۔

اندر کمرے کا منظر اور حیرت زدہ کر دینے والا ہے۔ فرش پر موٹا دبیز قالین بچھا ہے، ایک طرف قیمتی صوفہ پڑا ہے۔ چھوٹی سی الماری جسکے شیشہ لگے پٹ سے انگریزی شراب کی بوتلیں قطار میں سجی صاف دکھلائی دے رہی ہیں۔ اسی الماری کے اوپر سانپ اور نیولے کا ایک ماڈل رکھا ہوا ہے۔ سانپ نے نیولے کے جسم کو لپیٹا ہوا ہے۔ اور نیولا سانپ پر اپنے نوکیلے دانت نکالے حملہ آور ہے۔

لڑائی کا ایک اور منظر۔۔!

ہار کس کی ہوگی۔۔؟

سہدیو حیرت میں ہے۔ یہ سب ہوا کیسے۔۔؟ جو تین آدمی ایک ساتھ اپنے اپنے گاؤں سے اس کالی دھرتی پر اترے تھے۔ ان میں جگیشر بھی تھا۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟ جگیشر اسکی حیرت کو دلچسپی سے، اور شاید کسی قدر غرور سے دیکھ رہا ہے وہ مسکراتا ہے۔

تم سہدیو بھائی جہاں کے تہاں رہ گئے۔

اس کے کپڑوں پر لکھی، اس کے چہرے پر بکھری اور اس کی آنکھوں میں جمی غریبی کو وہ دیکھ سکتا ہے۔ کوئی بھی دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے حیرت نہیں ہوئی اس کو جگیشر کے اس ریمارک پر، جگیشر جان گیا ہے کہ وہ غریب ہے، وہ جان گیا ہے کہ وہ کس ابھاؤ میں زندگی گذار رہا ہے۔ سب کچھ تو دکھلائی دے رہا ہے صاف صاف، مگر پھر بھی اندر کہیں کھونچ لگتی ہے۔ کسی گوشے میں خراش کی ایک لمبی لکیر خون اور تکلیف سے بھرنے لگتی ہے،

یہ کول فیلڈ ایسی جگہ ہے نا سہدیو بھائی کہ یہاں کچھ کرنے کیلئے، کچھ بننے کیلئے بہت سے تکڑم کرنے پڑتے ہیں۔ راستے کے کانٹوں کو ہٹانا پڑتا ہے۔ جو چیز رکاوٹ بنتی ہے اسکو ایکدم سے صاف کر دینا پڑتا ہے، اب مجھی کو دیکھو، اگر میں کپل سنگھ کی چاکری میں پڑا

رہتا تو ساری زندگی اسی کی جی حضوری میں گذر جاتی۔ وہ سب سے اونچا آدمی تھا اسی لئے میں نے اسی پر ہاتھ صاف کیا اور خود مالک کا داہنا ہاتھ بن گیا، پھر اس کی دکانوں پر قبضہ کیا، پھر راشن کی دکانیں ہتھیائیں پھر نوٹ سے نوٹ نکالتا گیا۔ مگر تم یار پیادہ ہی رہ گئے۔

شطرنج کے کھیل میں جو پیادہ قدم قدم دشمنوں کے وار سے بچتا بچاتا جیب بساط کے آخری سرے تک پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ جس خانے میں وہ اترتا ہے وہی مہرہ بن جاتا ہے۔ کبھی کشتی، کبھی گھوڑا، کبھی فیل اور کبھی وزیر جگیشر ایک ایسا ہی پیادہ ہے۔

جگیشر نوکر کو بلا کر کہتا ہے۔

دو چائے لے آؤ۔ اور فریج میں قلاقند رکھا ہے۔ بیٹے کیلئے وہ لیتے آنا۔

پھر وہ سہدیو سے پوچھتا ہے۔

کتنے لڑکے ہیں تمہارے۔؟

دو لڑکا اور ایک لڑکی۔

سب سے بڑا یہی ہے۔

ہاں!

تم نے بہت لیٹ شادی کی، میں یہاں آیا تھا تو میری شادی ہو چکی تھی۔ ایک لڑکا بھی تھا۔ آج کل وہ دہرہ دون میں پڑھ رہا ہے۔ دوسری بیوی سے دو بچے اور ہیں۔!

تم نے دوسری شادی کر لی۔؟

پہلی کا دیہانت ہو گیا تھا۔ کیا کرتا۔

نوکر ٹرے میں دو کپ چائے لا کر رکھتا ہے۔ اسی ٹرے میں فریج سے نکالا ہوا قلاقند بھی ہے۔ جگیشر قلاقند کی پلیٹ راجندر کی طرف بڑھاتا ہے۔

لو بیٹے کھاؤ۔!

پھر وہ نوکر سے مخاطب ہوتا ہے۔

میم صاحب سے کہو صاحب بلا رہے ہیں۔ ان کے ایک پرانے دوست آئے ہیں۔

اسکو جگیشر کی گفتگو پر تعجب نہیں ہوتا۔ پیسہ آدمی کو مہذب بھی بنا دیتا ہے۔ اور آداب گفتگو بھی.......

سلک کی قیمتی ساری میں سجی سنوری خوبصورت شہری عورت آکر اسکو نمستے کرتی ہے۔!

یہ میری بیوی رنجنا ہے۔ گریجویٹ ہے، جتنا لکھا پڑھی اور خط و کتابت کا کام ہوتا ہے۔ سب یہی کرتی ہے۔

عورت کی عمر بہت کم ہے۔ شاید جگیشر کی عمر سے آدھی۔ چہرے پر نہ خوشی ہے نہ آسودگی۔ بلکہ ایک تناؤ ہے یا شاید زخم خوردگی کا غصہ۔۔۔۔۔ یا اہانت کی جھلاہٹ ۔۔۔۔۔ شاید یہ احساس بھی اس کے اندر کہیں کڑھن بن کر موجود ہو کہ وہ بیچی گئی ہے، اسکو خریدا گیا ہے۔

راجندر نے کھانے کیلئے پلیٹ سے ایک قلاقند اٹھایا اور پھر گھبرا کر رکھ دیا۔

بہت ٹھنڈا ہے۔!

کسی نے اسکی طرف دھیان نہیں دیا مگر سہدیو دھیرے سے پچکار کر بولا۔

کھاؤ۔۔!

جگیشر اب اپنی بیوی سے سہدیو کا تعارف کروا رہا تھا۔

ہم تین آدمی جو گاؤں سے اکٹھا سرسا کولیری میں آئے تھے ان میں سے ایک یہ سہدیو بھی تھا۔ ایک رحمت میاں تھا بے چارہ جو ایکسی ڈینٹ میں مر گیا۔ میں رنجنا سے کہتا ہوں کہ میں کان کے اندر گینتے سے کوئلہ کاٹتا تھا اور جھوڑی سر پر لیکر کوئلہ بوجھتا بھی تھا تو اس کو میری بات کا یقین نہیں آتا۔ لو اب پوچھ لو اس سے۔

رنجنا دھیرے سے مسکراتی ہے۔ جواب نہیں دیتی۔ کسی حیرت کا بھی اظہار نہیں کرتی۔ صرف اپنے اندر کا زخم سہلاتی ہے۔

اب سہدیو بڑی مشکل میں پڑ گیا ہے۔ اس کی جیب میں رکھی عرضی جوں کی توں پڑی ہے۔ وہ کیا بولے۔؟

وہ عرضی کیسے دے؟ اس سلسلے میں اسکو بہت سی ایسی باتیں بھی بولی پڑیں گی، جو کم از کم رنجنا کے سامنے نہیں بولنی چاہیئے۔ جب جگیشر اکیلا تھا تب ہی اسکو بات کر لینی چاہیئے تھی۔ اس سے بڑی بھول ہو گئی۔

رنجنا اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ جاتی ہے۔

آپ اتنے دنوں بعد آئے ہیں تو کھانا کھاکر ہی جائیے گا۔

وہ گھبرا جاتا ہے ـــ نہیں نہیں کام بہت ہے مجھے ابھی ڈیوٹی بھی جانا ہے،

کہاں کام کر رہے ہو ـــ؟

پیتھر کھیڑا کولیری میں۔

اور مین over man ہو۔

نہیں سرداری کر رہا ہوں، وہ بھی پارٹ ٹائم۔

مگر یار تم نے بتلایا نہیں کہ کیسے کیسے آگئے اِدھر کوئی کام تو نہیں ہے۔؟

کام ـــ؟ وہ چونکتا ہے۔ جیب میں پڑی عرضی جیسے زندہ ہو کر سانس لینے لگتی ہے۔ مگر وہ اسے وہیں دبا دیتا ہے۔

نہیں دھنباد آیا تھا سوچا تم سے ملتے چلوں۔

پھر غلطی ہوگئی اس سے۔ ایک موقع ملا تھا، ایک صاف موقع، وہ عرضی اس کے ہاتھ میں پکڑا سکتا تھا۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکا، چوک گیا۔ اس کو اپنی بزدلی پر بہت غصہ آیا، وہ کبھی آگے بڑھ کر وار نہیں کر سکتا۔ اسوقت بھی نہیں جب دشمن اسکی زد میں ہو۔ وہ صرف اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے۔ ایک بھی چوٹ کھانا نہیں چاہتا، ایک بھی زخم اٹھانا نہیں چاہتا مگر کسی بھی لڑائی میں کیا یہ ممکن ہے۔؟

وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

اچھا اب چلونگا۔!

وہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ رنجنا رسمی طور پر بولتی ہے۔

کبھی آپ مسز کو لیکر آئیے۔!

وہ مسکراتا ہے ـــ آف کورس۔

جگدیشر اس کو چھوڑنے باہر گیٹ تک آتا ہے، گیٹ پر دونوں ہاتھ ملاتے ہیں، جگدیشر اسکا ہاتھ چھوڑتا نہیں ہے۔ ویسے ہی ہاتھ پکڑے پکڑے کہتا ہے۔

اگر کبھی پیسوں کی ضرورت آپڑے یا کوئی دوسرا کام تو سیدھے میرے پاس چلے آنا۔

یہ گالی تھی جو اس کو دی گئی۔ یا شاید ایک سیدھا وار تھا جو اس کے چہرے پر پڑا۔ وہ تلملایا، تڑپا اور سرد ہو گیا دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دوسری طرف پلٹ کر آگے بڑھ گیا۔

بائی ــ!

ان گنت چھوٹے چھوٹے محاذوں پر ہم ہارتے ہیں۔ پھر بھی اپنی شکست تسلیم نہیں کرتے لڑنے کا یارا نہیں ہوتا پھر بھی کھڑے رہتے ہیں۔ کسی ہارے ہوئے، پٹے ہوئے باکسر کی طرح جو رنگ پکڑے کھڑا ہانپتا رہتا ہے۔ اور ریفری کی سیٹی پر پھر مار کھانے کے لئے مقابل آجاتا ہے۔

ایک لمبی اندھیری سُرنگ ہے اور اس میں چلنا ہے۔ کہیں کوئی شگاف نہیں، کہیں کوئی دراز نہیں جس سے چھن کر کوئی ننھی سی کرن اندر آجاتی ہو کہیں کوئی روشن دان نہیں جہاں سے تھوڑی سی روشنی اس اتھاہ اندھیرے کو باطل کرتی نظر آئے۔ مٹی بھر دھوپ، چٹکی بھر اجالا ...... نہیں کچھ بھی نہیں ...... کچھ بھی نہیں، بس اندھیرا اور گھٹن اور لمبی مسافت ......

چلتے رہو، چلتے رہو...... پاؤں لہولہان ہو جائیں۔ جسم اپنی تمام جولانی کھو دے، گھٹنے چٹخنے لگیں، پھیپھڑوں میں لمبے گہرے گھاؤ ہو جائیں تب بھی چلتے رہو۔ اس سُرنگ کا کہیں کوئی اختتام نہیں، کہیں کوئی انت نہیں۔ یہ ہمارا مقدر ہے۔ یہ ہمارا اس اتنی بڑی رنگ برنگی دُنیا میں حصّہ ہے...... بس چلتے رہو، یہاں تک کہ خون تھوک کر یا تنفس کا شکار ہو کر یا دل کے کسی دورے سے، نہیں تو صرف کمزوری کی بنا پر کہیں بیٹھ جاؤ، آگے چلنے کا یارا نہ رہ جائے یہ ہمارا انت ہے ...... ہمارا آخر ...... تب ہمارے بچے اس سرنگ میں چلنا شروع کرتے ہیں۔ پھر ان کے بچے۔ صدیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سُرنگ کا دوسرا سرا کسی کو نہیں ملتا۔ کیا سُرنگ کا دوسرا سرا، اس سُرنگ سے باہر نکلنے کا دوسرا دروازہ ہے ــ؟

عرفان کہتا ہے۔ اگر دروازہ نہ بھی ہو تو ہم اس سرنگ کو توڑ کر دروازہ بنا لیں گے، اوپر سے ڈھا دیں گے، کھولدیں گے اسے۔ تب سیلی دھوپ اور ایک سہانا خوبصورت دن اس اندھیری سرنگ میں پرورش کرے گا۔

عرفان جوان آدمی ہے۔ وہ تخیّل کی دنیا میں، خوابوں کی وادیوں میں زیادہ رہتا ہے۔ اس نے سچ کو ابھی دیکھا نہیں ہے۔ لمحہ لمحہ بڑھ کر آدمی کو کھا جانے والے اندھیرے سے اسکا سابقہ ابھی نہیں پڑا ہے۔ اس کول فیلڈ کی دنیا کو اس نے صرف باہر سے دیکھا ہے۔ اندر سرنگ میں کتنا اندھیرا اور حبس ہے اسکو کچھ معلوم نہیں۔

تب کیا آدمی ہار مان جائے ۔۔؟

جیتنے کی امید کے بغیر لڑائی بھی کیسے لڑی جا سکتی ہے۔؟

لڑنا تو بہر حال پڑتا ہے۔ چاہے جیتنے کی امید ہو یا نہ ہو، تحفظِ ذات کا یہ ادنیٰ سا اصول ہے کہ جب تک تمہارے ہاتھ میں ہتھیار ہے۔ جبتک تمہارے جسم میں لڑنے کی طاقت ہے تب تک تمہیں مغلوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔

شاید اسی لئے آدمی چاہے جس سطح پر ہو، جس محاذ پر ہو اسے لڑنا پڑتا ہے، اسکے بغیر چارہ کہاں ہے۔؟

بے کیف دنوں اور اجاڑ راتوں کا ایک سلسلہ ہے جو لگتا ہے کبھی ختم نہیں ہو گا۔

دن اور رات کی یکساں اذیت نے اسے اب توڑنا شروع کر دیا ہے، شانوں میں جھکاؤ آنے لگا۔ اور ہنسی اور زندگی اور چہل پہل سب اس گھر سے لگتا ہے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گئے ہیں۔ اب کچھ نہیں ہو گا۔ مہاجال میں پھنسی ہوئی مچھلیاں اب بے حال ہو گئی ہیں۔ انھوں نے تڑپنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔ ساکت ساست۔۔۔۔ تن بہ تقدیر۔۔۔۔ موت کا سفاک ہاتھ انہیں اس جال سے نوچ کر الگ کرے گا۔۔۔۔۔۔ یہی انجام ہو گا۔۔۔۔ صدیوں سے یہی تو ہوا ہے۔۔۔۔ امید کی طرف دیکھو تو کہیں کچھ دکھلائی نہیں دیتا۔ ایک گہری دھند اور ایک ہولناک اندھیرا اور بس۔۔۔۔

تب اچانک وہ انہونی ہوتی ہے۔ جو کسی کے شان گمان میں نہ تھی۔

رات کے بارہ بجے انگنت ملٹری گاڑیاں اور پولس کی جیپیں سارے کولفیلڈ

میں دوڑنے لگتیں ہیں۔ ساری کولیریوں میں ایک ساتھ چھاپہ پڑتا ہے۔ تمام آفسوں کو سیل کر دیا جاتا ہے۔ اوپر اور انڈر گراؤنڈ کی ساری مشینیں اور پمپ اور موٹریں ضبط کر لی گئیں۔ مالکوں کی تمام گاڑیاں پولس اپنے قبضے میں کر لیتی ہے، ہر وہ چیز جو کولیری کی ملکیت تھی سیز کر لی گئی۔ ساری خلقت اپنے گھروں سے باہر نکل آتی ہے۔ تب رات کے بارہ بجے وہ دن طلوع ہوتا ہے جو ان گنت لوگوں کی سیاہ دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔

دوسرے دن کے اخباروں کی ہیڈ لائین نیوز یہی ہے۔

اندرا گاندھی کا ایک اور اہم اقدام۔

ہندوستان بھر کی ساری کولیریوں کو قومیا لیا گیا۔

(دوسرا حصہ ختم ہوا)

تیسرا حصہ

بھارت کوکنگ کول کے افسر نے بہت ہمدردی سے اس سے کہا۔
آپ کا نام تو بے شک کھاتے میں درج ہے مسٹر ربانی مگر آپ کے نام کا پی ایف کہاں ہے؟
وہ ایسا ہے صاحب کہ چھوٹی چھوٹی کمپنیوں میں پی ایف کا پیسہ مالک لوگ جمع ہی نہیں کرتے تھے اکثر! یہ کوئی ایکس کیوز نہیں ہوا مسٹر ربانی۔ بس یہی ایک آدھار ہے جس سے ہم جینوین لوگوں کی پہچان کر سکتے ہیں۔ ورنہ نام تو آپ جانتے سیکڑوں ڈالے جا سکتے ہیں کھاتوں میں اور ڈالے بھی گئے ہیں۔ اور یہی پرابلم بھی ہے ابھی۔
دیکھئے اس سے پہلے میں دس سال تک ٹرنر موریسن کمپنی میں کام کر چکا ہوں، وہاں میرا ریکارڈ بھی دیکھا جا سکتا ہے اور پی ایف آفس سے بھی اسکو کنفرم کیا جا سکتا ہے۔
ہم تو بس یہ دیکھتے ہیں کہ ایٹ پریذینٹ جو نام ہمارے کھاتے میں ہے کیا وہ صحیح ہے؟ ماضی میں آپ کیا کرتے رہے ہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ آپ اسی کو دیکھئے کہ اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو پھر ہمیں ہر اس آدمی کی بات ماننی ہوگی جو کبھی کولیری میں کام کر چکا ہے۔
میٹنگ صبح سے چل رہی تھی، بلکہ میٹنگ نہ کہئے جانچ کہئے۔ کٹ ڈین کے چار پانچ افسر صبح سے ہی کھاتوں کی جانچ کر رہے تھے اور ان لوگوں کا پتہ چلا رہے تھے جن کے نام بھی کھاتوں درج تھے اور پی ایف بھی جمع تھا اور جو واقعی یہاں کے لیبر یا افسر تھے۔ اس سلسلے میں نہ مالکوں سے مدد لی جا رہی تھی اور نہ ہی پرانے افسروں کو شامل کیا گیا تھا۔ سب ایک طرفہ چل رہا تھا۔ زیادہ تر لوگوں کو کنفرم کر دیا گیا تھا۔ صرف دس بارہ کیس ایسے تھے جن پر شک کا اظہار کیا گیا تھا۔ بتایا گیا تھا کہ ان دس بارہ آدمیوں کی اسکریننگ بعد میں ہوگی۔
یونین لیڈروں نے کولیری کھاتوں اور ٹھیکیداری کھاتوں میں نام ڈلوا کر اچھی کمائی کی ہے۔ ان لوگوں نے فی کس دو ہزار سے پانچ ہزار تک وصولے ہیں۔ اس میں ایک حصہ افسروں کا بھی ہے۔ جس کا نام کھاتوں میں چڑھ جاتا ہے اس کی نوکری تقریباً پکی ہو جاتی ہے۔ انکوائری افسر

تھوڑی سی دکھاوے کی چھان پھٹک کے بعد اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ ہزاروں لوگوں نے اپنے بھائی بندوں، رشتے داروں، گاؤں گھر کے لوگوں کو بحال کرا دیا ہے۔ کہتے ہیں شائد ہی کوئی یونین لیڈر ہو یا شائد ہی کوئی انکوائری افسر ہو جس نے پچاس ہزار سے کم کمایا ہو۔

سر ایک بات اور جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ دو سال تک ان کھاتوں پر میرے اپنے ہاتھ سے کئے ہوئے دستخط دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ دو چار دن تو دستخط بنائے بھی جا سکتے ہیں مگر دو سال۔

افسر بڑی نرمی بلکہ بڑی اپنائیت سے مسکرایا۔

اوہ مسٹر سہدیو اسی لئے تو ہم لوگ آپ کو رجیکٹ نہیں کر رہے ہیں۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو آپ کی حمایت میں آتی ہیں۔ مگر پی ایف کا معاملہ سب سے اہم ہے۔ تعجب ہے آپ دو برس سے کام کر رہے ہیں اور آپ نے پی ایف کیطرف کبھی دھیان نہیں دیا کہ آیا وہ جمع بھی ہو رہا ہے یا نہیں "!

آپ جانتے ہیں سر پرائیویٹ کمپنیوں میں اونچی آواز میں بات بھی کرنا منع تھا چہ جائیکہ آپ یہ پوچھنے کی جرأت کریں کہ ہمارا پی ایف جمع ہو رہا ہے یا نہیں "۔!

ابھی کچھ کیس ایسے بھی آئے ہیں مسٹر سہدیو کہ جس آدمی کا نام کھاتے میں موجود ہے مگر وہ کام نہیں کرتا صرف دستخط کرتا ہے۔ یعنی وہ محض ایک شو پیس ہے۔ یا پھر قانون سے کمپنی کو بچانے کے لئے ایک ڈھال ایسے لوگوں کو کیا آپ امپلائی کہیں گے۔؟

لگا جیسے کسی نے اس کا گلا پکڑ لیا ہو۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکلی اور یہی ایک لمحہ تھا جس سے انکوائری افسر نے اطمینان کی سانس لی۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایک فتح مندانہ چمک چمکی اور اس کے اتنی دیر سے بجھے چہرے کو منور کر گئی۔

آخر ایسے لوگوں کا قصور کیا ہے۔؟ وہ مجبوری سے ایسی نوکری میں تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن بھوک اور ضرورتوں کی اس اندھی دنیا میں اگر آدمی ایک جگنو کی روشنی بھی پاتا ہے تو اسکو لپک کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ مگر یہ بات انکوائری افسر کو کیسے سمجھائی جائے۔ وہ نیا ہے۔ وہ ما ئننگ قوانین کی بات کر سکتا ہے۔ اور اسی قانون کی بنیاد پر سچ اور جھوٹ کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ پہلے سے یہاں ہوتا اس کالی دنیا کے

کارناموں کا اس کو پتہ ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ وہی سچ نہیں ہے جو آنکھوں سے دکھلائی دے رہا ہے۔ بلکہ وہ بھی سچ ہے جو پس پردہ ہے۔ اوجھل ہے۔ جس کا کہیں کوئی اندراج نہیں۔ اور یہ چھوٹی سی بے ایمانی انکی نہیں بلکہ ان کولیری مالکوں کی ہے جو ایسے امپلائنر کو قانون کے اس میدان میں بجو کا بنا کر کھڑا رکھتے تھے۔

یس سر! دوسرا ثبوت یہ ہے کہ میرے جنوین ہونے کا کہ ہر ماہ میں تنخواہ کے کھاتے پر دستخط کر کے اپنی تنخواہ چار سو روپیہ ماہوار کے حساب سے اٹھاتا تھا"!

افسر جو اتنی دیر میں دوسرے کاغذوں میں الجھ گیا تھا اسنے نظر اٹھا کر ہمدردی سے اسکی طرف دیکھا۔

کیا آپ واقعی چار سو روپیہ اٹھاتے تھے مسٹر رمانی۔؟

سہدیو کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے، ایک پرچھائیں سی آئی اور گذر گئی۔ کیا یہ افسر جانتا ہے۔؟ کیا اسے سب پتہ ہے؟ کیا کسی نے اسکو رپورٹ کر دی ہے۔؟ ہر مہینہ کی پانچ تاریخ کو جب اسکو تنخواہ کے خانے میں دستخط کرنے پڑتے تو وہ ایک لمحہ کے لئے ضرور رک جاتا۔ تیس دن۔ چار سو روپے۔ گوشہ میں ایک ریونیو اسٹاپ اور دستخط کرنے کے لئے چھوڑی ہوئی جگہ، ہر بار وہ اپنے آپ کو مار کر اس پر دستخط کر دیتا اور ہر بار آپنے آپکو کچل کر چار سو کے بجائے دو سو کے نوٹ اپنی جیب میں ڈال لیتا۔ اس دن سارا دن وہ اس چوٹ کے درد کو کسی نہ کسی صورت محسوس کرتا اور اس دن سارا دن اس پر ایک بے نام غصہ اور ایک نامعلوم جھلاہٹ سوار رہتی۔ اور سارا دن منہ کا ذائقہ کچھ تلخ تلخ کچھ کڑوا کڑوا سا بنا رہتا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

مجھے افسوس ہے سر کہ میں آپ کو اپنی بات کا یقین نہیں دلا سکا۔

اوہ نو نو مسٹر سہدیو اتنا بددل نہ ہوئیے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا۔ ہم نے بہت سی باتوں کو سچ مانا ہے۔ اسی لئے تو آپ کو ایکدم سے رجیکٹ نہیں کیا ہے۔ بلکہ آپ کا کیس اسکریننگ کے لئے بھیج دیا ہے۔ اتنی بات تو مان رکھئے مسٹر رمانی کہ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ آپکو اگر نوکری نہیں ملی تو ہمیں اس سے

کیا فائدہ ہو گا۔ ؟ بھلے اگر آپ کو یہ نوکری مِل جائے تو ہم کچھ فائدے کی امید بھی رکھ سکتے ہیں۔!

وہ باہر نکلا تو رحمان باہر ہی کھڑا تھا۔ اسکو دیکھ کر اشارے ہی سے پوچھا۔

کیا ہوا ـــــ ؟

وہ دھیرے سے بولا ـــــ کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ !

اور کچھ ہو گا بھی نہیں ـــــ وہ اسکے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

تم بھی یار عجیب آدمی ہو ۔ آج بھی سوچتے ہو کہ وہی پرانا مالکوں والا زمانہ ہے ارے زمانہ بدل گیا ہے۔ جس نوکری کے لئے دلال چھوڑے جاتے تھے ۔ آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر کان کے اندر بھیجا جاتا تھا آج وہی نوکری سونا ہو گئی ہے ۔ اور کچھ دن بعد دیکھنا ہیرا ہو جائے گی۔

سہدیو نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو ـــــ ؟

کہنا یہ ہے سہدیو بھائی کہ راجندر ٹھیک کہتا ہے کہ آج کل تو بھگوان بھی بغیر بھوگ لگائے نہیں سُنتا۔ کچھ ہاتھ گرم کر دان بابو لوگوں کا اور کام نکال لو ۔

تم جانتے ہو یہ لوگ کھاتے ھیں ۔ ؟

خوب کھاتے ہیں، پیٹ بھر کر کھاتے ہیں ، نوچ کر کھاتے ہیں، لوٹ کر کھاتے ہیں۔ میں ایسے درجنوں آدمیوں کو جانتا ہوں جنھوں نے انھیں کھلا کر اپنا کام بنایا ہے ۔ ارے سہدیو بھائی چاندی کے جوتے میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

چاندی کا وہی جوتا اس کے پاس نہیں ہے ۔ ایک ایسے دور میں جب ساری خلقت چاندی کے جوتے چمچاتی پھر رہی ہے وہ ننگے پاؤں ہے۔ کون پوچھے گا اسے ـــــ ؟

دو دن پہلے لکھنا باوری بھی بول رہا تھا۔ سہدیو بھائی بھیڑوں سے زیادہ گڈریا ہو گئے ہیں۔ افسروں کی پوری پلٹن نہ جانے کہاں سے اتر آئی ہے ۔ چھوٹے انجنیئر ، بڑے انجنیئر اس سے بڑے انجنیئر ، منیجر ، منیجروں پر جنرل منیجر ، پھر ایریا منیجر ، پھر میٹیریل منیجر جوڑ کر دیکھئے گا تو ایک لیبر پر ایک افسر اور سب مل کر لوٹ رہے ہیں کولیری کو ، دونوں ہاتھ سے لوٹ رہے ہیں۔ دیکھنے والا کوئی نہیں ۔ پہلے مالک تھا تو ایک ایک پیسہ کا حساب رکھتا تھا اب تو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ۔ اندھے کی ریوڑی بنٹ رہی ہے جو جتنی لے لے ۔

تین بج رہے تھے اور دھوپ ڈھلنے لگی تھی۔ چائے دکان والوں نے آگ جلادی تھی اور چاروں طرف دھوئیں کے بگولے اڑ رہے تھے۔ ابھی جب پانچ بجے کی شفٹ ختم ہوگی اور نئی شفٹ لگے گی تب ان دکانوں میں گاہکوں کی بھیڑ لگ جائے گی۔ ابھی سب کچھ لٹا لٹا سا ویران ویران سا لگ رہا تھا۔ کوئی اکا دکا آدمی چل رہے تھے۔ مگر اتنی بڑی کھلی جگہ میں ان کا وجود نہیں کے برابر تھا۔ سہدیو ایک چائے کی دکان پر رکا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ابھی چائے نہیں ملے گی اس نے چائے طلب کی۔ دکاندار کے معذوری ظاہر کرنے پر اس نے پانی طلب کرلیا۔ پانی دیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

صاحب کس کولیری میں ہیں ــــــ؟

اس نے شائد اسکے صاف ستھرے کپڑوں سے دھوکہ کھایا تھا۔ سہدیو ہنس پڑا۔

میں صاحب نہیں ہوں، بابو بھی نہیں ہوں صرف ایک لوڈر ہوں، بلکہ ہوں بھی نہیں کبھی تھا۔ مالکوں کے زمانے میں،

مطلب یہ کہ بی۔ سی۔ سی۔ ایل میں نہیں ہیں ــــــ؟

نہیں میرا کیس آج چھ مہینے سے ادھر سے ادھر ہو رہا ہے۔ کوئی فیصلہ ہی نہیں ہو پاتا۔ آج اس ایریا آفس میں بلاوا تھا سو آگیا۔

کچھ ہوا ــــــ؟

نہیں کچھ بھی نہیں۔

تین خانوں میں بنٹ گئی ہے کولیری کی یہ سیاہ دنیا۔ بڑے افسر جو صاحب کہلاتے ہیں۔ آفس اسٹاف جن کو بابو کہا جاتا ہے۔ اور سب سے آخر میں مزدور جس کے پاس کوئی خطاب نہیں۔ بڑے افسر چاندی کاٹ رہے ہیں۔ آفس اسٹاف بھاگتے بھوت کی لنگوٹ کھینچ رہے ہیں۔ اور مزدور جن کے پاس وہی اندھیری سرنگیں ہیں۔ اور رستے ہوئے پانی میں بھیگی پھسلن اور اوبڑ کھابڑ زمین ہے۔ بیلچہ ہے۔ بید کی جھوڑی ہے۔ ہزاروں فٹ زمین کے نیچے کی گرمی ہے۔ حبس ہے۔ اور بدن پر کینچوے کی طرح رینگتا ہوا پسینہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مزدوری بڑھ گئی ہے، جینے کا سادھن کچھ مضبوط ہوگیا۔ لیکن ہاڑ توڑ محنت ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی بلکہ اب شائد پہلے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ مالک تو صرف ڈانٹ ڈپٹ کر یا ایک آدھ ہفتہ بٹھا کر چھوڑ

دیتا ہے مگر یہ افسر تو بات بات پر چارج شیٹ ٹھونک دیتے ہیں۔

آپ کی جان پہچان ہے یہاں کسی سے ـــــ ؟

نہیں ـــ!

دیکھئے ایک بابو ہے آفس میں سادھن چکرورتی۔ اس کی بہت پہنچ ہے صاحب لوگوں میں کچھ خرچ کیجئے تو میں بات کرادوں۔

دنیا میں صرف ایک چیز رہ گئی ہے پیسہ ـــــ جادو کی چھڑی کیا اسکے بغیر اب کوئی کام نہیں ہوگا ـــ؟ لوگ کہتے ہیں جب سے کولبیری نیشنلائز ہوئی ہے کولبیریوں میں نوٹ ہوا میں اڑ رہا ہے بس پکڑنے والا ہونا چاہیئے۔ وہ حسرت سے چاروں طرف دیکھتا ہے کہاں اڑ رہا ہے نوٹ ـــ؟ اسکو تو کہیں نظر نہیں آتا۔

اس کو چپ دیکھ کر دکاندار سمجھ جاتا ہے کہ ان تلوں میں زیادہ تیل نہیں ہے اسلئے وہ ایک اور مشورہ دیتا ہے۔

اگر پیسہ کم ہے صاحب تو کسی یونین لیڈر کو، بڑے یونین کے لیڈر کو پکڑیئے ـــ چھوٹے لیڈر تو آپ کو نوچ کھائیں گے "۔

کپل سنگھ سے لیکر پی این ورما تک سارے لیڈر اسکے دیکھے ہوئے ہیں۔ یہ سالے بغیر مطلب کسی کی کٹی انگلی پر پیشاب کرنے والے ہیں۔ جتنا بڑا لیڈر ہے اتنا ہی بڑا اس کا پیٹ ہے۔ وہ سارا ٹھاٹ باٹ دھوم دھڑکا کہاں سے آتا ہے ان لیڈروں کے پاس۔ انہیں مزدوروں سے تو۔ مالک تو اب رہے نہیں کہ کہیں ٹیلی فون کیا اور پچیس ہزار منگوالیا۔ اب تو جو ہے مزدور ہی ہے۔

لیڈر کو اس نے پکڑا بھی تھا۔ اس نے عرفان کی معرفت۔ جمدار کو خبر بھیجوائی تھی۔ وہ آیا بھی تھا اس نے ایریا آفس سے پھر ہیڈ آفس سے پتہ بھی کیا تھا۔ اس کو بھی وہی بتایا گیا یعنی چونکہ ان کے نام کا پی ایف جمع نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان کا نام ہی کہیں پی ایف آفس میں درج نہیں ہے اس لئے ان کا امپلائی ہونا ہی مشکوک ہے۔ اس نے کئی افسروں سے بات چیت بھی کی تھی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ جمدار کا خیال تھا کہ اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس معاملے کو عدالت تک لے جایا جائے۔ اسمیں بہت لمبا وقت لگ جائے گا۔

دو چار سال بھی لگ سکتا ہے پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہو کیونکہ بہر حال یہ کمزوری تو رہ ہی جاتی ہے کہ اس کا نام پی ایف میں نہیں ہے۔ طے یہ کیا گیا کہ ابھی سہدیو کوشش کرتا رہے جب ٹھیک سے پتہ ہو جائے کہ ادھر سے کچھ نہیں ہوگا تب کیس کر دیا جائے بھارت کوکینگ کول پر

عرفان ہر دوسرے تیسرے دن پوچھتا ہے۔

کیا ہوا انکل ــــــ؟ کچھ کام بنا ــــــ؟

جواب دیتے دیتے اب وہ اتنا تنگ آچکا ہے کہ چپ رہ جاتا ہے۔ اس چپی سے عرفان سمجھ جاتا ہے کہ کیا ہوا ہے۔ اب اس کے پاس تسلی بھرے الفاظ بھی نہیں رہ گئے اسلئے وہ بھی چپ ہو جاتا ہے۔ البتہ ختونیا اس کا حوصلہ بڑھائے رکھتی ہے۔

تم کاہے گھبراتے ہو سہدیو بھیا کا ہم مر گئے ــــــ؟ جب تک کام نہیں ملتا یہیں پڑے رہو۔ ہم جو کھائیں گے تم کو بھی کھلائیں گے۔

وہ ختونیا کے گول چہرے کو دیکھتا ہے۔ ایک شدید مشقّت بھری زندگی کی کرختگی اور سخت گیری آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقوں میں اور ناک کے نیچے جھرّیوں میں نمایاں ہو گئی ہے۔ وہ بوڑھی نہیں ہوئی ہے مگر وہ پہلے والی چمک چہرے میں نہیں رہ گئی ہے۔ البتہ آنکھیں آج بھی روشن اور زندہ ہیں اور جب وہ سہدیو سے ہمدردی کرتی ہے تو ان روشن آنکھوں سے جوت سی پھوٹنے لگتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ صرف محبّت کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ وہی محبت اور شفقت ان کا جزوِ زندگی بھی بن جاتا ہے اور جزوِ ایمان بھی ــــــ

ــــــ کبھی کبھی سہدیو سوچتا ہے کہ وہ اس کی اندھیری سیاہ زندگی میں ایک چھوٹا سا روشن دیا ہے کہ جب چاروں طرف کی تاریکیاں اسکو نگلنے کے لئے بڑھ آتی ہیں تو وہ دیا اس کے نزدیک آجاتا ہے۔ اندھیرے کھسکنے لگتے ہیں اور زندہ ہونے کا، زندہ رہنے کا احساس پھر تازہ ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ سوچتا ہے کہ اگر ختونیا نہ ہوتی تو کیا ہوتا ــــــ؟ شائد اب تک وہ اتھاہ اندھیروں میں اتر گیا ہوتا۔

تب تک چائے بن چکی تھی۔ دکاندار نے کانچ کے گلاس میں چائے اس کی طرف بڑھائی تو وہ چونکا۔ وہ کتنی دیر وہاں بیٹھا رہا اسکو کچھ پتہ بھی نہ چلا۔ شائد آدھ گھنٹہ یا پھر ایک گھنٹہ

سُورج کچھ اور نیچے کھسک آیا تھا اور دھوپ کچھ اور ترچھی ہو گئی تھی۔ اور زرد سنہری دھوپ نے کالے ہیروں کو جگمگانا شروع کر دیا تھا۔

بابو صاحب بغیر چمچہ لگائے گھی تھوڑا ہی نکلتا ہے۔ وہ دن گئے کہ لوگ انگلی ٹیڑھی کر کے گھی نکال لیا کرتے تھے۔

"بابو صاحب" —— ایک اور غلطی کی تھی دکاندار نے۔ بابو صاحب راجپوتوں کے لئے مخصوص تھا جو کولفیلڈ میں آہستہ آہستہ ایک بڑی طاقت بن کر ابھر رہے تھے۔ بد قسمتی سے وہ راجپوت نہیں تھا۔ مگر راجپوت کی بات آئی تو اس کے دماغ میں ایک نام چمک اٹھا۔

جگیشر سنگھ —— جے بی سنگھ۔

جگیشر نے کہا تھا کوئی کام پڑ جائے تو میرے پاس چلے آنا۔ اس سنکٹ کی گھڑی میں کیا اس کو پکڑنا غلط ہو گا۔ اس سے روپیہ پیسہ تو کوئی مانگ نہیں رہا ہے۔ کچھ غلط بھی کرنے کو نہیں کہہ رہا بس اس کی نوکری جیسے پتہ نہیں صاحب لوگ نے کہاں دبا رکھا ہے اس کو دلا دے۔

سہدیو اچانک اٹھ کھڑا ہوا —— جگیشر کا گھر بہت دور ہے۔ شائد دو گھنٹے لگ جائیں گے۔

کچھ راستہ بس پر اور کچھ پیدل چل کر جب وہ جگیشر سنگھ کے گھر پہونچا تو دن ڈوب چکا تھا۔ باہر برآمدے کا بلب روشن تھا اور جگیشر دو تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کو دیکھا تو ایک سایہ سا اسکے چہرے پر رینگ آیا۔ جیسے اسوقت اس کا آنا اسے اچھا نہ لگا ہو۔ اس نے کسی تپاک کا اظہار بھی نہ کیا۔

کیسے آنا ہوا —— ؟ کوئی کام ہے —— ؟

ہاں کام تو ہے ...... !

تم ایسا کرو کل کے بعد پرسوں آجاؤ۔ آج ذرا ہماری میٹنگ چل رہی ہے۔

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ الٹے پیروں لوٹ گیا۔ چار آدمی کی آٹھ عدد آنکھوں نے اسے اوپر سے نیچے اور باہر سے اندر تک کھنگال لیا اور جو پایا وہ ان کے چہروں سے مترشح تھا۔

جگیشر کے چہرے پر تھوڑی سی کڑواہٹ، تھوڑی سی جھلاہٹ تھی۔ کسی سے ملنے سے پہلے آدمی کو اپنا حلیہ ضرور ٹھیک کر لینا چاہیئے۔ کپڑوں پر جمی دھول، پیر کے گھسے ہوئے میلے جوتے، سوکھے ہوئے چہرے کی مفلوک الحالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سب چیزوں پر آدمی پردہ ڈال لیتا ہے تب کسی سے ملنے جاتا ہے۔

تیسرے دن سہدیو نے یہی کیا بھی۔ کپڑے دھلوالے ۔ ربر کا جوتا صاف کیا شیو کروائی اور ایک دم چکا چک ہو کر پہنچ گیا جگیشر کے گھر۔

جگیشر نے اسکو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور معذرت کے انداز میں بولا۔

اس دن میں بہت بزی تھا۔ وہ جو چار آدمی تھے نا وہ بی سی سی ایل کے آدمی تھے۔ کچھ ٹھیکے کی بات چل رہی تھی۔ اب تو کولیری نیشنلائز ہو گئی ہے۔ تو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اسی لئے تو تم کو واپس کر دیا تھا۔ کہ اس بھیڑ میں تم سے ٹھیک سے بات نہ ہو سکے گی۔ آؤ اندر آؤ۔ کیا کام پڑ گیا مجھ سے۔

قصہ یہ ہے کہ میں پھر کھیڑا کولیری میں کام کر رہا تھا۔ کام کیا کر رہا تھا بس وقت کاٹ رہا تھا۔ تم جانتے ہو بہت سی چھوٹی چھوٹی کمپنیوں میں اسی طرح لوگ رکھے جاتے تھے تاکہ مائننگ ڈپارٹمنٹ کو دکھایا جا سکے کہ ہمارے یہاں غیر قانونی کام نہیں ہو رہا ہے۔

وہ تو مجھے معلوم ہے پھر مشکل کیا ہوئی۔

مشکل یہ ہے کہ اب وہ لوگ میری نوکری تسلیم نہیں کرتے۔

کھاتے میں تمہارا نام ہے۔؟

ہاں ۔ ۔ ۔ ۔ !

پھر کا ہے نہیں مانتے۔

کہتے ہیں آپ کا پروویڈنٹ فنڈ جمع نہیں ہے۔

کچھ بھی جمع نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

تب تو ذرا مشکل کام ہے۔ مگر اتنے دن تم کیا کرتے رہے۔ پہلے کیوں نہیں بتایا اب تو کیس اوپر چلا گیا ہوگا۔

پہلے ہیڈ آفس گیا پھر انکوائری کے لئے ایریا آفس بھیج دیا گیا۔

انکوائری ہوئی ....؟

ہاں......!

کیا کہا گیا وہاں....؟

وہاں بھی ان لوگوں کو وہی عذر ہے کہ جب تم کام کر رہے تھے تو تمہارا پی ایف کیوں جمع نہیں ہوا۔

جگیشر نے سر ہلایا ـــــ پی ایف کی بہت اہمیت ہے اس طرح کے کیس میں۔ چاہے کھاتے میں نام ہو یا نہ ہو لیکن اگر پی ایف جمع ہے تو فوراً کام ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے تو پی ایف آفس کے بابوؤں کو پیسہ دیکر بیک ڈیٹ میں فنڈ اپنے پاس سے جمع کرایا اور لڑ جھگڑ کر نوکری حاصل کر لی۔

سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔

تم ایک کام کرو کہ دوسری نوکری کر لو۔

مطلب....؟

"مطلب یہ کہ کسی دوسرے کے نام سے"!

"اس میں کوئی آپتی تو نہیں ہوگی"....؟

"آپتی کیا ہوگی۔ بس نام اور ولدیت ہی تو بدلنا ہے۔ بعد میں کون پوچھتا ہے کہ تمہارے مُنہ میں کتنے دانت ہیں"!

"مگر رمانی سے سنگھ بننے میں"......!

"ارے اس میں حرج ہی کیا ہے تمہاری تو ذات اوپر اٹھ رہی ہے۔ تم تو سنگھ کے نام سے نوکری کرو گے یہاں تو لوگ چمار کے نام پر بحال ہو گئے ہیں"۔

سہدیو نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی کو رضا سمجھ کر جگیشر بولا۔

اب مجھ ہی کو دیکھو میں اپنے نام کے ساتھ سنگھ لکھتا ہوں۔ سارا کولفیلڈ اب مجھے سنگھ صاحب کے نام سے ہی جانتا ہے۔ کیا ہوتا ہے اس سے ـــ؟

کچھ نہیں ہوتا اس سے ـــ؟ سہدیو اپنے آپ سے سوال کرتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی

جواب نہیں دیتا صرف تحقیر سے مسکراتا ہے......

تم ایسا کرو کم سے کم تین ہزار روپیوں کا انتظام کر لو۔ باقی میں سمجھ لوں گا۔ ویسے لگتا تو ہے چھ ہزار مگر میرے ہوتے ہوئے اگر کچھ رعایت نہ ہوئی تو پھر کیا بات ہوئی۔

تین ہزار ــــــ؟ اس کے پاس صرف چھ روپے ہیں۔ وہ بھی ختو نیا نے دیئے ہیں۔ اتنے روپے وہ کہاں سے لائے گا۔ پھر بات آکر روپے پر رک گئی ہے۔ کیا روپے کے بغیر، رشوت کے بغیر اب دنیا میں کوئی کام نہیں ہوا کرے گا ــــ؟

چائے پیو گے ــــ؟

وہ چونکتا ہے ــــ نہیں ــــ!

اچھا تو تین چار دن میں پیسے لے کر آجاؤ۔

یہ اشارہ تھا کہ اب میری جان چھوڑو۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلی بار اس کا ہاتھ سلام کے لئے اٹھ گیا اور پہلی بار اس بے ساختہ حرکت پر اس نے اپنے آپ کو ماں کی گالی دی۔

گیٹ سے باہر نکل اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

تم کون ہو ــــ؟ سہدیو پرساد رمانی یا......

تمہارے باپ کا نام کیا ہے ــــ؟

اور ماں کا نام ــــ؟

یہ گالی نہیں ہے کیا ــــ؟

وہ آگے بڑھتا جاتا ہے اور ہر قدم پر سوال اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈالتا جاتا ہے، وہ سنگھ جیسے نام پر اسکو نوکری کرنی ہے کہاں کا رہنے والا ہے ــــ؟ اس کے باپ کا کیا نام ہے؟ اگر کبھی آکر وہ کہے کہ اصل آدمی میں ہوں۔ تب وہ کیا کہے گا۔ کیا کرے گا ــــ؟ بھاگ جائے گا سب چھوڑ چھاڑ کر؟ یا پھر پکڑا جائے گا ــــ؟ مقدمہ، کوٹ، جیل اور اگر یہ سب کچھ نہیں بھی ہوا تو اس کا اپنا وجود کہاں رہ جائے گا۔ ؟

دو حصوں میں بٹا ہوا آدمی...... گھر میں سہدیو پرساد رمانی اور کولیری میں؟

دوہری زندگی...... دوغلی زندگی......!

کیا اس کی شدید غیر انسانی مشقت کی ، برس ہا برس تک سیاہ دھول نگلنے کی ، یہی قیمت ہے ــــ ؟ یہی بے نامی ــــ ؟ اس نے اپنا گاؤں کھو دیا ، اپنا گھر کھو دیا ۔ اب کیا اپنا نام ، اپنا وجود بھی کھونا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ سوالوں کا بھنور بڑھتا جاتا ہے ، اسکو گھیرتا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غصّہ اس کے اندر ہی اندر اُبل رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سالے ۔ ۔ ۔ ۔ حرامی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوغلے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سنگھ کی اولاد ۔ ۔ ۔ ۔ !

شام کو سب کی رائے ہوگئی ۔ عرفان ، اسکی ماں ختونیا ، پرتی بالا سب نے کہا کہ یہ ایک اچھا موقع ہے اسے گنوانا نہیں چاہیئے ۔ مگر سہدیو نے دوسرا نام قبول کرنے سے یکسر انکار کردیا ۔

●

چھ مہینہ اور گزر گیا ۔ اور کاغذ کا سفر فائل در فائل ، ٹیبل در ٹیبل ، کبھی ہیڈ آفس ، ایریا آفس ، کبھی کولیری آفس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوڑتے دوڑتے سہدیو تھک گیا ۔ ساری خلقت کام کر رہی تھی ۔ کولیری کا نیشنلائزیشن بھی پرانی بات ہو چکی تھی ۔ سیکڑوں لوگ دوسرے لوگوں کے نام سے کام کر رہے تھے ۔ اور وہ تھا کہ صبح سے شام تک مختلف پرچھائیوں کے پیچھے بھاگتا پھر رہا تھا ۔ اسکریننگ آج ہوگی ، کل ہوگی ، ایک ماہ بعد ہوگی ۔ سب کچھ ٹلتا جا رہا تھا ۔ سارا معاملہ پیسے پر آکر ٹک گیا تھا ۔ کئی صاحبوں نے تو صاف صاف کہدیا کہ دیکھو بھائی جوتیاں چٹخانے سے کچھ نہیں ہوگا کچھ مال پانی نکالو تو ہم تمہارا کام کر دیں ۔

مال پانی ــــ ؟

جو تھوڑا بہت تھا وہ بھی اس بھاگ دوڑ کی نظر ہو گیا تھا ۔ چپل کی ایڑی اتنی گھس گئی تھی کہ اب اسکے پاؤں کا حصّہ زمین پر رکھا رہتا تھا ۔ قمیص میں بازو کے پاس ایک شگاف ہو گیا تھا ۔ اس کے بازو کی مچھلیاں جو کبھی تڑپتی رہتی تھیں اب مردہ چھپکلیوں کی طرح اس کے بازو سے چمٹی صاف دکھلائی دیتیں ۔ ناامیدی کے بگولے اسکو گھیرے رہتے ۔ بجدار نے کہا ۔ اب کیس کردو مگر کہاں سے کرے وہ کیس ــــ ؟

تب اس اندھیرے میں ملا تھا ایک نورانی فرشتہ کلیان دتہ اس نے کہا آجکل ایسے

کام نہیں نکلتا۔ کام نکلتا ہے پیسے سے یا طاقت سے جس کے پاس پیسہ ہے وہ پیسہ استعمال کرتا ہے اور جسکے پاس طاقت ہے وہ طاقت۔ تم میرے ساتھ بھاردواج صاحب کے پاس چلو، وہ افسروں کی گردن پکڑ کر تمہارا کام کروا دیگا۔ بہت پاورفل آدمی ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے ایک نئی یونین دلت مزدور سنگھ آہستہ آہستہ کولیریوں میں اپنا رسوخ بڑھا رہی تھی۔ یہ یونین اہنسا پر وشواس نہیں رکھتی تھی نہ بھاشن بانٹتی تھی اور نہ راسن بس گولی کی بات کرتی تھی۔ اس میں ایک سے ایک خونخوار آدمی شامل ہیں۔ انہوں نے درجنوں آدمیوں کو گولی سے اڑا دیا ہے۔ کبھی کبھی بڑے بڑے افسروں کو گریبان سے پکڑ کھینچ کر آفس سے باہر نکال لاتے ہیں

بول سالے مار دوں گولی ـــ ؟

جس کولیری میں بھی یہ یونین قائم ہوئی وہاں کے لیبر ایک دم سے خودسر ہو گئے۔ بات بات پر افسروں کو گالی بکنا، ان کا گھراؤ کرنا، لیٹر تھپڑ کر دینا یہ سب بہت معمولی باتیں تھیں، اور اسی یونین کا لیڈر تھا ایس این بھاردواج۔ یعنی ست نارائن بھاردواج۔ خود پہلوان تھا چوڑا چہرہ، اونچا قد، سامنے کو ابھری ہوئی چھاتی اور ہونٹوں پر ہمیشہ ایک مسکراہٹ تو نہیں البتہ مسکراہٹ کا بھاؤ بنا رہتا۔ مسکراتا تو وہ تب ہے جب دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہے۔

بھاردواج نے اس کی ساری کہانی کلیان دتہ کی زبانی سنی پھر اس سے پوچھا۔

ابھی تمہارا معاملہ کہاں رکا ہے۔ ؟

ایریا آفس میں۔

کون سے ایریا آفس میں۔ ؟

سات نمبر میں۔

وہاں کسٹوڈین افسر کون ہے دتہ ۔ ؟

سر کوئی بنگالی ہے تیواری ناتھ گھوش۔

اچھا اچھا ٹھیک ہے ـ! پھر اس نے اپنے ایک آدمی کو بلایا اور کہا۔

دھرپ سنگھ تم اسکو لیکر ذرا ایریا سات میں جاؤ اور گھوش بابو سے کہو کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر اسکی بحالی نہیں ہوئی تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

پھر اس نے سہدیو کی طرف دیکھا۔

تم اتنی بات سن لو۔ میں تمہارا کام کر دیتا ہوں۔ تمہیں میرا کام کرنا ہوگا۔ یہی میرا اصول ہے۔

ٹھیک ہے صاحب!

پھر وہ دھرپ سنگھ کی طرف مخاطب ہوا۔ اور اس بنگالی رام سے کہنا کہ جب سے وہ بیٹھا ہے اس کی تنخواہ بھی منظور کرا دے۔ اب جاؤ اس کو لے کر۔

باہر کھڑی کار میں تینوں بیٹھ گئے۔ دھرپ سنگھ نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

ایریا سات جائے کے با۔ ایریا آفس!

ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

بھرت سنگھ بولا ــــ دیکھا جی! دو طرح سے کو لوری میں جئیل جاتا۔ ایک تو پاؤں پکڑ کے اور ایک گردن پکڑ کے۔ اب او جمانا ہوا ہو گئیل۔ اب تو ای جگ بانوں کا جون سالے کے لات مارو وہی ٹھیک رہت با"۔

سہدیو کبھی کار پر نہیں بیٹھا تھا۔ دو ایک بار ٹیکسی پر ضرور چڑھا تھا مگر ٹیکسیوں کی حالت اتنی بدتر تھی کہ اس سے تو اچھی گاؤں کی بیل گاڑی۔ کار کی سیٹ میں فوم لگا تھا۔ ملائم اتنا کہ لگتا تھا آدمی اس میں دھنس جائے گا۔ پھر اوپر ہلکے پیلے رنگ کا کور cover لگا تھا۔ سہدیو ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کے ہاتھ یا اس کے کپڑوں سے سیٹ پر داغ نہ پڑ جائے۔

مگر دھرپ سنگھ ایکدم اطمنان سے تھا۔

بس اتنا معلوم ہو جائے کہ تم دلت مزدور سنگھ میں ہو تو کوئی سالا تم سے سٹے گا نہیں۔

سہدیو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ایسے کام ہو جائے گا۔؟ جو کام برسوں میں نہ ہو سکا اسکو ایک معمولی آدمی کیسے کرائے گا۔ بھلے بھاردواج خود آ جاتا تو کوئی امید بھی تھی۔ لگتا ہے اس بار بھی بات ٹل جائے گی۔

ایریا آفس کے چپراسی نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔

پہلے اپنے نام کی پرچی بھیجئے ــــ!

دھرپ سنگھ نے اسکو گھور کر دیکھا۔

کاہو چنیت نیکھے ــــ ؟

اسکی بڑی بڑی لال آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ چپراسی ٹھٹک کر رہ گیا۔

اندر ایک بڑا سا ٹیبل تھا جس کے چاروں طرف گدے دار کرسیاں پڑی تھیں۔ گودریج کی الماری جس کے اوپر بھی فائلیں پڑی تھیں۔ فرش پر موٹا میٹ بچھا تھا۔ خاموش پر سکون ٹھنڈے کمرے میں ایک ایسا رعب تھا جیسا رعب موہنا کولیری میں وھائٹ صاحب کے آفس میں بھی نہیں تھا۔ اکیلے بیٹھے افسر نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا اور تیکھے سے پوچھا۔

کیا بات ہے ــــ ؟

دھرپ سنگھ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔ صاحب یہ سہدیو پرشاد رمانی ہے۔ اس کا ایک کیس پنڈنگ میں پڑا ہے۔

تو ہم کیا کریں ــــ ؟ وہ جھلا کر بولا۔ شائد وہ بنا اجازت لئے اندر آنے سے چڑھ گیا تھا۔

کیس جو ہے نا صاحب وہ آپ ہی کے پاس ہے۔

دھرپ سنگھ کے لہجے سے وہ کچھ نرم پڑ گیا۔

کیا کیس ہے ــــ ؟

اس بار سہدیو بولا۔ سر میں پتھر کھیڑا کولیری میں کام کر رہا تھا جب نیشنلائزیشن ہوا۔ وہاں میرا نام تو کھاتے میں تھا مگر پی ایف جمع نہ ہونے کے کارن..........

کسٹوڈین افسر نے اسکی بات کاٹ دی۔

اس پر میں کیا کر سکتا ہوں آپ ہیڈ آفس جائیے۔

سر ہیڈ آفس سے معلوم ہوا ہے کہ فائل آپ کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔

ایکے دھرپ سنگھ بولا۔ صاحب ہم لوگوں کو ایس این بھاردواج نے بھیجا ہے۔ نام سنا ہے نا سر ــــ ؟

اس نام میں پتہ نہیں کیا جادو تھا کہ کسٹوڈین کا رنگ پیلا ہو گیا۔

ٹھیک ہے میں دیکھ لوں گا۔

بھاردواج صاحب بولا ہے نہ صاحب کہ ایک ہفتہ میں کام ہوجانا چاہیئے تہس تو.......

کسٹوڈین افسر نے خوف بھری آنکھوں سے دھرپ سنگھ کیطرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو نہیں تو.......

دھرپ سنگھ سامنے سے اسکے پہلو میں چلا گیا اور اپنی کمر میں کھونسے ہوئے پستول کا دستہ دکھایا۔

ای دیکھ رہے ہیں نا صاحب ـــ؟

اب اچانک افسر کو پسینہ چھوٹ آیا۔ مارے گھبراہٹ کے اسکی آواز بند ہوگئی۔ وہ کچھ بول بھی نہ سکا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکی طرف دیکھتا رہ گیا۔

توہم لوگ چلیں صاحب ـــ؟

وہ پھر بھی چپ رہا جیسے اسمیں ہاں بولنے کا بھی یارا نہ ہو۔

توصاحب ہم لوگ کیا بول دیں بھاردواج صاحب کو۔؟

اس بار افسر نے ہمت جمع کی اور کانپتی آواز میں بولا۔

ٹھیک ہے بھاردواج صاحب سے کہہ دو کہ کام ہوجائے گا۔ میں جیسے بھی ہوگا یہ کام کردوں گا۔

اور ہجور جب سے یہ بیٹھا ہے اس کی تنخواہ ـــ؟

وہ تو ملے گی ہی، اسکو کون روک سکتا ہے۔

ٹھیک ہے۔ توہم چلتے ہیں صاحب ـــ! اسلام

سلام۔

تینوں باہر نکل آئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دتہ بولا" دیکھو ہم بولا تھا نا کہ جہاں باپ کا نام سُنے گا تو پوند پل پل کرنے لگے گا"!

دھرپ سنگھ بولا" ای جمانا اسی کا ہے۔ سیدھے کوئی سنتا ہے یہاں۔؟ اب دیکھو بارہ مہینہ میں جو کام نہیں ہوا تھا وہ بارہ منٹ میں ہوگیا۔ ہوگیا کہ نہیں ـــ؟

واقعی سہدیو کو بھی حیرت تھی اور اس بھی زیادہ حیرت اس بات سے تھی کہ دھرپ سنگھ نے

ایریا آفس میں گھس کر اتنے بڑے افسر کو پستول دکھایا اور وہ کچھ نہ بولا۔ اس نے دھرپ سنگھ سے پوچھا۔

آپ نے اسکے آفس میں پستول دکھایا اگر وہ ایکشن لے لیتا تب ——؟

اس سے پہلے میں ایکشن لے لیتا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں صرف اسکو ڈرا رہا تھا۔؟ لو دیکھو! اس نے کمر سے پستول نکال کر اسکے بغل میں ڈال دی۔ لوڈیڈ ہے، پوری چھ گولیاں اور ہم اس کا گھوڑا دبانے میں ذرا سنکوچ نہیں کرتے۔"

سہدیو نے غیر ملکی پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس نے اپنی اتنی بڑی زندگی میں کبھی پستول اتنے نزدیک سے نہیں دیکھا تھا۔ دھرپ سنگھ اس کے ہاتھ سے پستول لیکر چکری گھما گھما کر دکھانے لگا۔

دیکھو یہ گولیاں ہیں۔ پوری چھ کی چھ۔ دیکھ رہے ہو نا۔

وہ دیکھ رہا تھا تعجب کی بات ہے اسکو ڈر نہیں لگ رہا تھا بلکہ وہ اپنے اندر ایک عجیب طرح کی طاقت محسوس کرنے لگا تھا۔ کئی برسوں کے افلاس اور مجبوریوں سے کچلا اور پچھلے ایک برس سے مسلسل بھاگ دوڑ سے ٹوٹا ہوا اس کا وجود آج جیسے ایک عجیب طرح کی لذت سے ہمکنار تھا۔ ان سارے افسروں، لیڈروں، دلالوں کے چہرے اس کی نظروں میں گھوم رہے تھے جنکے سامنے دست بستہ کھڑے اسکی ٹانگیں پتھر سی ہو گئی تھیں۔ وہ سارے خوشامدانہ الفاظ وہ سارے منت آمیز جملے جو اسکے منہ سے ادا ہوئے تھے۔ آج ایک غلیظ گالی بن کر اس کے ہونٹوں پر جم گئے تھے۔

مادر.........!

جے رام پور میں تمہارا یونین بن گیا۔ دتہ دھرپ سنگھ سے پوچھ رہا تھا۔

ارے چوہان سالا روک لے گا یونین بننے سے —؟ اس کے تین آدمی مارے گئے۔ تو اسکے ریڑھ کی ہڈی ہی ٹوٹ گئی۔ پورا ایریا ہی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آجکل سنا ہے ایریا دس میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

سہدیو ان کی گفتگو سننے سے زیادہ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ پتہ نہیں کیوں اب بھی وہ مشکوک تھا۔ کیا نوکری مل جائے گا.....؟ اتنی آسانی سے مل جائے گی.....؟

بس ایک دھمکی میں۔۔۔۔؟ اگر نہیں ملی تو۔۔۔۔؟ پھر وہی بھاگ دوڑ، وہی خوشامد، وہی افلاس کا دلدل جس میں وہ گردن تک دھنس چکا ہے۔

کار واپس پہنچی تو بھاردواج ننگے بدن دھوپ میں ایک ٹول پر بیٹھا تھا اور ایک نوکر جو نوکر سے زیادہ پہلوان لگ رہا تھا اس کے بازو کو اپنے کندھے پر رکھے مالش کر رہا تھا کار سے اتر کر جب وہ لوگ اس کے نزدیک پہنچے تو اس نے کچھ پوچھا نہیں صرف نظر اٹھا کر دھرپ سنگھ کو طرف دیکھا۔

کام ہو گیا صاحب — !

کیا بولا کٹڈین افسر — ؟

بولا کام ہو جائے گا۔ پہلے تو لگا رعب جھاڑنے، آپ کا نام لیا تو سٹی گم پھر جب پھٹپھٹوا دکھایا تو اس کے منہ سے آواز نکلنا ہی بند ہو گیا۔

بھاردواج ہلکے سے مسکرایا — پھر۔ ؟

پھر ہم نے پوچھا کہ کیا کہدیں بھاردواج صاحب سے تو ہڑبڑا کے وعدہ کر لیا کہ وہ یہ کام کر دے گا۔ چاہے جیسے ہو۔

اور بقایا تنخواہ — ؟

وہ بھی دے گا — !

بھاردواج نے سہدیو سے پوچھا۔

تمہارا نام سہدیو ہے نا — ؟

سہدیو اپنا نام سن کر چونک گیا پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔

تم موہنا کولیری میں تھے نا — ؟

ہاں صاحب !

تم کو معلوم ہے تم کو وہاں سے کس نے نکلوایا تھا — ؟

وہ چپ رہا۔

پی این ورما نے۔ اس نے وھائٹ صاحب کو کہکر تم کو جواب دلوایا تھا۔ میں کچھ دن وہاں تھا۔

مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے آپ کو کبھی موہنا کولیری میں دیکھا ہو۔

میں کولیری میں کم ہی رہتا تھا۔ میرا کام باہر کا تھا۔ مگر پھر بھی میں تمہارے بارے میں سب جانتا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم جس کولیری میں رہے ہو وہاں کے لیبروں نے تم کو بہت چاہا ہے۔ موھنا کولیری میں تمہارا بہت اثر تھا اسی وجہ سے پی این ورما نے تمہیں ہٹوا دیا۔ اسکو ڈر ہو گیا تھا کہ اگر تمہارا جھکاؤ کسی دوسری یونین کیطرف ہو گیا تو بیشتر لیبر تمہارے ساتھ چلے جائیں گے۔ بہت کمینہ آدمی ہے۔

موہنا کولیری میں صاحب میں نے آٹھ سال تک ہاڑ توڑ محنت کی۔ ایک سے ایک خطرناک کام کو نبٹایا جس کام کو کوئی سردار یا اوربین نہ کرپاتا تھا وہ میں کر دیتا تھا۔ مگر سب بیکار گیا۔ مجھے اس سازش کا علم تھا جو مجھے ہٹانے کے لئے کی گئی تھی۔ مجھ سے وہائٹ صاحب نے کہا بھی تھا کہ تم پی این ورما سے معافی مانگ لو تو سارا معاملہ رفع دفع ہو جائیگا۔

بھاردواج ہلکے سے ہنسا۔

مجھے سب معلوم ہے تمہاری جو پٹائی ہوئی تھی وہ بھی جانتا ہوں۔ اس کام کیلئے ورما نے مجھ سے آدمی مانگے تھے۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ جن لوگوں نے یہ کام کیا وہ مکھرجی کے آدمی تھے۔

ہاں مجھے معلوم ہے۔ راوت اور دل سکھ رام۔!

تمہیں تو ان کے نام بھی معلوم ہیں۔

میں کیسے بھول سکتا ہوں صاحب۔؟

اور بھولنا بھی مت، جس دن تم اس کو بھول جاؤ گے اس دن تم۔۔۔۔ وہ رکا۔

۔۔۔۔ پھر بولا۔ مر جاؤ گے۔

پتہ نہیں کیوں سہدیو کو بھاردواج کے لہجے پر سانپ کے پھنکار کا گمان ہوا۔ اس نے اسکی آنکھوں میں ایک درندانہ چمک بھی دیکھی۔

تھوڑے وقفے کے بعد بھاردواج نے نرمی سے پوچھا۔

مجھے معلوم ہے تم پڑھے لکھے آدمی ہو پھر کوئلہ کیوں کاٹتے ہو۔؟

ایسا ہے صاحب کہ یہی کام شروع سے کرتا آرہا ہوں۔

خیر یہ تو تمہاری مرضی ہے۔ مگر نوکری تم کو بہر حال مل جائے گی۔

سہدیو کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو چھلک آئے۔

شام کو عرفان بولا۔

یہ تو وہی ہوا کہ کھجور سے گرے اور ببول میں الجھے۔ آپ کو پتہ ہے انکل کہ یہ دلت مزدور سنگھ کیسی پارٹی ہے۔ نام دلت ضرور ہے مگر اصل میں منی میکردں کی پارٹی ہے۔ ان کی پارٹی پالٹکس ان کے پستول اور ان کی بندوقیں ہیں۔ اس کے آدمی رات کو ڈاکہ مارتے اور دن کو یونین چلاتے ہیں۔

اس سے مجھے کیا لینا ہے۔ میرا کام تو کرادیا۔ وہ کام جو کوئی نہ کرو اسکا تھا۔ تمہارے بجمدار دادا بھی نہیں۔

ہم لوگ غیر قانونی طریقے تو استعمال نہیں کرسکتے نا انکل۔ ہمارا ایک سدھانت ہے۔ ایک اصول ہے یہ چور ڈاکوں کی منڈلی تو نہیں۔

ختونیا چمک کر بولی۔ ارے چور ہوں یا ڈاکو اس سے ہم کو کیا لینا۔ بھیا کے نوکری تو ہو گیا۔ باپ رے! آج ایک برس سے بھیا جو تکلیف میں ہے وہ ہمیں جانتے ہیں۔ ایک ایک پیسہ کو محتاج، ایک ٹھولٹر کا اس کے تن پر کپڑا نہیں، پاؤں میں جوتا نہیں ایک ایک آنو چاپ کے لئے دو دو گھنٹہ روتا تھا۔

ابھی اسکی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ سہدیو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بھوجی تم اگلے جنم میں ضرور میری ماں ہوگی۔

ختونیا لجا گئی —— ہٹ بھوجائی کو ماں بناتے ہو گالی نہیں پڑتی کیا —؟

ختونیا نے ہاتھ چھوڑاتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئی۔

سہدیو رو رہا تھا۔

اس کے اندر جو کچھ ہے اس کا اخراج آنسوؤں کے ان چند قطروں سے نہیں ہو سکتا وہ ساری مجبوری، وہ ساری بے دست و پائی، وہ ساری اہانت، وہ ساری تذلیل، اسکے سینہ میں لاوے کی طرح مچل رہی ہے، پھوڑے کیطرح دکھ رہی ہے۔ کبھی جانے انجانے اس پھوڑے پر ہاتھ پڑ جاتا ہے۔ کبھی کوئی غلط جملہ، کبھی کوئی ذلت آمیز واقعہ، کبھی کوئی

اہانت آمیز سلوک، چاہے جس سے کیا جا رہا ہو، اسکو ایکدم گرم کر دیتا ہے۔ درد کی ٹیس پیشانی پر رگوں کی صورت ابھر آتی ہے۔ وہ آنکھ تر ٹر کر دیکھتا ہے تو لوگ سہم جاتے ہیں۔ کیا ہے اسکی آنکھوں میں ــــ؟ شائد کوئی وحشیانہ چمک، شائد کوئی ایسی بات جسکی وجہ سے اسکی آنکھوں کیطرف دیکھنے کی تاب نہیں رہ جاتی۔ لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ظالموں اور غنڈوں کی اسی ٹولی میں شامل ہو جس کا ڈر آہستہ آہستہ سارے کولفیلڈ میں پھیلتا جا رہا ہے۔

اس سے ایک اور وجہ سے بھی لوگ خائف رہتے ہیں۔ دھرما کولیری میں جب اس کی بحالی ہوئی تو اس کے پہنچنے سے پہلے یہ خبر وہاں پہنچ گئی تھی کہ وہ بھار دواج کا آدمی ہے۔ اس کا کڑی محنت کا عادی مضبوط جسم جو ہزار ٹوٹنے کے باوجود اب بھی کسی پہلوان سے کم نہیں تھا۔ پھر بات بات پر غصہ، جھلاہٹ اور ترش روئی کی وجہ سے بھی لوگوں کے اس یقین کو تقویت ملتی تھی کہ وہ بھار دواج ہی کا آدمی ہے۔ اس کا اسکو خاطر خواہ فائدہ بھی ملا۔ ایک طرف تو اسکے ساتھ کام کرنے والے مزدور اس سے الجھنے کی ہمت نہیں کرتے۔ دوسرے منیجمنٹ بھی اس سے دامن بچاتا رہتا تھا بلکہ اسکو اس طرح کی رعائتیں بھی دیتا تھا جو دوسرے مزدوروں کو حاصل نہ تھیں

ایک نقصان بھی ہوا اس سے۔ کہ نہ مزدور اسکے قریب آتے اور نہ ہی منیجمنٹ نے اسکو نزدیک آنے دیا۔ چنانچہ وہ کسی قدر الگ تھلگ رہ گیا۔ لیکن اب اسکو ان باتوں کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ بنیادی طور پر وہ ایک مزدور تھا سو آج بھی ہے۔ اس کو کولیری مسائل اور کولیری پالٹکس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بس وہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ منیجمنٹ اسکی طرف سے مطمئن بھی تھا۔

ایک بار وہ کسی کام سے ایریا آفس گیا تھا۔ ایریا آفس کے کمپاونڈ میں 305 نمبر کی کار کھڑی تھی۔ یہ کار بھار دواج کی تھی۔ وہ اسی کار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ منشا کچھ نہیں تھا۔ بس اسکو ایک نظر دیکھنا اور سلام کرنا تھا۔ پچھلے دو برس سے جب سے اس کو ڈیوٹی ملی تھی وہ کبھی اسکے بنگلے پر نہیں گیا تھا۔ اس سے دو ایک بار ملاقات ہوئی تھی بس۔ البتہ اس کو مختلف ذرائع سے پیغام ملتے رہتے تھے کہ دھرما کولیری میں دلت مزدور سنگھ کی یونین

جلد ہی قائم ہو گی اس کے لئے وہ کوشش کرتا رہے۔ حالانکہ طبعی طور وہ لیڈر نہیں تھا لیکن پھر بھی اس نے مزدوروں میں دلت مزدور سنگھ کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد تقریباً آدھے درجن افسروں کے ساتھ باہر آئے۔ ان کے ساتھ جی ایم بھی تھے۔ جیسے ہی اسکی نظر سہدیو پر پڑی وہ سہدیو کے پاس چلا گیا۔

کیا حال ہے پہلوان جی ــــ ؟

اچھا حال ہے صاحب کام برابر ہو رہا ہے۔

بھاردواج ہنسا، اس کے کاندھے کو پیار سے تھپتھپایا پھر اپنا ہاتھ اسکے کاندھے پر ہی رہنے دیا اور کولیری کے بارے میں کچھ بتانے لگا۔

اس منظر کو جس نے دیکھا حیرت زدہ رہ گیا۔ افسر اسٹاف بھی اور مختلف ضرورتوں سے آئے ہوئے مختلف کولیریوں کے مزدور بھی۔

ارے باپ رے! بھاردواج تو اسکے گلے میں ہاتھ ڈال کر چلتا ہے۔

اس واقعے کی خبر کیسے نہ کیسے درما کولیری پہنچ گئی،

" رادھے لال گیا تھا ایریا آفس وہاں اپنا یہ سہدیو ہے نا اس سے بھاردواج صاحب ایک دم لنگوٹیا یار کی طرح ملا۔ کندھے پر ہاتھ رکھکر جانے کیا بتیاتا رہا دیر تک "!

موہنا مانجھی بول رہا تھا اس کے پاس یہ بھی ہے "!

آدمی نے اپنے ہاتھ سے انگلی ٹیڑھی کر کے ٹریگر دبانے کی ایکٹنگ کی۔ آخر ڈرتے ڈرتے ایک دن حسین صاحب نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

بھاردواج صاحب سے آپ کا کوئی رشتہ ہے ــ ؟

نہیں ــ !

دوستی ہے ــ ؟

نہیں ــ !

کیسے بولتے ہیں آپ ــــ ، اس دن میں نے خود ایریا آفس میں دیکھا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ مجھے بہت جانتے ہیں۔ میں ان کے لئے کام کرتا ہوں۔

حسین صاحب کی تسلی ہوئی یا نہیں یہ تو کہنا مشکل ہے۔ لیکن یہ ڈائیلاگ بھی

جلد ہی کولیری میں مشہور ہو گیا۔ اب سہدیو ساتھ کے مزدوروں کے بیچ ایک اہم آدمی تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ پڑھا لکھا بھی ہے۔ اب وہ دھیرے دھیرے چاہے ڈر سے چاہے اسکی اہمیت سمجھ کر اس کو لیڈروں والی عزت دینے لگے۔ کبھی کبھی اس سے مشورہ بھی لینے لگے۔

اس بیچ ایک ایسا واقعہ ہو گیا جسکی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی۔

تین نمبر موہانی کے روف میں ایک بڑا کریک تھا۔ جسکو کھمبوں سے سپورٹ کر کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کریک کو تمام بڑے افسروں نے بشمول سیکیورٹی افسر نے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کا متفقہ خیال تھا کہ اتنا بڑا کریک نہیں رکھنا چاہیئے۔ کسی ورکنگ ڈے میں اگر یہ گر پڑا تو کتنوں کی جان چلی جائے گی۔ چنانچہ طے پایا کہ اس کو گرا دینا چاہیئے۔ اس کام کیلئے اتوار کا دن تجویز ہوا۔ اتوار کا دن چونکہ بندی کا دن ہوتا ہے اور اس دن مزدور کان میں نہیں ہوتے اسلئے یہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔

اتوار کو کام کرنے والوں کی لسٹ میں اور مین man ovet حسین کا نام درج تھا۔ جب کہ ایجنٹ سری واستو چندر سنگھ کو بہت مانتے تھے۔ چندر سنگھ کو جب تب وہ ایسے مواقع فراہم کیا کرتے تھے کہ اسکو شہرت ملے۔ گویا وہ چندر سنگھ کو ہائی لائیٹ کیا کرتے تھے جبکہ حسین کو ڈیپریس۔ اسوجہ سے حسین ہمیشہ ایک احساس کمتری میں مبتلا رہتا تھا۔ چنانچہ سنیچر کے دن جب ایجنٹ نے اس کو بلا کر پوچھا۔

کل کریک گرانا ہے کیا تم سے ہو جائے گا۔؟

تو وہ ایکدم سے تلملا گیا۔

سر میرے پاس بیس سال کا مائننگ تجربہ ہے، اور آپ پوچھتے ہیں کہ مجھ سے یہ کام ہو جائے گا۔؟ ایسے ایسے سیکڑوں کریک گرائے ہیں میں نے۔

دوسرے دن حسین نے ٹمبر گینگ، ڈریلر گینگ، ایکس پلوسو کریر، سب کو مائنگ سردار لکھن یادو کے ساتھ نیچے بھیج دیا اور اسے تاکید کر دی کہ ہول مار کر، ٹوپی مائی لگا کر رکھے۔ وہ آئے گا تب آواز کرے گا۔ وہ تھوڑا سا دھارمک وچاروں کا تھا

لکھن یادو تب تک سارا کام مکمل کر کے بیٹھا تھا۔ سین نے اس کے تمام کام کا

جائزہ لیا پھر تمام لوگوں کو وہاں سے دور ہٹا دیا۔ تب لکھن یادو نے شارٹ فائرر کا کام انجام دیتے ہوئے چھت میں فٹ کئے ڈائنا مائٹ کو اڑا دیا۔

تین دھماکے ہوئے، ساری پھٹی ہوئی چھت گر گئی۔ تھوڑی دیر رکنے کے بعد ڈریسنگ کا کام شروع ہوا، ڈریسنگ بھی مزے میں ہو گئی۔ سین بہت خوش تھا۔ سارا کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔ اور یہاں تک واقعی سارا کام بالکل ٹھیک ڈھنگ سے ہوا۔ مگر اس کے بعد سین نے ایک ایسی غلطی کی جس کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا۔

ہونا یہ چاہیئے تھا کہ رات بھر اس چھت کو یونہی چھوڑ دینا چاہیئے تھا تاکہ اور کچھ ٹکڑے اگر گرنا ہوں تو ٹھنڈا ہو کر گر جائیں۔ مگر سین اپنی کامیابی کے نشے میں اتنا چور تھا کہ اس نے ایک بڑی غلطی کر ڈالی۔ اس نے ٹمبر گینگ کو حکم دیا کہ وہ ابھی سپورٹ لگا دے۔ ایسا اس نے اسلئے کیا کہ اوپر اٹھ کر وہ ایجنٹ کو بتلا سکے کہ اس نے اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔

سپورٹ لگوانے کا کام مائننگ سردار کا تھا مگر وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ گرم جگہ سے ہٹ کر ٹھنڈی جگہ میں کھڑا تھا۔ اسکو تو معلوم ہی تھا کہ دھماکہ ہو گیا۔ کریک چال گرائی گئی اب سپورٹ کا کام صبح ہو گا۔ اسکو کیا معلوم تھا کہ سین سپورٹ اپنی نگرانی میں لگوا رہا ہے۔

پتہ نہیں کھونٹا کے ناپ میں کوئی فرق ہوا، یا کھونٹا لگانے میں کوئی غلطی ہوئی کہ عین اسوقت جب کھونٹا ٹھونکا جا رہا تھا ایک چار فٹ کا بڑا، چاپ، چھت سے الگ ہو کر گر پڑا۔ ایک دھماکہ ہوا سیاہ دھول کا ایک بگولا اٹھا ایک چیخ بلند ہوئی۔ ٹھنڈی جگہ میں کھڑے لوگوں کے حواس اڑ گئے۔

ارے باپ رے ایکسی ڈینٹ ہو گیا۔!

جب ذرا دیر میں سیاہ دھول کم ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ اوور مین سین صاحب ایک کھونٹا مستری اور ایک کھونٹا ہیلپر ابدی نیند سو چکے ہیں۔ تمام کہرام مچ گیا۔ پولیس والوں، بی سی سی ایل کے اونچے افسروں اور چھوٹے بڑے لیڈروں کی بھیڑ لگ گئی۔

منیجر ایجنٹ اور سیکوریٹی افسر کے تو ہوش اڑ گئے۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ اپنے گلے کا پھندہ وہ کس کے گلے میں ڈالیں۔؟ رات دن وہ اسی فکر میں رہتے۔ اکثر دو دو گھنٹہ

بند کمرے میں میٹنگ کرتے۔

آخر بہت سوچ بچار کر ان لوگوں نے سارا کیس ہائننگ سردار لکھن یادو کے سر منڈھ دیا۔

بچارا لکھن یادو! ابھی اس کو سرداری ملی تھی۔ سیدھے سبھاؤ کا آدمی نہ اسکو نو آتا تھا نہ چھ، کسی نے کہا اٹھو تو اٹھ گیا، کسی نے کہا بیٹھ تو بیٹھ گیا۔ ایسے گؤ آدمی پر جب اتنا بڑا پہاڑ لاد دیا گیا تو اس کو سوائے رونے کے کچھ نہ سوجھا۔ لیڈروں اور افسروں کے پاس دوڑتے دوڑتے وہ پاگل سا دکھائی دینے لگا۔ نہ کھانے کا ہوش نہ نہانے کی فکر۔ دھول میں اٹا وہ سارا دن یہاں سے وہاں مارا پھرتا۔ جو ملتا اسی سے اپنا دکھڑا روتا مگر سننے والا کون تھا۔ ایک دن اسکی ملاقات سہدیو سے ہو گئی تو سہدیو اسکو گھر لیتا آیا۔ سہدیو کو ساری بات معلوم تھی اس نے لکھن سے کہا۔

دیکھو تم بچ سکتے ہو مگر تھوڑی دوڑ دھوپ کرنی ہوگی۔

لکھن یادو سیدھے اس کے پیروں پر گر گیا۔ بچا لو مالک جب تک جئیں گے آپکا پاؤں دھو کر پئیں گے۔

یہ سالے جو سارا الزام تمہارے سر ڈال رہے ہیں ان سالوں کو قانون معلوم ہے؟

لکھن یادو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اب نوکری نہیں بچے گی سہدیو بھائی! جیل بھی ہو جائے گی میں جانتا ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے سڑک پر بھیک مانگیں گے۔ اتنا جانتا تو لوڈر ہی رہتا سرداری نہ کرتا۔

کوئی لیڈر ہے تمہارے جان پہچان کا۔

ہے تو سہدیو بھائی مگر وہ پانچ ہزار مانگتا ہے۔

ٹھیک ہے آج رات کو آؤ میرے پاس میں دیکھتا ہوں۔

رات کو لکھن یادو کو لیکر وہ اس ٹمبر گینگ کے پاس گیا جو حادثے کے دن نیچے تھا۔ پھر بارود ڈھونے والوں سے ملا اور سب کو راضی کر لیا کہ جو انکوائری آنیوالی ہے اس میں یہ گواہی دیں کہ سین دباؤ ڈال کر سپورٹ لگوا رہا تھا۔ حالانکہ لکھن یادو نے اسکو منع کیا تھا اسی بات پر دونوں میں کہا سنی بھی ہو گئی تھی۔ آخرکار غصہ میں آکر وہ

خود کھونٹا مستری اور ہیلپر کے ساتھ سپورٹ لگانے لگا۔ تھوڑا سمجھانے بجھانے پر وہ یہی کہہ دینے پر راضی ہو گئے۔

اس کے بعد اس نے تینوں افسروں سے الگ الگ ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ سب کچھ بے چارے لکھن یادو کے سر تھوپ دینے سے کیا ہو گا۔ کیوں نہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ آپ لوگ بھی بچ جائیں اور لکھن یادو بھی۔

کیا ایسی کوئی ترکیب ہے ۔۔ ؟

بالکل ہے۔ آپ لوگ سارا الزام مرنے والے سین کے سر کیوں نہیں تھوپ دیتے؟

مگر اس میں ایک لیکونا ہے۔

کون سا لیکونا ۔۔ ؟

ایکس پلوڈ کرنے کے علاوہ سپورٹ لگوانا بھی لکھن یادو کا کام تھا۔

یہ ٹھیک ہے مگر ڈریسنگ کرنے کے بعد اس نے چھوڑ دیا تھا کہ کھونٹا کل لگے گا اور وہ گرم جگہ سے ہوا والی جگہ میں آ گئے تھے۔ لیکن سین نہیں مانا اور کھونٹا مستری کو بزور حکم دے کر لے گیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس وقت لکھن یادو کیا کر رہا تھا۔

وہ تو بتایا نہ کہ وہ اور لوگوں کے ساتھ گرم جگہ سے ہوا والی جگہ میں کھڑا تھا۔

مگر اس کا ثبوت کیا ہے ۔۔ ؟

ثبوت وہ لوگ ہیں جو وہاں موجود تھے۔

کیا وہ اس طرح کی گواہی دیں گے ۔۔ ؟

ضرور دیں گے۔ میں سب سے بات کر چکا ہوں۔

تب تو ٹھیک ہے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنے سامنے کی بات ہمیں کیوں دکھلائی نہ دی۔

آخر اسی ترکیب سے یہ کیس ختم کر دیا گیا۔ افسر بھی بچ گئے اور لکھن یادو بھی صاف نکل گیا۔

اس واقعہ سے مزدوروں میں تہلکہ مچ گیا۔

یہ سہدیو سالا تو بہت پہنچا ہوا آدمی ہے۔ چٹکی بجاتے میں لکھنا یادو کو نکال لیا۔

کوئی دو مہینہ بعد بھاردواج سے ملاقات ہوئی تو وہ بولا۔ ہمرا کام دھام کا ہے نہیں سنبھال لیتے ہو کوئلہ کاٹنے سے کیا ہوگا۔ ساری عمر اسی میں چلی جائے گی۔

●

اندھیری کوٹھریا میں جادو کے کھیل
بھیا میں دیوے گئیلن بھوجی میں گیل
ایسن بھوٹ کا ہے بھیل۔

یہ گانا نیپال یادو الیکشن کے لئے نہیں گا رہا تھا۔ بلکہ قریب سے گذرتی ہوئی پھول متی کو سنا کر گا رہا تھا۔ آج کل بہت بن سنور کر رہ رہی ہے۔ ن سفید ساری، دودھ کیطرح سفید بلاؤز جس میں سے بر یسیری کا کساؤ صاف دکھلائی دیتا ہے، مانگ میں بھر مانگ سیندور، ماتھے پر ٹکلی، پیروں میں مہاور، آنکھوں میں کاجل کی پتلی لکیر، کمبخت ان کامنوں کے جسم میں اتنا کساؤ ہوتا ہے کہ چالیس پنتالیس برس تک تو بدن ذرا ڈھیلا نہیں پڑتا۔ سر پر بید کی ٹوکری میں من بھر کوئلہ لیکر دونوں ہاتھ سے ٹوکری تھام کر جب وہ چلتی ہیں تو جسم کا ایک ایک خط نمایاں ہو اٹھتا ہے۔ دونوں کمانیں کانوں تک کھینچ جاتی ہیں۔ کوئلے کی کالک میں ڈوبی وہ کسی سیاہ پتھر سے بنائے مجسمے کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔

یہی کامنیں جب نہا دھو کر مہیں ساڑی بلاؤز میں بن ٹھن کر نکلتی ہیں تو افسر لوگوں کے ذہن میں تھل تھل پل پل عورتوں کا سارا الجلجا پن ابھر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ان کامنوں پر بابو لوگوں کا دل آجاتا ہے۔

بھائی آپ کو لفیلڈ میں لیلی مجنوں اور ہیر رانجھا والی محبت کھوجیئے گا تو کہاں سے ملے گی۔ گردن سے اوپر والی محبت بھلے لکھنو اور دلی میں ہوتی ہو گی یہاں تو جو کچھ ہے۔

گردن کے نیچے ہے۔ موہنا کولیری میں جعفری صاحب ان کی تعریف یوں کرتے تھے کہ جب کیا عورت ہے وہ بُش شرٹ اتار کر ٹانگ دیجئے کیا مجال جو گر جائے، اب اس جیسا صاحبِ ذوق لوگ کہاں۔ اب تو جو ہیں سو آدیسیاں جاؤسیاں والے لوگ ہیں۔ دراصل اس تیز رفتار زندگی میں اب وہ عشق ممکن بھی نہیں ہے۔ کہ آدمی دن دن بھر کھڑکی پر نظر گڑائے کھڑا رہے۔ یا ان کے آگے پیچھے مہینوں کا چکر کاٹے۔ اب تو بس بات کی بات معاملہ طے ہوتا ہے۔ ابھی ابھی جو نیپال یادو گانا گا رہا تھا اگر اس کو سن کر پھول منی مسکرا دیتی تو بس معاملہ فٹ تھا۔ مگر ہوا الٹا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

کیا بولا رے کھال بھورا ۔۔۔؟

کچھ نہیں پھول منی ہم تو گانا گا رہا تھا۔

تو اپنے گھر جا کر گاؤ، اپنا ماں بہن کے سامنے ۔!

نیپال یادو کھی کھی کر کے ہنسنے لگا ۔۔۔ ناراج ہو گئی بھوجی ۔؟

پھول منی چمک کر بولی ۔۔۔ اپنی میا کو نہیں بولتا بھوجی ۔؟

مہندر بیچ میں سمجھانے آگیا ۔۔۔ کیا ہوا پھول منی ۔۔۔؟

دیکھو نے! ہم جا رہا ہے تو ای سالا گوالا گانا اڑا رہا ہے۔

ارے ای گوالا لوگ شروع سے ایسا ہی ہے۔ کرشن کنہیا کو نہیں دیکھا چھوکری لوگوں کے پیچھے بانسری بجاتا پھرتا تھا۔

تو جا کر بجائے بانسری اپنی ماں کے پاس۔

کچھ اور لوگوں کو جمع ہوتے دیکھ کر پھول منی رکی نہیں۔ اور نہ ہی نیپال یادو کا جواب ہی سنا جو بہت دھیمے سے کہا گیا تھا۔

البتہ وہ ہنسی ضرور سنی۔ جو کئی لوگوں کی تھی۔

جب وہ کافی دور چلی گئی تو نیپال یادو بولا۔

سالا عورت اور طوطا کا کوئی بسواس نہیں کب اڑ جائے۔

اس جملہ میں جو تھا وہ وہاں جمع سب لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے مگر جو خاص خاص لوگ تھے ان کو معلوم تھا کہ پھول منی کا کبھی نیپال یادو سے تعلق رہ چکا ہے۔ مگر جب سے

کولیری منیجر نے اسے اپنے یہاں چوکا برتن کے لئے بلانا شروع کر دیا ہے تب سے تو اسکے پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے ہے۔ بہت اونچا اڑ رہی ہے۔

مہندر بولا۔ نیپال بھائی طوطا تو اڑ کر اتنے اونچے مینار پر جا بیٹھا ہے کہ اسکو اتارنا ہی مشکل ہے۔ کیوں نہیں کوئی دوسری رکھ لیتے۔

جہاں تک رکھ لینے کا تعلق ہے یہ بات ہی غلط ہے۔ وہ پہلے ہوا کرتا تھا کہ کسی کسی کامن کو کوئی بھائی صاحب اپنے جال میں پھنسا لیا کرتے تھے اب یہ حال ہے کہ خود کامنیں دو دو بلکہ کبھی کبھی تین تین مردوں کو رکھے ہوئے ہیں۔ اپنے سے دس دس سال چھوٹے مردوں کو ـــــ جی نہیں، پھر عشق کا سوال نہ اٹھائیے۔ یہ معاملہ نہ عشق کا ہے نہ جنس کا۔ یہ معاملہ سیدھے سیدھے روپے کا ہے۔

کہت کبیر سنو بھائی پٹواری
سب کے گانڑ روپیہ ماری

وہ جو لمبی تنخواہیں ملتی ہیں کامنوں کو اس کو کھینچنے کے لالچ میں اور زیادہ تر اس پیسے کے موہ میں جو نوکری کے بعد ملنے والا ہوتا ہے۔ چاہے ان کے ریٹائرمنٹ کے بعد یا انکی موت کے بعد۔ اور اگر موت کسی حادثے میں ہوتی ہے تو ایک نوکری بھی، دیکھا آپ نے عشق کتنا کمرشیل ہو گیا ہے اس کولفیلڈ میں۔

پھول منیا کے ایسے ہی رکھیل تھے نیپال یادو۔ ان کے علاوہ ایک اور تھا لونڈنگ بابو بادل سرکار۔ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ دونوں کو معلوم تھا کہ دونوں ایک ہی کنوئیں سے پانی پی رہے ہیں۔ مگر رقابت نہیں، کوئی جلن بھی نہیں۔ بس ایک خاموش سمجھوتا کہ دیکھیں بھائی لاٹری کس کے نام نکلتی ہے۔

منیجر جھگڑو کو اس لاٹری کا لالچ نہیں تھا۔ ان کو تو بس یہ ہوا کہ ان کی گھر والی میکے چلی گئی۔ اب چوکا برتن کون کرے ـــ؟ سو انہوں نے اور میں تیاگی سے کہا کہ بھائی مسز گھر گئی ہوئی ہیں کوئی اچھی سی کامن چولہا چوکا کے لئے بھیج دو ـــــ "اچھی سی" کا جو مطلب نکلتا ہے وہی مطلب نکالا تیاگی نے۔ یعنی کم عمر، دیکھنے میں جاذب نظر اور جسمانی طور پر ذرا سجل۔ چنانچہ تیاگی نے پھول منی کو بھیج دیا۔ پہلے

تین چار دن صرف چوکا برتن ہی ہوا۔ اسکے بعد بر بستر ا۔ اور پھر ایک دن صاحب کا پاؤ بہت دکھنے لگا ــــــــ اس کے بعد اب وہ کبھی کبھی رات کو بھی رہ جاتی ہے منیجر صاحب کے پاس گھر میں بہانہ بناتی ہے۔ آج صاحب کے یہاں پارٹی تھی یا آج ان کے یہاں مہمان آگئے تھے۔ گھر کے لوگ سب جانتے ہیں مگر بولے کون۔؟ عورت جب خود کمانے لگے تو اسکو روکنا مشکل ہو جاتا ھے۔ شاید اسی لئے اگلے زمانے میں لوگ عورتوں کو کام کرنے نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلنے دیتے تھے کہ طوطے کو پر ہوا کہ وہ اُڑا ......!

اب یہ حال ھے کہ منیجر صاحب بیوی کو میکے سے لاتے نہیں کہ پھول منی کو چھٹکارا ملے۔ بیوی کی چھٹی آتی ہے تو لکھ دیتے ہیں، کوارٹر دوسرے کو دیدیا ہے۔ نیا کوارٹر بن رہا ہے وہ جب الاٹ ہو جائیگا تو بلوالوں گا۔ وہ اس دھوکہ دھڑی کا تذکرہ پھول منی سے کرکے خوب ہنستا ہے۔ پھول منی کو اس ہنسی سے گھن آنے لگی ہے۔ وہ صاحب کے میدے کیطرح نرم جسم سے اوب گئی ہے۔ وہ پتھر کی عورت ہے اس پر پھول برسانے سے کیا ہوگا۔ اسے تو پتھر ہی چاہیئے تھا چنگاری اڑانے کے لئے۔ مگر بچاری کیا کرے صاحب ہے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری بات جو اسکی جان کا عذاب ہو گئی ہے وہ صاحب کا دارو پینا ہے۔ بھک بھک منہ اتنا مہکتا ہے کہ وہ چہرے پر آنچل ڈال لیتی ہے۔ منیجر صاحب بار بار آنچل ہٹاتے ہیں اسکے منہ سے۔ آدمی کتنا ننگا ہو جاتا ہے بستر پر۔

پھول منی کے دل میں آہستہ آہستہ ایک ایسی نفرت ابھر رہی ہے کہ بعض اوقات من ہوتا ہے کہ اس کا منہ نوچ لے۔ مگر پھر وہی مجبوری، عورت ہونا ہی پاپ ہے اور وہ بھی اس کولفیلڈ میں۔

سہدیو سے اسکی بات چیت نہیں تھی۔ سہدیو جلدی کسی سے بولتا بھی نہیں تھا۔ مگر اس دن پتہ نہیں کیا ہوا کہ اس نے پھول منی سے پوچھ لیا۔

کارے ــــــ؟ کیسی ہو ـــ؟

پھول منی ابھی ابھی بنیپال سنگھ سے لڑکر آرہی تھی بگڑ کر بولی۔

او کھال بھورا نیپال بھرا بازار میں چھیڑتا ہے۔

کیا چھیڑا ——؟

ہم کو دیکھ کر گانا گاتا ہے۔

ارے تو اسمیں کیا ہوا۔ تم لوگوں میں تو بہت دوستی تھی۔

ہونہہ دوستی —؟ نامردا ہجڑا سے ……؟

ارے ارے رے …… سہدیو نے اسکوردکا نظر اٹھاکر دیکھا تو وہ رو رہی تھی۔ سہدیو ایکدم سے گھبراگیا۔

کیا ہوا پھول منی —؟ کوئی بات ہوا۔ نیپال کچھ خراب بات بولا۔

اس دن تو بس اتنی ہی بات ہوئی۔ سہدیو پوچھتا ہی رہ گیا مگر وہ کچھ بولے بنا چلدی۔ سہدیو حیران پریشان کھڑا اسے دور تک آنچل سے آنکھ پونچھ پونچھ کر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ذہن میں ادتھل پتھل سی مچ گئی۔ ضرور نیپال یادو نے کوئی بہت خراب بات کہہ دی ہوگی۔ سہدیو کو معلوم تھا کہ آج کل وہ منیجر جھگرؔ کا چوکا برتن کر رہی ہے۔ شاید اسی مسئلے پر کچھ کہا سنی ہوگئی ہوگی۔

مگر بات کھلی تین دن بعد جب ایک دن پھول منی اسکو اکیلا دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

ایک بات بولوں سردار صاحب۔!

کیا بات ہے۔؟ آج پھر کس سے لڑ کر آئی ہو۔

نہیں —!

پھر کیا بات ہے —؟

کیا بولیں سہدیو بابو۔ منیجر ہم کو بہت ستاتا ہے۔

کیا کرتا ہے وہ ——؟

کیا نہیں کرتا —؟ ایک دم جناور ہے۔

تو ہم نے تو سنا ہے آجکل تم بہت خوش رہتی ہو۔

خوش رہتی ہوں —؟ ہمرا تو دن رات سب نرک ہوگیا ہے۔ پھر

اسنے اچانک سہدیو کا ہاتھ پکڑ کر۔

سہدیو بابو ہم کو بچا نہیں سکتے اس سے۔ ؟ آپ تو یونین کے آدمی ہیں۔

یونین ایسے تو کچھ کرے گی نہیں۔ جب تک تم اپنی تکلیف یا اپنے پر ہونے والے اتیاچار لکھ کر نہ دو۔ پھر یہ بہت بڑی کارروائی ہو جائے گی۔ سب افسر تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ سُنا نہیں سب لہسن کا پیچھا ایک طرف ہوتا ہے۔

تب کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے ــ ؟

تم اپنے نیپال یادو کو کیوں نہیں کہتی ــ ؟

اسکی بات مت کرو۔ او سب دکھاوے کا مرد ہے۔ اگر اسی میں ہوتا تو آج یہ حالت کاہے ہوتی میری۔

سہدیو سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک اسکیم بنائی۔ اور دھیرے دھیرے اسکیم پھول منی کو سمجھانے لگا۔ ساری بات سُن کر پھول منی گھبرا گئی۔

اور اگر او بگڑ گیا تب کیا کولوری میں رہنے دیگا۔ ؟

اس کا باپ رہنے دے گا۔ تم نہیں جانتیں ایسی باتیں کھلنے سے یہ لوگ بہت ڈرتے ہیں۔ اس سے انکی بدنامی بھی ہوتی ہے اور رپوٹیشن بھی خراب ہوتا ہے۔

کیا خراب ہوتا ہے ــ ؟ پھول منی نے چونک کر پوچھا۔

کچھ نہیں اب تم جاؤ۔ ہم لوگوں کو اسطرح باتیں کرتے کوئی دیکھے گا تو ابھی ساری کولیری میں ہلا ہو جائے گا۔

پھول منی ہنس دی ــ ہونے دو ہلا کیا میں ڈرتی ہوں۔ ؟

ارے باپ تم نہیں ڈرتیں، میں تو ڈرتا ہوں۔ اب جاؤ میں ٹھیک سات بجے آؤں گا۔

اسی دن سات بجے شام کو سہدیو نے وہ تماشہ دکھایا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔

تھوڑی سی دارو پی کر اور ایک تین فٹ کا ڈنڈا لیکر لگا بھانجنے منیجر کے بنگلے کے سامنے

کہاں ہے سالا اسکٹر بابو۔۔۔۔۔۔ ارے سالا منیجر کا بچہ نکلو۔۔۔۔۔۔

سالے باہر نکلو۔۔۔۔۔۔ ابھی کاٹ دوں گا۔۔۔۔۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا

بات کی بات میں بھیڑ جمع ہونے لگی۔

ارے کیا ہوا سہدیو بھائی ۔۔ ؟

کچھ نہیں، ای سالا ہمرا عورت کو لے آیا ہے۔

عورت ۔۔ ؟ مجمع کی دلچسپی بڑھنے لگی ۔۔ کون عورت۔۔۔۔۔ ؟

پھول منی کو ۔۔۔ سالا بولا چوکا برتن کرنا ہے۔ ابھی رات کو کون چوکا برتن ہو رہا ہے۔ نکالو سالا پھول منی کو۔۔۔۔۔ پھول منی ہمارا ہے۔۔۔۔۔ آج مرڈر ہو جائیگا۔

سہدیو کبھی دوڑ کر ادھر آتا کبھی دوڑ کر ادھر جاتا۔ اسکی گرج سے باہر جو ہنگامہ تھا وہ تو تھا ہی۔ بنگلے کے اندر بھی لگ رہا تھا کہ کچھ ہو رہا ہے۔ بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر گھبرا کر منیجر نے پھول منی کو باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔ سہدیو نے لپک کر پھول منی کے بال پکڑ لئے اور اسے گھسیٹ کر کمپاؤنڈ سے باہر لے آیا۔

چل حرامزادی، چھنال۔۔۔۔۔ آج تیری چمڑی ادھیڑ دوں گا۔

سہدیو نے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے سچ مچ مارنا شروع کر دیا۔ ایک۔ دو تین۔۔۔۔۔ پھول منی درد سے بلبلا کر چلانے لگی۔ ارے کہاں بھورا۔۔۔ ارے۔۔۔ مگر سہدیو نے اسکو چھوڑا نہیں۔ بال تو چھوڑ دیا۔ مگر بازو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے کر چلنے لگا۔

بھیڑ کو بڑا مزہ آیا۔ بن پیسہ کا تماشہ، کوئی ہنس رہا ہے۔ کوئی مذاق کر رہا ہے۔ کوئی فقرہ اچھال رہا ہے۔

ارے بھوجی کے ہو گئیل گونوا۔۔۔۔۔۔

ہم نہ جانیبے سسر گھر ہو بابا۔۔۔۔۔۔

بھیڑ کے باہر آ کر اکیلی پگڈنڈی پر سہدیو نے اسکا بازو چھوڑ دیا۔ مگر وہ اس سے ویسے ہی لپٹی رہی۔

چھوڑو مت۔ گر جاؤں گی۔ بہت دکھ رہا ہے۔

کیا دکھ رہا ہے ۔۔ ؟

تم ایکدم کسائی کیطرح کیوں مارنے لگے تھے ۔ دیکھو تو کیسا بدن پھٹ گیا ہے ۔ اسنے ساڑی جانگھ تک اٹھائی مگر اندھیرے میں اس کے کالے پاؤں دکھلائی کیسے دیتے ۔

سہدیو ہنس دیا ۔۔ اگر اتنے زور سے نہیں مارتا تو لوگوں کو یقین کیسے آتا کہ یہ ڈرامہ نہیں ہے ۔۔ ؟

پھول منی نے چلتے چلتے رک کر اسکی بانہہ پکڑ لی ۔ بِسُوا اس تو ہم کو بھی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ بس ناٹک بھر ہے ۔

سہدیو نے اسکی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر چونک گیا کہ اسکی آنکھیں ہیرے کی طرح چمک رہی تھیں ۔ اور سارا جسم امر بیل کی طرح سے اس کے بدن سے لپٹ گیا تھا

اس ڈرامے سے دو مسئلے کھڑے ہوئے ۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ منیجر اس سے سخت برہم ہو گیا ۔ وہ اس سے بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچنے لگا ۔ اس نے دو ایک افسروں سے بات بھی کی کہ سہدیو کو پھنسانا چاہیئے ۔ اسکو کچھ نہ کیا گیا تو لوگ اور شیر ہو جائینگے چنانچہ اندر ہی اندر سازش چلی مگر جب پی او تک پہنچی تو اسنے منیجر کو ڈانٹ دیا ۔

جانتے ہو وہ کس کا آدمی ہے ۔۔ ؟

کسی کا ہو ۔ اس سے کیا ۔۔ ؟

کسی کا نہیں منیجر صاحب وہ بھاردواج کا آدمی ہے ۔ اور بہت خاص آدمی ہے ۔ آپ جانتے ہیں نا بھاردواج کو ۔۔ ؟ بانس ہو جائے گا ۔۔۔۔۔

بھاردواج کے نام سے ۔ تاس کے پتوں سے بنا یہ گھر ڈھہ گیا ۔

دوسرا مسئلہ گھریلو تھا ۔ دوسرے دن سہدیو ڈیوٹی سے گھر پہنچا تو پرتی بلا کا منہ لٹکا ہوا تھا ۔ سہدیو کچھ پوچھ رہا ہے تو کوئی جواب نہیں ۔ بس چپ ۔۔۔۔۔۔

ایک بار ، دو بار ، سہدیو حیران کہ بیٹھے بیٹھائے اسے کیا ہو گیا ۔ لاکھ پوچھا کہ بھاگیہ وان کچھ تو بتاؤ کہ کیا ہوا ۔۔ ؟ مگر ادھر کوئی جواب نہیں ۔

آخر رات کو جب بچے سو گئے تو اس نے سہدیو سے انتہائی خفگی سے پوچھا ۔

یہ پھول منی کون ہے ۔۔ ؟

سہدیو بڑے زور سے ہنسا ۔۔ اچھا تو یہ بات تھی ۔ ۔ ۔ ۔ مگر اسی وقت

کیوں نہیں پوچھ لیا ۔

میں پوچھتی ہوں ، پول منی کون ہے ۔ ؟

تمہاری سوتن ہے ۔۔ ! سہدیو کو مذاق سوجھا ۔

تو ٹھیک ہے اسکو گھر لے آؤ ۔ چوری چھپے رکھنے کا کیا مطلب ہے ۔

گھر لانے کی تو میں بھی سوچ رہا تھا ۔ تمہارا بہت کام کر دیا کرے گی ۔

تم مزے سے چارپائی پر بیٹھی رہنا ۔

پرتی بالا چمک کر بولی ۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم اسکو لے آؤ گے اور میں یہاں بیٹھی

رہوں گی ۔۔ ؟

تب کیا کرو گی ۔ ؟

چلی جاؤں گی جدھر منہ اٹھے گا ۔

آج کل تو تمہارا بھائی بجمدار بھی بہت ترقی پر ہے اسی کے پاس چلی جانا ۔

اس کے پاس کیوں جاؤں گی ۔ بہت جگہ ہے میکے لئے ختونیا دیدی

کے پاس چلی جاؤں گی ۔

سہدیو ختونیا کا نام سن کر خوب ہنسا ۔ یہ ٹھیک سوچا تم نے ۔ وہاں تک تو

میرا بھی دماغ نہیں گیا تھا ۔

دماغ کیسے جائیگا ۔ پھول منی سے فرصت ملے جب نا ۔ پرتی بالا جل

کر بولی

سہدیو اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا ۔ اور ساری بات اسکو تفصیل سے بتا دی سارا

بات سن کر وہ بے اعتباری سے بولی ۔

اب اور مت چھلو ! یہ مت سمجھو کہ میں عورت ہوں اور تم جو بولو گے اسکو

مان لوں گی ۔

اتنا بول کر وہ کروٹ بدل کر سبک سبک کر رونے لگی ۔ اب لاکھ سہدیو سمجھاتا ہے

لاکھ قسمیں کھا رہا ہے۔ ہر طرح سے اس کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہے مگر سب بے سود۔

●

دلت مزدور سنگھ کا آفس کھل گیا ہے دھرما کولیری میں
خوب باجا گاجا بجا ہے۔ خوب دھوم دھڑکا، لونڈے کا ناچ بھی ہوا ہے۔

آرہ ہلے بلیا ہلے، پٹنہ ہلے لا
جب تو چالے لاڈ گریا تو جیلا ہلے لا

بڑی بھیڑ ہوئی لونڈے کے ناچ میں۔ چھپرا کی سب سے مشہور ناچ پارٹی تھی۔
ایک لڑکا تو ایسا تھا جسکو دیکھ دیکھ کر کتنوں کا کلیجہ پانی ہو گیا۔

کا پیٹی باہو، دم نکس جائی

ابراھیم میاں بغل والے سے پوچھتے ہیں۔
یہ پیٹی کیا ہوتی ہے ۔۔۔؟
پیٹی معنی پیٹ ۔۔۔! وہ آدمی اسکو سمجھاتا ہے۔
مگر پیٹ میں ایسا کیا ہوتا ہے ۔۔۔؟
لونڈوں کا تو پیٹ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔
اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ پھر ناچ دیکھنے لگا۔ اب فلمی گیت اڑ رہا تھا۔

توری میٹھی میٹھی بولیا کریجا چھوئے لا
جی کریجا چھوئے لا۔

لوگ نوٹ لٹا رہے ہیں۔ مگر کیسے ۔۔۔؟ ایک آدمی نوٹ دانتوں سے پکڑ لیتا ہے۔ اب یہ نوٹ لونڈے کو اپنے دانت سے ہی لینا ہے۔ جب وہ نوٹ والے کے پاس جاتا ہے تو وہ آدمی نوٹ کا زیادہ حصہ منہ کے اندر کر لیتا ہے۔ کوئی ہاتھ میں نوٹ پکڑ کر ہاتھ سر کے اوپر اٹھائے رکھتا ہے۔ لونڈا نزدیک آتا ہے تو ہاتھ کو پیچھے کر لیتا ہے۔ خوب ٹھٹھا چل رہا ہے، لوگ پورا مزہ لے رہے ہیں ناچ کا۔

یہ دلت مزدور سنگھ کا جلسہ ہے۔ ادگھاٹن تو تین کے بعد ہوا جس میں خود بھاردواج صاحب اپنے دل بل کے ساتھ آئے اور ایک جوشیلا بھاشن دیا۔ اور ایسے لوگوں کو کھلے لفظوں میں چنوتی دی جو ان کے کام میں روڑے اٹکانے کی کوشش کریں گے۔ اس جلسے میں سہدیو نے اپنی پہلی تقریر کی۔ بے ربط اور قریب قریب بے معنی۔ کیا کرتا بے چارہ، ٹانگیں کانپ رہی تھیں، دل کی دھڑکن دس گنا بڑھ گئی تھی۔ اور دماغ تھا کہ اوٹ پٹانگ سوچے جا رہا تھا۔

چلو سہدیو لیڈر بن گیا۔ حالانکہ لیڈر نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس کو آج بھی، بیس برس گذر جانے کے بعد بھی اپنے کام ہی سے زیادہ دلچسپی تھی۔ مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ لیڈر بن گیا۔

یونین آفس کا سارا کام سہدیو کو ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ دو چار آدمی اسکی مدد ضرور کرتے ہیں۔ مگر وہ برائے نام۔ اسکو مزدور کے مسائل کے نبٹاوے کے علاوہ پیپر ورک بھی کرنا پڑتا ہے۔ پھر دوسری کولیریوں میں بھی جانا پڑتا ہے۔ اور سب سے زیادہ حاضری دینی پڑتی ہے صاحب کے بنگلے پر جو دلت مزدور سنگھ کا ہیڈ آفس بھی ہے۔ وہاں اکثر میٹنگیں ہوا کرتی ہیں۔ بحث مباحثے، دوسری کولیریوں کے حالات پر تبصرے، اپنی یونینوں کی کارکردگی کا جائزہ، لوگ دیر رات تک رکے رہتے تھے۔

یہ سب دیکھ کر جل رہے ہیں دوسری یونین والے۔ وہ نہیں چاہتے کہ دلت مزدور سنگھ یہاں کسی طرح کے ارگنائزیشن کا کام کرے۔ انہیں ڈر ہو گیا ہے کہ وہ دلت مزدور سنگھ کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ بھاردواج خون خوار آدمی ہے۔ بحث مباحثے، لیکچر بازی اور جوڑ توڑ کی بجائے سیدھا راستہ استعمال کرے گا۔ بندوق کی نال والا سیدھا راستہ۔ یہاں کس میں ہمت ہے کہ اس سے آنکھ ملا سکے۔ لوگ ایک ایک کر ٹوٹ ٹوٹ کر دلت مزدور میں شامل ہو رہے ہیں۔ دوسری پارٹی کے لیڈروں کے حواس گم ہیں، اب کیا ہو گا ـــ؟

ہو گا کیا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جہاں دلت مزدور پہنچ جائے وہاں دوسروں کا رہنا مشکل ہو جاتا ہے، وہ طاقت کی پارٹی ہے۔ اور طاقت ـ ـ ـ ـ چاروں طرف

دلت مزدور سنگھ کے لوگ اینڈ تے پھر رہے ہیں۔ سہدیو کے چاروں طرف بھیڑ لگ گئی۔ طاقت کا یہ عالم ہے کہ آج اگر وہ چاہے تو جھگر جیسے منیجر کو کالر سے پکڑ کر آفس سے باہر کھینچ لائے۔ اور یہی چاہتی ہے پھول منی۔

ایسی کون سی نفرت بیٹھ گئی ہے اسکے دل میں کہ وہ جھگر کو پھوٹی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ حالانکہ اس نے کوئی نیا نہیں کیا ہے۔ اکثر کامنیں افسروں کے گھروں میں چوکا برتن کرنے جاتی ہیں۔ اور زیادہ تر وہیں سونے بھی لگتی ہیں۔ اور یہ پھول منی ہی کونسا دودھ کی دھوئی ہے۔ ارے فقیر کی جھولی ہے جہاں دس گھروں کا دس مٹھی چاول ہے وہیں ایک مٹھی اور پڑ گیا تو کون سی قیامت آگئی۔ مگر وہ پتہ نہیں کیوں بہت جھلائی رہتی ہے۔ اور جتنا غصہ اسکو جھگر صاحب پر آتا ہے اتنا ہی غصہ نیپال یادو پر اور لوٹنگ بابو بادل پر بھی آتا ہے۔ اس کا خیال ہے نیپال یادو اور لوٹنگ بابو اتنی بڑی بات کو برداشت کیسے کر گئے۔ ان کو تو وہاں جانے سے روک لینا چاہیئے تھا۔ بزور روک لینا چاہیئے تھا۔ کیا کر لیتا جھگر ــــ؟ کیا ان کو نوکری سے نکال دیتا۔ ؟ نامرد ے...

آج کل وہ انہیں ذرا منہ نہیں لگاتی۔ بلکہ کوئی ٹوکے تو لڑنے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ اس کا دل آگیا ہے سہدیو پر۔ پیار محبت کی بات نہیں۔ بس اس کو بھا گیا ہے۔ اسکا جھگر کے گھر کے سامنے شیر کیطرح للکارنا، اور اسکے بنگلے سے نکلتے ہی اس پر جھپٹ کر اس کے بال پکڑ لینا اور بے رحمی سے اسکو گھسیٹنا اور پے در پے اسکی رانوں اور کمر پر چھڑی برسانا یہ سب اسکو اچھا لگا تھا، بہت اچھا لگا تھا۔ ایک خونخوار بھرپور مرد کیطرح لپکتا جھپکتا اسکا وجود ایک دلکش نقش چھوڑ گیا تھا اسکے دل پر، چنانچہ اس دن سے وہ اکثر اس کے آگے پیچھے گھوما کرتی۔ ایک دن تو اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

تم مجھ کو رکھ لو ــــ!

کیا ــــ؟ سہدیو ایکدم ہکا بکا رہ گیا۔

تم جو بولو گے میں کروں گی۔ اپنی ساری تنخواہ تمکو دیدونگی بلکہ لکھ دوں گی کہ میرے مرنے کے بعد میرا سارا پیسہ تم کو مل جائے۔ پی ایف کا بھی اور جو اوپر سے ملتا ہے وہ بھی۔

سہدیو اس کو سمجھانے لگا تھا ـــــ دیکھو میں بال بچے دار آدمی ہوں۔ گھر میں بیوی موجود ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " !

پھول منی اُسکی بات کاٹ کر بولی تھی ـــــ میں بیوی کو چھوڑنے کیلئے تھوڑے ہی کہہ رہی ہوں۔ ایک مرد دو عورت نہیں رکھ سکتا کیا۔؟ اور میں کوئی تم سے کھانا خرچ تو مانگ نہیں رہی ہوں۔

کمال کرتی ہو۔ سہدیو جھلا گیا۔ اس اتنی بڑی کولیری میں سیکڑوں مرد ہیں کیسے ساتھ رہ لو اے بھائی سب گڑ گوبر ہو جاتا ہے۔

پھول منی کا منہہ پھول گیا ـــــ ٹھیک ہے تم مجھے مت رکھو مگر میں تم کو رکھوں گی۔

اس جملے کا اگر کوئی مطلب نکالا جا سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ چاہے تم مجھے نہ چاہو مگر میں تمہیں چاہتی رہوں گی۔ اور واقعی اس نے چاہا بھی اور اتنا ٹوٹ کر چاہا کہ اسکی مثال کم ہی ملے گی۔

پھول منی اسکو چاہتی ہے یہ بات سب جانتے ہیں یہاں تک کہ پرتی بالا کو بھی معلوم ہے۔ بلکہ کولیری کا بچہ بچہ جان گیا ہے۔ اس رشتے کی وجہ سے پھول منی کی بھی عزت بڑھ گئی ہے۔ اب اسکو کوئی چھیڑتا نہیں۔ بلکہ چھیڑنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اب وہ رہتی بھی ہے بڑے وقار سے۔ کسی ہما شما سے تو بات بھی نہیں کرتی۔ ادھر جب سے سہدیو لیڈری کرنے لگا ہے۔ اس نے بھی رنگین ساڑی چھوڑ دی ہے۔ اب سفید ساڑی پہنتی ہے۔ کوئی کوئی آدمی مذاق سے کہتا ہے۔ نئے زمانے کی لیلیٰ ہے۔

پُرانے زمانے کی لیلیٰ کیسی ہوگی یہ تو معلوم نہیں۔ مگر اس نئے زمانے کی لیلیٰ نے کولفیلڈ میں محبت کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ ہر پرب تیوہار پر کوئی نہ کوئی سامان بھیج دیتی ہے سہدیو کے گھر۔ بلکہ کبھی کبھی تو پینٹ اور شرٹ کے کپڑے بھی۔ دیوالی میں تو کئی ڈبے مٹھائی بھیجتی ہے۔ حالانکہ پرتی بالا کسی کو وہ مٹھائی کھانے نہیں دیتی۔ اس کا خیال ہے اس مٹھائی میں ضرور کوئی ایسی بات ہوگی جو آدمی کو موہ لے۔ ایسی عورتیں اس طرح کا بہت ٹوٹکا جانتی ہیں۔ پھول منی سے وہ بہت خفا رہتی ہے۔ ایک بار درگا پوجا میں ٹھیک پوجا منڈپ میں آمنا سامنا ہو گیا تھا دونوں کا۔ پھول مُنی نے آنچل گردن میں لپیٹا اور لپک کر پرتی بالا کے پاؤں چھو لئے۔ پرتی بالا نے پاؤں اتنے

جلدی ہٹائے مانو بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

عرفان بہت دنوں کے بعد سہدیو کے گھر آیا ہے۔ وہ بید کی کرسی پر بیٹھ کر سوئٹر بُنتی ہوئی پرتی بالا کو دلچسپی سے دیکھتا ہے۔ کوارٹر کی دیواروں پر تصویریں ٹنگی ہیں، ایک سستے قسم کا سِنگاردان جس پر ڈھائی فٹ کا آئینہ لگا ہے، اس طرح رکھا ہے کہ جو شخص کمرے میں داخل ہو سب سے پہلے اسکو اپنی شکل اس میں دکھائی دے۔ اسی آئینے میں ابھی ابھی عرفان نے اپنے آپ کو دیکھا ہے۔ ایک دُبلا پتلا لمبا لڑکا، یا نوجوان جس کے میلے کرتے اور پاجامے سے اس کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔ مگر چہرے پر جو ایک معصوم کشش ہے۔ یا آنکھوں میں ایک روشن چمک ہے اسکو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہ دبے پاؤں آکر پرتی بالا کو سلام کرتا ہے تو وہ ایکدم سے چونک جاتی ہے۔

ارے تم عرفان ــــ؟ ایسے چوروں کی طرح آئے کہ مجھے پتہ بھی نہ چلا تم لوگوں نے تو بالکل آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پتہ ہے کتنے دنوں بعد آئے ہو تم۔

انٹی کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ فرصت ہی نہیں ملتی۔

پرتی بالا نے سلائی نیچے رکھدی۔ اس کی طرف دیکھا پھر ہنس کر بولی۔

میں نے تو سنا ہے کوئی لیڈر کام ہی نہیں کرتا۔ بھوکٹ کی تنخواہ اٹھاتا ہے۔

ارے کام بی سی ایل کا نہیں کرتا تو کیا ہوا۔ پارٹی کا کام تو کرنا ہی پڑتا ہے ــــ پھر وہ رازداری سے بولا۔

اب تو سنا ہے انکل بھی لیڈر ہو گئے ہیں۔ آپکو تو خود اندازہ......

پرتی بالا نے اسکی بات کاٹ دی ــــ انکی بات مت کرو۔ بڑھاپے میں ان کی عقل خبط ہو گئی ہے۔!

اچھا۔! ایسا کیا کیا ہے ہمارے انکل نے۔؟

پرتی بالا ہولے سے مسکرائی ــــ کریں گے کیا، تمہارے لئے ایک چاچی ڈھونڈ

رکھی ہے۔

عرفان بہت زور سے ہنسا ——— واہ ! کیا عمدہ خبر سُنائی ھے صبح صبح جی خوش ہوگیا۔ ماں سُنیں گی تو کل چلی آئیں گی۔

دیدی کہاں آتی ہیں۔ ان کو دیکھے تو سال بھر سے اوپر ہوگیا۔

ماں آج کل مجھ سے کچھ ناراض ھیں۔ میں نے ان کا "کول بزنس" ختم کر دیا ھے۔

وہ ہنسا تو پرتی بالا بولی۔

اس کے کوئلہ بیچنے کا مذاق مت اڑاؤ۔ اسی سے اس نے تمہیں پال کر اتنا بڑا کیا ھے۔ اسی سے تم کو پڑھایا لکھایا۔ ورنہ آج تم بھی گاؤں میں بھیا کی طرح خانصاحبوں کے کھیت میں ہل چلا رہے ہوتے۔

اس کا مطلب ہے انکل نے آپ کو ہمارا سارا جغرافیہ سمجھا دیا ہے۔

پرتی بالا نے پہلے اسکو کرسی لاکر دی پھر بٹھایا تب بولی۔

جب تم لوگوں سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی تب ہی انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا ذرا ذرا۔ وہ بھیّا کو یعنی تمہارے بابو جی کو بہت چاہتے تھے۔ ان کے مرنے کا انہیں بہت غم تھا۔ اکثر آدھی آدھی رات کو اٹھ کر پاگلوں کی طرح اچانک پوچھ بیٹھتے۔ اب ان کا کیا ہوگا ——؟

میں حیرت میں پڑ جاتی، کس کا کیا ہوگا ——؟ ارے اسی رحمت بھائی کی بی بی کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے۔

عرفان الفاظ کی دنیا سے نکل کر بصارت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

وہ دیکھ رہا ہے۔ سارے گھر میں موت کا سناٹا طاری ہے، ماں جاڑے کی دھوپ میں جھیلنگ کھٹولے پر پاؤں سکیڑ کر لیٹی ہے۔ منہ چھپا کر، کبھی کبھی اس کا بدن خفیف سا ہل جاتا ہے۔ شاید وہ رو رہی ہے۔ ایک طرف اس کا دادا بیٹھا دھوپ سینک رہا ہے۔ جب سے رحمت میاں کی خبر آئی ہے کبھی اسکی آنکھ سے پانی بند نہیں ہوا۔ مسلسل بہتا رہتا ہے۔ ماں کہتی ہیں، بوڑھے کی آنکھیں بہہ گئی ہیں، اسے اب کچھ نہیں دکھائی دیتا۔

اسی لئے جہاں وہ بیٹھتا ہے ایک ڈنڈا پڑا رہتا ہے، جب اٹھتا ہے تو ٹٹول کر ایک ہاتھ سے دیوار پکڑتا ہے، اور دوسرے سے ڈنڈا۔ ڈنڈے سے آگے کی چیزیں ٹٹول کر آگے بڑھتا ہے۔ کبھی کبھی وہ دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے تو بوڑھا بھبھک کر رو اٹھتا ہے۔ عجب سی آواز نکلتی ہے اسکے منھ سے اور اندھی آنکھوں سے پانی اتنی زور سے بہنے لگتا ھے کہ میلی داڑھی بھیگ جاتی ہے۔ ماں اس کے مرنے کی راہ دیکھ رہی ہے۔ کئی بار کہہ چکی ہے بوڑھا کوئی گھاٹ لگے تو وہ بیٹے کو لیکر شہر چلی جائے۔ کون بیٹھا ہے یہاں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس گھر میں کوئی کسی سے بات نہیں کرتا۔ سارے گھر میں سناٹا چھایا رہتا ھے۔ اسکو معلوم ہے کہ کیا ہوا ھے۔ اتنی سمجھ ہے اس میں، مگر وہ اپنے آپ کو کھیلنے سے اور کبھی کبھی ہنسنے سے نہیں روک سکتا۔ بھول جاتا ہے کہ کیا ہوا ھے۔ پھر جب اچانک یاد آتا ہے تو اسکو بھی چپی لگ جاتی ہے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ آواز کسی گھر کے لئے، زندہ لوگوں کے لئے کتنی ضروری چیز ھے ——— ایک طرف اسکی ماں لیٹی ہوئی، ایک طرف اس کا دادا اپنی بے نور آنکھوں سے خالی راستے کو دیکھتا ہوا۔ آنکھوں سے نہیں، سماعت سے آہٹوں کا منتظر۔ ایک طرف بجھا ہوا چولہا۔ ایک طرف سیاہ پڑ گئیں خالی المونیم کی دیگچیاں۔ میلے گیندڑوں کا انبار جیسے نہ کوئی دھونے والا ہے اور نہ تہہ کر کے رکھنے والا۔ دھول اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا برآمدہ اور اندھیری بے نور کوٹھری، سب کچھ جیسے چلتے چلتے رک گیا ھے۔ منجمد ہو گیا ہے،

خان صاحب کی ماں آتی ہے، دن کا بچا ہوا کھانا لیکر کتوں کو نہیں ڈالا ہے، کتوں سے پہلے آدمی کو دیکھنا چاہئے۔ یہی اصل ایمان ہے۔ اللہ اس کا اجر دیتا ھے ——— آدمی بھی عجیب ہوشیار ہے۔ پھینکنے والے کھانے کی بھی قیمت وصولنا چاہتا ہے۔ آدمی سے نہیں نہیں ملے تو اللہ سے۔

دادا کی اللہ میاں سے لڑائی ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی وہ اللہ میاں کو بہت گالی بکتا ہے ——————۔ روزہ نماز سب بند، کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سوتا ہے۔ کہتا ہے سب جھوٹ ہے بڑے خانصاحب سمجھاتے ہیں، کفر کیوں بکتے ہو ———؟

اللہ میاں کے قہر سے ڈرو۔

بوڑھا بدک جاتا ہے۔ قہر گرانا ہے تو گرا کر دیکھ لے۔ وہ ایسوں پر قہر کیوں نہیں گراتا جو رات دن بے ایمانی کرتے ہیں، دوسروں کا حق مارتے ہیں۔ زمین ہڑپ کرتے ہیں۔

بڑے خانصاحب لاحول پڑھتے ہوئے چلے جاتے ہیں ۔۔ سسُری کی بڑھاپے میں مت ماری گئی ہے۔ پاگل ہو گیا ہے۔ تب وہ بھی سوچتا تھا کہ سچ مچ دادا پاگل ہو گئے ہیں۔ مگر اب جب وہ بڑا ہو گیا ہے تب اسکی سمجھ میں آیا ہے کہ نہیں دراصل اس کے دادا کو ہوش آ گیا تھا۔ اسکی بے نور آنکھیں دیکھنے لگی تھیں، یہاں سے عرش معلےٰ تک۔

زندگی نے کتنا چھلا ہے اسکو، کتنا دُکھ دیا ہے۔ ایک لمبا دکھ بھرا لڑکپن۔ ایک معمولی معمولی چیزوں کے لئے ترستی جوانی۔ سب کچھ تو اسنے اکیلے ہی جھیلا ہے۔ یہاں آیا تھا تو ماں جب کوئلہ بیچنے چلی جاتی تو وہ اکیلا چل پڑتا سرسا کولیری۔ جلدی جلدی قریب قریب بھاگتا ہوا تاکہ ماں کے لوٹنے سے پہلے واپس آ جائے۔

پہلے کئی دنوں تک یوں ہی سرسا کولیری میں پھرتا رہا۔ کبھی موہانی کے پاس، کبھی آفس کے پاس، کبھی لوڈنگ شیڈ کے پاس، کبھی دھوڑوں کے بیچ، ۔۔۔۔ کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔ ساری دنیا ٹھیک ٹھاک تھی۔ کولیری میں کام ویسے ہی ہو رہا تھا۔ چائے اور پان کی دکانوں میں بھیڑ لگی تھی، دھوڑوں کے پاس عورتیں خوش گپیوں میں مصروف تھیں، آفس میں بابو لوگ ویسے ہی اندر باہر ہو رہے تھے ۔۔۔ وہ کس سے پوچھے، ؟ کیا پوچھے، ؟ کوئی ایسا آدمی مل جاتا جو اس کے باپ کو جانتا ہوتا۔ جس سے وہ پوچھ سکتا کہ اس کا باپ کیسے مر گیا تھا۔ مر گیا تھا یا کسی عورت کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ سب چہرے اجنبی تھے۔ سارے آدمی انجان تھے۔ ہر روز وہ کولیری میں دو تین گھنٹے گذار کر واپس آ جاتا ۔۔ ماں کے لوٹنے سے پہلے۔

تب ایک دن کسی نے سرسا کولیری میں اسکی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

کس کو ڈھونڈتے ہو بابو ۔۔۔ ؟

اس نے پلٹ کر دیکھا تھا، ایک عورت کا چہرہ، بندی لگی ہوئی، مانگ میں سندور۔ وہ چپ رہ گیا تھا۔ عورت نے اس سے بہت پوچھا۔ مگر وہ چُپ، کیا بتاتا کہ

وہ کتنی بڑی مہم پر نکلا ہے۔

اس کا نام، اس کا پتہ پوچھ کر ہار گئی تو پڑوس کے دھوڑوں سے کئی عورتیں نکل آئیں۔

کے بابھوجی ——؟

کوؤ نو لیئہ کا بلٹا گیل با ہو ——!

دوسری عورتوں نے اسے چمکارا پچکارا تب اس نے ذرا ہمت کر کے اپنا نام بتایا۔

عِرفان ——!

بابوجی کا نام ——؟

وہ چپ۔

باپ کا نام ——؟

وہ انکھیں اٹھا کر پانچوں عورتوں کو دیکھتا ہے۔ کیا وہ جانتی ہوں گی۔ اُن میں سے کوئی ——؟

رحمت میاں ——!

کہاں رہتے ہو ——؟ گھر کہاں ہے۔

وہ محلے کا نام نہیں جانتا، شہر کا نام جانتا ہے۔

جھریا۔

دیس کہاں ہے ——؟

گیا ضلع ——!

گیا ضِلع میں کہاں ——؟

وہ پھر چپ۔ متفقہ فیصلہ ہوتا ہے۔ لڑکا کہیں سے بھٹک کر آ گیا ہے مگر اتنا بڑا لڑکا ٹھیک سے کچھ نہیں بتاتا۔ لگتا ہے دیہاتی ہے۔

میں گھر جاؤں گا۔

عورتیں کچھ سوچ کر اسکو چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ تیزی سے نکل جاتا ہے۔ آج بہت دیر ہو گئی ہے۔

اس دن سچ مچ بہت دیر ہو گئی تھی۔ ماں آ چکی تھی اور اسکو نہ پا کر چاروں طرف

کھوجتی پھر رہی تھی۔ رو رو کر اس نے اپنا برا حال کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسکی غیر حاضری میں عرفان کسی طرف نکل گیا ہے اور پھر راستہ بھول گیا ہے۔ اتنا بڑا شہر ہے، دنیا کی بھیڑ ہے جلدی پتہ تھوڑے ہی چلے گا۔ مگر جب وہ خود ہی آ گیا تو اسکو پکڑ کر اتنا روئی اتنا روئی کہ اتنا تو اسکے باپ کی چٹھی پاکر بھی نہ روئی تھی۔

پرتی بالا نے چائے کے پیالی اسکی طرف بڑھائی تو وہ لوٹ آیا۔ بیٹھے بیٹھے دور چلے جانے کی عادت اب کم پڑ گئی تھی۔ شروع شروع میں تو یہ عالم تھا کہ لوگ بات کرتے رہتے اور وہ دور چلا جاتا۔ کبھی اپنے گاؤں، کبھی سرسا کولیری اور کبھی کبھی کسی تاریک سرنگ میں، جہاں ایک کوئلہ کے ٹکڑوں سے بنی قبر، زمین سے تیرہ سو فٹ نیچے ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک سوالیہ نشان بنی موجود ہوتی، کبھی کبھی وہ اس قبر پر کتبہ لگاتا۔

رحمت میاں ولد . . . .

پیدائش . . . .

موت . . . .

لیکن اب یہ سب کچھ بہت کم ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج جب پرتی بالا نے اسکو چائے بڑھائی تو وہ خود بھی چونک گیا، بہت دور چلا گیا تھا۔ پرتی بالا سے بھی یہ بات چھپی نہ رہ سکی، ہنس کر بولی۔

دن کو سپنے مت دیکھا کرو۔ دیدی سے کہنا انٹی نے آپ کو بلایا ہے۔

کوئی کام ہے ــ؟

بہت ضروری کام ہے۔ بیٹا جب بیٹھے بیٹھے دن کو سپنے دیکھنے لگے تو ماں کو اسکے بیاہ کی فکر کرنی چاہیئے۔

عرفان ہنس دیا۔

عجب بات ہے، بہن کہتی ہے شادی کر لو، اور بھائی کہتا ہے کبھی ایسی غلطی بھی مت کرنا۔ بولئے میں کس بات مانوں ــ؟

بجمدار دا نے خود شادی نہیں کی تو کیا ساری دنیا نہ کرے۔

یہ تو آپ اپنے بھائی سے پوچھیئے۔

وہ آتے کہاں ھیں جو پوچھوں -!

ارے آپ کو پتہ ہے وہ بڑا لیڈر ہو گئے ھیں۔ گھوش صاحب کا داہنا ہاتھ۔ آج کل کولیریوں میں یونین ارگنائز کرنے میں لگے ہیں، اب ان کو فرصت کہاں!

بحمدار سیح مح بہت مصروف تھا۔ پہلے تو سندری اور بلیا پور کے دیہاتوں کے کسان بیلٹ میں کام چل رہا تھا۔ پھر پارٹی نے سوچا کہ مزدوروں کے بیلٹ میں بھی کام ضروری ہے۔

مزدوروں کا بیلٹ یعنی کولیری ایریا۔

کئی سال پہلے جو بونڈر آیا تھا وہ ابھی تھما نہیں ہے۔ کیا کیا اس بونڈر میں اڑ گیا کیا کیا بچا ہے اس کا حساب ابھی باقی ہے۔ جو کولیریوں کے مالک تھے۔ لاکھوں میں کھیلتے تھے، جنکے گھر نوٹوں کی بارش ہوتی تھی۔ جنہوں نے چار چار کاریں رکھ چھوڑی تھیں۔ وہ آج کہاں ھیں پتہ بھی نہیں۔

ان کو معاوضہ دینے کی بات چلی تھی مگر پتہ چلا کہ تقریباً تمام مالکوں نے گورنمنٹ کا اتنا پیسہ داب رکھا تھا جو کولیری کے معاوضے سے بھی زیادہ تھا سو سب منہا ہو گیا بچی کیا؟ راستہ کی دھول، جاؤ بیٹا پھانکو بہت موج اڑائی ہے تم لوگوں نے۔ ۔ ۔ ۔ !

خوب ہاتھ سینکا ہے کولیری کے لیڈروں نے۔ دونوں ہاتھ سے لوٹ رہے ھیں، روز ایک ہنگامہ ہوتا ہے، روز ایک معاملہ کھڑا ہوتا ہے، روز لیڈر ایک نیا تماشہ بناتے ہیں۔ انہیں روپیہ چاہیئے۔ گھوس چاہیئے، مگر بے چارے افسر کیا دیں۔ ۔ ۔ ۔ سو انہوں نے ان کا منھ بند کرنے کے لئے سامانوں سے انہیں ادبلائز کرنا ہے شروع کر دیا۔ جی ہاں! سیمنٹ، لوہے کی چھڑیں، گاڈریں، بجلی کے سامان، لوگ ٹرک بھر بھر کر گاؤں بھیج رہے ہیں۔ وہاں ان کے پکے مکان بن رہے ھیں۔ سارے چھوٹے چھوٹے لیڈر بی سی سی ایل کے امپلائی ہو گئے ہیں۔ بس نام کے امپلائی کام نہیں کرتے، صرف تنخواہ اٹھاتے ھیں۔ کام تو وہ یونین کرتے ہیں۔ بلکہ صرف وہ کام کرتے ہیں جس میں ان کو رقم ملے نوکریوں میں خوب دھاندلی ہوتی ہے۔ آؤ بھائی نوکری بک رہی ہے، لوڈر پانچ ہزار،

مڑا مرچھ ہزار، کھونٹا مستری آٹھ ہزار، قسمت بنالو، پھر موقع نہیں ملے گا۔ اس ریلے کو سنبھالنا منیجمنٹ کو بھاری پڑ رہا ہے۔ ہر دوروز میں اسٹرائک کی دھمکی ملتی ہے، ہر چار دنوں میں گھراؤ کرلیا جاتا ہے۔ لیبروں کو اکسا کر گالی گلوج کروا دینا تو بہت معمولی بات ہے۔ منیجمنٹ روز اوپر والوں کو لکھتا ہے۔ ہماری حفاظت کا انتظام کیا جائے۔

اور یہ جو افسر ہیں یہ کہاں دودھ کے دھوئے ہیں۔ جس کا ہاتھ جتنا لمبا ہے، جتنی دور جا سکتا ہے، ہاتھ بڑھا کر نوچ نوچ کر اپنا گھر بھر رہا ہے۔ ٹھیکیداروں اور سپلائرز سے پہلے بات طے ہو جاتی ہے پانچ فی صد انجنیئر کا۔ دو فیصد سامان پاس کرنے والے انجنئر کا۔ ایک فیصد ریجنل اسٹور کا، تین فیصد فنانس کا۔ سیل والے اور پرچیز والے تو راجہ ہو گئے، ہیں۔ جتنی تنخواہ نہیں ہے اس سے زیادہ اوپر سے مل جاتا ہے۔ باقی جو لوگ ہیں۔ جنکے ہاتھ لمبے نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکے ہیں کڑھتے رہتے ہیں اور ایک آدھ چانس پانے کے لئے تگڑم لگاتے رہتے ہیں۔ سازشیں رچتے رہتے ہیں۔ وہ بھی جن کے ہاتھ لمبے ہیں اور وہ بھی جنکے نہیں ہیں سب اندر سے بہت کمزور ہیں۔ اسلئے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور کولیری میں ڈرنے کی بس ایک چیز ہے اور وہ ہیں لیڈر۔

یہ لیڈر کب کس کی ٹانگ کھینچ لیں کچھ پتہ نہیں۔ کوئی غلطی پکڑی نہیں کہ مزدوروں کو ورغلا کر کھڑا کر دیا۔ چلے آ رہے ہیں جھنڈیاں لئے نعرہ لگاتے۔

ایس ای بیٹا چور ہے۔ ۔ ۔ ۔ چور ہے چور ہے

سامانوں میں ہیرا پھیری۔ ۔ ۔ ۔ نہیں چلیگی نہیں چلے گی۔

آگے آگے لیڈر ہیں اور پیچھے مزدوروں اور کامنوں کی بھیڑ۔ اب بچارے سپرنٹنڈنٹ انجنیر کا برا حال۔

کچھ ہوتا جاتا نہیں ہے بس بعد میں لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ فقرے کستے ہیں۔ اتنے سارے جونیئر اسٹاف کے سامنے خفیف ہونا پڑتا ہے، یہ کیا کم ہے۔ سوان میں دھیرے دھیرے اتنا خوف طاری ہو گیا ہے کہ لیڈر کے نام سے ہی افسروں کا دم نکلتا ہے۔

ایک اور تبدیلی ہو رہی ہے کولفیلڈ میں دھیرے دھیرے۔ بڑے لیڈروں کی

سب سے بڑی آمدنی تھے مالک۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ اس لیئے یہ لیڈر صاحبان بڑے بڑے ٹھیکے حاصل کر رہے ہیں۔ کچھ اپنے نام سے کچھ اپنے رشتے داروں کے نام سے۔ مزدور کوارٹروں کے ٹھیکے جنکے ایک ساتھ سیکڑوں کی تعداد میں ٹینڈر نکلتے ہیں۔ ٹرک سے کوئلہ ڈھونے کے ٹھیکے، اور سب سے قیمتی بالو سپلائی کے ٹھیکے۔ ان ٹھیکوں کے ٹینڈر کوئی دوسرا انہیں بھر سکتا۔ جو بھرتا ہے یا بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ پرانے ٹھیکیدار جو اپنا سارا کام مالکوں کی خوشامد کر کے نکالا کرتے تھے اب منظر سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور سارا کولفیلڈ مختلف مافیائی ٹکڑیوں میں بنٹ گیا ہے۔ ہر علاقے کا ایک الگ مافیا سردار ہے۔ یہ مافیا سردار اکثر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ آج اس کا دو آدمی مارا گیا تو کل اسکے دو آدمی کو گولی مار دی گئی۔ انتقام در انتقام یہ کھیل چلتا رہتا ہے۔ ان مافیا سرداروں کے ٹرک جو ایک ایک مافیا سردار کے پاس پچاس پچاس کی تعداد میں بھی ہیں رات دن ان کے لئے نوٹ بٹورنے کا کام کر رہے ہیں، بالو ٹرک دس ٹرپ لگاتا ہے تو بی سی سی ایل کے کھاتے میں پندرہ ٹرپ لکھا جاتا ہے۔ ایسا بھی پایا گیا ہے کہ ایک ہی ٹرک بیک وقت بالو کے ٹرپ میں بھی درج ہے اور کوئلے کے ٹرپ میں بھی۔

پہلے والے ٹھیکیداروں کے پاس اب چھوٹے چھوٹے ٹھیکے رہ گئے ہیں، باؤنڈری وال، کھمبوں اور فینس کی رنگائی۔ انڈر گراونڈ میں خوردہ کاموں کے ٹھیکے۔ یہ ٹھیکے بھی حاصل کرنے کے لئے ان کو شامد کرنی پڑتی ہے۔ منجمنٹ کی بھی اور ان مافیا سرداروں کی بھی۔

رہ جاتا ہے مزدور تو اس پر جیسے نشہ طاری ہو۔ جس مزدور کو دو سو روپیہ مہینہ ملتا تھا اسکو بارہ سو، چودہ سو ملتا ہے۔ اب یہ بینگن کو شگن نہ کہیں گے تو کون کہے گا۔ پہلے گڑ کے لڈو اور بیسن کے بھابھرے کو لیر نعمت جانتا تھا۔ مگر آج یہ چیزیں اس کے حلق کے نیچے نہیں اترتیں۔ اب انہیں خاصتہ کچوری اور امرتی جلیبی بھاتی ہے۔ پہلے وہ مہوے سے چلائی یا اسپرٹ سے بنائی دارو پیتا تھا اب تھری ایکس رم اڑتا ہے۔ پہلے دس روپیہ سیکڑہ سود پر قرض لیتا تھا اب بیس روپیہ سیکڑہ پر لیتا ہے۔ پہلے درگا پوجا میں خریدی دو ساڑیوں میں سال کٹ جاتا تھا اب آٹھ ساڑیاں لگتی ہیں۔ اسنو پاؤڈر، لپ اسٹک، خوشبودار

صابن کی جود کان کھُلی ہے خوب چلی ہے۔ اب ہر ہفتہ شہر جاکر سینما دیکھا جاتا ہے۔ جھریا بازار کی قیمتوں میں اچانک اچھال آگیا ہے۔ اگر کوئی حساب کرنے والا ہو تو دیکھے گا کہ مزدور آج بھی وہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ذرا چمک دمک بڑھ گئی ہے۔

یہ دن پر دن گہرا ہوتا دھواں، یہ دن پر دن بڑھتی پھیلتی تاریکی، یہ دن پر دن لہو میں ڈوبتا کولفیلڈ ــــ آگ کہاں ہے ــ ؟ کیا یہاں صرف دھواں ہے ــ ؟ کہتے ہیں جہاں دھواں ہوتا ہے وہیں آگ بھی ہوتی ہے۔

مگر آگ کہاں ہے ــ ؟

عرفان کی جوان روشن آنکھیں اس دھوئیں بھرے اندھیرے پر برابر لگی ہیں۔ کبھی کبھی وہ نا امید ہونے لگتا ہے تو بجمدار اسکو ڈانٹ دیتا ہے۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ فرانس کا انقلاب یا زار روس کے تختہ پلٹنے کی کاروائی ایک دن کی تھی ؟ نہیں، پچاسوں برس تک یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی ہے تب کہیں جاکر بس پھوٹ ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ یہ ایک لمبی لڑائی ہے۔ جیت کب ہوگی کہنا مشکل ہے۔ شاید اس وقت میں نہ رہوں، تم بھی نہ رہو۔ مگر لڑائی جاری رہے گی۔ نسل در نسل آدمی اپنے حقوق کیلئے سینہ سپر رہے گا۔ نسل در نسل انسان اپنی اہانت، ذلت اور بھوک کے خلاف پرچم بلند کئے رہے گا۔ یہ مت سوچو کہ یک بیک جب تم سو کر اٹھو گے تو دیکھو گے کہ دنیا بدل گئی ہے۔

رات آٹھ بجے تک عرفان سہدیو کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے کھانا بھی وہیں کھایا بالآخر چلنے کی اجازت چاہی۔ پرتی بالا بولی۔

آج کل اکثر دیر سے آتے ہیں۔ یونین کا آفس بھی سنبھال رہے ہیں۔ دھنباد میں کوئی میٹنگ ہوتی ہے تب تو بہت رات ہو جاتی ہے۔

پرتی بالا کی بات پر دھیان دئے بغیر وہ گھر سے باہر نکل آتا ہے۔

بہت رات ہو گئی ہے ، اب کوئی سواری نہیں ملے گی۔

سہدیو ٹیکسی سے اتر کر چاروں طرف دیکھتا ہے ، جاڑے کی رات سنسان پڑی ہے ہوا تیکھی ہے ، اور سنسان رات کے اس پہر چوڑی سڑک پر جیسے ایک وحشیانہ رقص میں مصروف ہے ۔ وہ شانے سے ڈھلکتی گرم چادر کو ٹھیک سے لپیٹ لیتا ہے ۔اسکو اتار کر ٹیکسی سندری چلی گئی ہے ۔اب کوئی چارہ نہیں ۔ اتنی رات گئے نہ رکشہ ملے گا نہ کوئی دوسری سواری ۔ پیدل ہی جانا ہوگا۔

گھر زیادہ دور نہیں ہے ۔ بس یہی کوئی تین کیلومیٹر ۔ البتہ راستہ ویران ہے ۔کبھی کبھار کوئی کولیری ٹرک مل جائے تو مل جائے ورنہ اور نہ کوئی گاڑی دکھے گی اور نہ کوئی راہ گیر ۔ پتلی سڑک کے دونوں طرف بن تلسی کی جھاڑیاں اور اندھیرا کر دیتی ہیں راستے کو ۔ اس ویران راستے پر اتنی رات گئے اکیلے چلنے کا حوصلہ کم ہی آدمی کریں گے ۔

اور آج کل تو . . . .

آج کل کسی کے ساتھ بھی کچھ ہو سکتا ہے ۔ اس کے لئے ایسی سنسان رات بھی ضروری نہیں ، دن دہاڑے لوگ گولیوں سے بھون دئے جاتے ہیں ۔ یا بموں سے اڑا دئے جاتے ہیں ۔ موت کب ، کہاں ، کس کو چھاپ کر بیٹھ جائے کہنا مشکل ہے ۔ آج کل تمام لیڈر اپنے باڈی گارڈوں کے بغیر باہر نہیں نکلتے ۔ یہ باڈی گارڈ ایک سے ایک خونخوار لوگ ہوتے ہیں ، یہ ہر وقت مسلّح رہتے ہیں ۔ کمر میں اڑسے ہوئے انگلش یا جرمن پستولوں کے علاوہ گاڑی کی سیٹوں میں چھپا کر اسٹن گن ، اور ٹامی گن رکھتے ہیں ۔ وقت پڑ جائے تو وہ سو پچاس آدمیوں سے بھی نبٹ سکتے ہیں ، کئی بار بھاردواج اس سے کہہ چکا ہے ۔

منگرا اور رادھے کو اپنے ساتھ رکھ لو ۔

وہ ہنس دیتا ــــ مجھے کون مارے گا ــ ؟

اس بھرم میں مت رہو ــــ !

مگر میری تو کسی سے دشمنی نہیں ہے ۔

دشمنی سے کوئی تھوڑے ہی مارتا ہے ۔یہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم کس پارٹی کے آدمی ہو ــــ اگر سمجھ میں آتا ہے کہ تم فلاں آدمی کے اہم آدمی ہو ۔ بس

تم پر حملہ ہو جائے گا۔ اور تم تو ایسے گئو ہو کہ ایک پستول بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔

سچ مچ وہ پستول نہیں رکھتا۔ اگر رکھ بھی لے تو اسکے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اچانک کسی آدمی پر فائر کر دے۔ جان لینے کا تصور ہی اس کے لئے ہولناک ہے۔ اس کے آس پاس جو کچھ ہو رہا ہے اس سے وہ سخت حیرت میں ہے کہ ایسا کیوں کر ہوتا ہے ۔۔۔؟ ایک آدمی بھرے بازار میں، یا اپنے گھر کے آس پاس، یا رات برات کہیں سے آتے جاتے اچانک گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے۔ باقی لوگ خائف بھیڑوں کیطرح جس طرف راستہ ملتا ہے اندھا دھند بھاگتے ہیں۔ کوئی اگر ان سے پوچھے کہ کیا ہوا تو وہ بس اتنا بولتے ہیں۔

گولی چل گئی ....

کس نے کس کو مارا، کیسے یہ واقعہ رونما ہوا، کہاں گولی چلی، کون مرا، مارنے والے کون تھے ۔۔۔؟ ان سارے سوالوں کا جواب کبھی نہیں ملتا۔ خود پولیس پوچھ پوچھ کر ہار جاتی ہے مگر لوگ یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا ہی نہیں ہے کچھ، بس گولیوں کی آواز سنی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اور اگر بدقسمتی سے کوئی ایسا آدمی پولیس کے ہاتھ لگ جاتا ہے جو چشم دید گواہ ہوتا ہے اور پولیس کی طرف سے گواہی دینے پر آمادہ بھی ہو جاتا ہے، تو اسکی جان کی خیر نہیں۔ اگر وہ کولفیلڈ چھوڑ کر باہر بھی بھاگ جائے، جیسے گیا، نوادہ، چھپرہ، بلیا، یا یوپی کے کسی علاقے میں، تو وہاں بھی پہنچ کر اسکو ختم کر دیا جاتا ہے۔ جس آدمی کا پہلے خون ہوا ہوتا ہے وہ اتنا بڑا دشمن نہیں ہوتا جتنا بڑا دشمن گواہی دینے والا ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں اس طرح آگئی ہے کہ لاکھ سر پٹکنے کے بعد بھی پولیس کو ایسے معاملوں میں گواہی نہیں ملتی۔

پولیس انسپکٹر باگلے جو مہاراشٹر میں ہے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کولفیلڈ کے لوگ قتل کرنے کا آرٹ جانتے ہیں۔ قتل کرنے کو آرٹ کا درجہ اس نے یونہی نہیں دیا ہے، اسکا کہنا ہے کہ ہر جگہ قتل کرنے کے بعد قاتل کوئی نہ کوئی سراغ چھوڑ جاتا ہے۔ جس سے قانون کے لمبے ہاتھ مجرم تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ مگر کولفیلڈ ایک ایسی جگہ ہے جہاں پولیس جھک مارتی رہتی ہے اور خونی درندے آزادانہ گھومتے ہیں۔

خود اس پر خون کا الزام ہے۔ پچھلے چار برسوں سے مقدمہ چل رہا ہے۔ حالانکہ اُسنے خون نہیں کیا ہے مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس کو دوسرے اٹھارہ آدمیوں کے ساتھ دھر لیا گیا۔

ہوا یوں کہ دھرما کولیری میں جب دلت مزدور سنگھ نے زور پکڑنا شروع کیا تو وہاں کی منظور شدہ یونین کے لوگ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ تناؤ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ ایک دن تو دونوں یونینوں کے لوگ ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ اس وقت تک مارپیٹ لاٹھی، ڈنڈے یا زیادہ سے زیادہ بھالے گنڈاسے سے ہوتی تھی۔ اس دن بھی دونوں پارٹی کے لوگ لاٹھی ڈنڈے سے لیس ایک دوسرے کو للکار رہے تھے۔ گالیاں بک بک کر ایک دوسرے کو بھڑکا رہے تھے۔ اور قریب تھا کہ تصادم ہو جاتا کہ اچانک ایک جیپ آئی، اس میں سے چار آدمی اُترے، اور تڑاتڑ گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ مخالف پارٹی کے تین آدمی گرے، باقی سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ چاروں طرف غول بنا کر اس جھگڑے سے لطف اندوز ہوتی بھیڑ سر پر پاؤں رکھکر بھاگی، دیکھتے دیکھتے سارا میدان ایسے خالی ہو گیا مانو کرفیو لگ گیا ہو۔ چاروں آدمی پھرتی سے جیپ پر سوار ہوئے اور ہوا ہو گئے۔

وہ تین آدمی جو گرے تھے ان میں سے دو موقعِ واردات پر ہی مر گئے۔ پولیس آئی، گرفتاری شروع ہوئی، چونکہ تینوں آدمی دوسری یونین کے آدمی تھے۔ اس لئے گرفتاری دلت مزدور سنگھ کے لوگوں کی ہی ہوئی۔ کل اٹھارہ آدمی گرفتار ہوئے، ان میں سہدیو بھی تھا۔

مدعی کیطرف سے سات گواہوں نے گواہی کے لئے اپنا نام دیا تھا۔ دو سال کے اندر ہی اندر دو آدمیوں کو ختم کر دیا گیا، تین آدمی گواہی سے پھر گئے۔ دو بھاگ کر کہاں چلے گئے کسی کو پتہ نہیں۔ دو گواہ جو مارے گئے ان میں سے ایک کو تو سرِ عام، دن دہاڑے، بھرے بازار میں گولی مار دی گئی۔

دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ آدمی ابھی ابھی رکشا سے اترا تھا۔ اسکو دھنباد کورٹ جانا تھا۔ اگر وہ رکشا سے اتر کر فوراً بس پر بیٹھ جاتا تو شاید بچ جاتا مگر اسکی جو

شامت آئی تو ایک گُمٹی سے پان لینے لگا۔ اسی وقت موڑ پر ایک گاڑی رُکی، اس سے ایک لمبے قد کا آدمی اُترا، اس نے بھاگلپوری سلک کی چادر اوڑھ رکھی تھی، وہ تیزی سے بس اسٹینڈ کی طرف بڑھا اور اس آدمی کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی وہ آدمی پان لے کر پلٹا، اس لمبے آدمی نے چادر سرکائی اور پستول نکال کر چار گولیاں اسکی چھاتی میں اتار دیں، ــــ

ــــ بھگدڑ مچی ــــ دھڑا دھڑ دکانوں کے ڈھڑ ھڑ گرے، وہ آدمی تیزی سے چل کر اپنی گاڑی پر سوار ہوا اور گاڑی رن سے نکل گئی۔

اسی شام کو دوبارہ وہ لمبا آدمی بس اسٹینڈ آیا اور ایک بس ایجنٹ کو بلا کر کنارے لے گیا۔

مجھے پہچانتے ہو ــــ؟

وہ ایجنٹ اسکو پہچانتا تھا، اس نے خود اپنی آنکھوں سے سارا ماجرا دیکھا تھا۔ وہ سہم گیا، اسکی گھگھی بندھ گئی۔

نہیں صاحب ــــ!

ٹھیک سے دیکھو ــــ!

نہیں صاحب میں آپکو بالکل نہیں پہچانتا ــــ!

وہ آدمی ہنسا ــــــ ٹھیک ہے اور پہچاننا بھی نہیں۔ اور دوسرے تمام ایجنٹوں اور دکانداروں سے بھی کہہ دینا کہ وہ مجھے نہ پہچانیں، ورنہ انجام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم نے صبح کو دیکھا تھا نا ــــ؟

ہاں صاحب۔!

ٹھیک ہے جاؤ۔!

اسکو دیکھ کر کوئی آوارہ کتا بھونکتا ہے تو وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔۔۔۔ ۔۔۔ کس پر بھونکا کتے نے ــــ؟ اس پر یا کسی اور پر ــــ؟؟ کیا رات کے اس ویرانے میں کچھ اور آدمی بھی ــــ؟؟؟ گھات میں لگے ہوئے۔۔۔۔!

بہتوں کو یہ بات معلوم ہو گی کہ وہ میٹنگ میں گیا ہے اور دیر رات کو لوٹے گا۔ گھر کو آگ تو زیادہ تر گھر کے چراغ ہی سے لگتی ہے۔ کون اپنا ہے، ــــ کون دشمن ہے، ــــ

کوئی پہچان کہاں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، معتبر آدمیوں کو توڑنے کیلئے لمبی لمبی رقمیں خرچ کی جاتی ہیں۔ پچاس ہزار، پچھتر ہزار، فلاں آدمی کے تمام پروگراموں کی خبر دو۔ وہ کب کہاں جاتا ہے اور کب گھر پر رہتا ہے، کب اکیلا رہتا ہے۔! انہیں خبروں کے بنیاد پر قتل کا پروگرام بنتا ہے۔ ہوسکتا ہے آج کسی دشمن نے خبر پہنچائی ہو کہ وہ میٹنگ میں گیا ہے اور دیر رات کو لوٹے گا۔ ہوسکتا ہے کہیں کوئی گاڑی چھپا کر رکھی ہو، ہوسکتا ہے کسی دکان کے اندھیرے اوٹے سے چار پانچ آدمی نکل کر اسکو گولیوں کی زد پر رکھ لیں۔ اعتبار کسی کا نہیں! آج کا دور گیدڑ کی طرح ہوشیار رہنے کا ہے۔ ہر دس قدم پر پیچھے پلٹ کر دیکھ لینا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا پتہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ برسوں سے دلت مزدور سنگھ میں کام کر رہا ہے۔ اس کا ایک اہم آدمی ہے۔ بھاردواج نے اسکو لیری سے اٹھا کر پارٹی آفس میں بیٹھا دیا ہے۔ سارے کیس وہ خود دیکھتا ہے بالکل خود مختاری سے۔ سارے مزدوروں کی فریاد سنتا ہے۔ ہر دو چار دن میں اہم قانونی مشورے کے لئے اسکو بنگلے پر بلایا جاتا ہے۔ بھاردواج اس کی بہت عزت بھی کرتا ہے۔ اپنے بھائی سے بھی زیادہ بھروسہ۔ مگر پھر بھی بنگلے کے اندر جانے سے پہلے اسکی تلاشی لی جاتی ہے۔ آج بھی گیٹ پر روک کر بھرت سنگھ نے اس کے کرتے کی جیبوں کو چھوا تھا۔ کمر ٹٹول کر دیکھی تھی۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر بغلوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔ تب اسکو اندر جانے دیا تھا۔

بھرت سنگھ ہمیشہ اسکی اندر گرج پڑنے والے غصہ کی آواز سن لیتا ہے۔

کیا کریں دمانی صاحب، یہ حکم ہے۔ پھر آدمی کے بدلنے میں دیر لگتی ہے کیا۔؟

وہ جواب نہیں دیتا ہے اور اندر چلا جاتا ہے۔

بھرت سنگھ کو کوئی نیا آدمی، یا ایسا آدمی جو اس کو جانتا ہو دیکھ لے تو چونکے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بے حد گٹھے ہوئے بدن کا گینڈے کیطرح مضبوط آدمی ہے۔ جو چیز دیکھنے والے کو سب سے پہلے متوجہ کرتی ہے اس کی گردن ہے۔ قصہ یہ ہے کہ اس کی گردن ہے ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک بڑا سا سر اس کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا گیا ہو۔ دوسری حیرت انگیز چیز اسکی آنکھیں ہیں۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ،

ہمہ وقت داہنے بائیں ناچتی رہتی ہیں، گھڑی کے بنڈولم کی طرح کبھی داہنے کبھی بائیں وہ کسی جنگلی جانور کی طرح ہمیشہ چوکنہ رہتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو جنگلی جانوروں والی ساری خصوصیت اس میں موجود ہے۔ اس نے کتنے خون کئے ہیں خود اسکو معلوم نہیں۔ زبان سے زیادہ اس کا ہاتھ چلتا ہے اور ہاتھ سے زیادہ اسکی شہادت کی انگلی۔

اس کی انگلی کا کمال یہ ہے کہ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ وہ کسی اُڑتے پرندے پر، دوڑتے ہوئے، دونوں ہاتھ سے یکساں نشانہ سادھ سکتا ہے۔ بھاردواج اس کو بہت خاص خاص موقوں پر استعمال کرتا ہے۔ ورنہ وہ آزاد ہے چاہے جہاں رہے، ایسا اسلیئے ہے کہ اس کے نام کے درجنوں وارنٹ گھومتے رہتے ہیں۔ جب بھاردواج کو ضرورت پڑتی ہے تو وہ سہدیو کو ٹیلی فون کرتا ہے کہ بھرت سنگھ کو خبر کردے کہ وہ آج کسی وقت مجھ سے مل لے۔

ایک بھرت سنگھ ہی پر یہ مافیا سرداری نہیں چل رہی ہے۔ درجنوں ہیں اس جیسے اور سیکڑوں ہیں جو بظاہر ٹھیکے چلاتے ہیں مگر دراصل وہ بھاردواج کے آدمی ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ کسی کو بھی، یا ایک ساتھ تمام لوگوں کو استعمال کرسکتا ہے۔ پہلے پہل اسی نیت سے اس نے سہدیو کی بھی مدد کی تھی مگر اسکی ذہانت دیکھ کر اس کو یونین آفس میں لگا دیا۔

ایسا سمجھنا غلط ہوگا کہ بس ایک بھاردواج ہی مافیا سردار ہے۔ نہیں! بلکہ اور آدھا درجن مافیا کنگ ہیں۔ گوڈفادر ان لوگوں نے سارے کولفیلڈ کو کئی علاقوں میں بانٹ لیا ہے۔ یہ علاقہ بھاردواج کا، یہ چیندر جیت کا، یہ نارائن یادو کا، یہ علاقے دراصل ان کی ریاستیں ہیں۔ جن کے فروغ کیلئے یہ اکثر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ سازشیں کرتے ہیں، ایڈمنسٹریشن کو ان کے کالے کارناموں کی مخبری کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خاص آدمیوں کو "پھوڑنے" کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب اس میں کامیاب نہیں ہوتے تو پھر وہی ہولناک کھیل شروع ہوجاتا ہے ــــ موت کا کھیل۔ ۔ ۔ ۔

"اس نے ہمارے دو آدمی مارے ہیں، اس کے بدلے میں تین آدمی کو ختم کرو"!

"پانڈے جی کو گولی ماردی گئی ہے"!

"ٹھیک ہے ہدایت میاں کو غائب کردو"!

شطرنج کی بساط بچھی ہے۔ اور سب ایک دوسرے کے مُہرے مار رہے ہیں۔ ایک دلچسپ بات، مرنے والوں میں زیادہ تر مزدور ہوتے ہیں۔ غنڈے تو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہتے ہیں۔

"کون ہے بے ——"؟

وہ کسی کی آواز سن کر سر سے پاؤں تک لرز جاتا ہے۔ وہ کمزور اعصاب کا آدمی نہیں ہے۔ مگر رات کے اس پُراسرار سناٹے میں کہیں بھی موت اس کی منتظر مل سکتی ہے۔ اتنی دیر سے یہی سب کچھ تو وہ سوچتا بھی آرہا ہے۔ تو کیا آج وہ قاتل لمحہ آگیا ہے؟ کوئی شعلہ اگلتی پستول، کوئی کلیجے کو پھاڑتی ہوئی سیسے کی گولی، —— کوئی دلدوز چیخ....

وہ کئی لمحہ تک ساکت و سامت کھڑا رہا جیسے کسی انہونی کا انتظار کر رہا ہو۔ ان چند لمحوں نے اس کے دماغ کی رگوں کا سارا لہو نچوڑ لیا تھا۔ اس سرد رات میں، ٹھنڈی اور کپکپا دینے والی ہوا میں بھی اس کو پسینہ نکل آیا۔ جب چند لمحوں تک کوئی باہر نہیں آیا تو اس نے ڈرتے ڈرتے ادھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ وہ ایک بند دکان کا اوٹا تھا اور تقریباً اندھیرے میں وہاں ایک سایہ کھڑا تھا۔

سہدیو کو افسوس ہوا کہ اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ کم از کم ایک "سکس راونڈر" تو ضرور اسکے پاس ہونا چاہیئے تھا۔ اگر پستول اس کے پاس ہوتا تو وہ سینہ تان کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا مگر..........

سایہ چند قدم چل کر روشنی میں آیا۔ وہ کوئی بیکڑ تھا۔ اس کے ہاتھ میں بوتل تھی اور وہ لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ سہدیو نے اطمینان کی سانس لی۔ گو اب بھی وہ خائف تھا۔ سایہ اسکے نزدیک آگیا۔

"سالا لوگ اتنا پانی مِلاتا ھے کہ نشہ ہی نہیں ہوتا —— دکھو! پی کر دیکھو"...... وہ بوتل آگے بڑھاتا ہے —— سالا ایکدم پانی.... ... سالا پھوکٹ کا پیسہ لیتا ھے۔

سہدیو چلنے لگتا ہے۔ بیکڑ لڑکھڑا کر چند قدم اس کے ساتھ چلتا ہے۔

اے ! نہیں پئے گا ــــــ ؟ جاؤ سالا ماں کی . . . . .

گالی کھا کر بھی وہ نہیں رکتا ۔ تیز تیز چلنے لگتا ہے ــــ رات بہت ہو گئی ہے ۔ اسکو جلد گھر پہنچ جانا چاہیئے ۔ پرتی بالا ابھی تک جاگ رہی ہو گی ۔ اسکی عادت ہے یہ ــ بلکہ زیادہ تر عورتوں کی ، یہاں ، اس کولفیلڈ میں یہی عادت ھے ۔ شائد اسلئے کہ باہر کی دنیا ایک جنگل ہے ۔ خونخوار درندوں سے بھرا ہوا ۔ چنانچہ کوئی انجانہ ڈر ، کوئی بے نام خوف ہمیشہ بنا رہتا ھے ان کے دل میں ۔

ابھی وہ گھر سے کوئی سو قدم ہی رہ گیا تھا کہ اچانک ایک کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئی ۔ بجلی کی طرح ایک خیال اس کے دماغ میں گونجا کہ ہیڈ لائٹ کی تیز روشنی میں وہ پہچان لیا جائے گا ، پتہ نہیں کون لوگ ھیں ۔ دشمن بھی ہو سکتے ہیں ، وہ تیزی سے سڑک کنارے ڈھلان میں پیشاب کرنیکے بہانے بیٹھ گیا ۔

گاڑی آہستہ آہستہ کم رفتار سے چلی آ رہی تھی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو ۔ وہ چپ چاپ بیٹھا رہا ۔ گاڑی اس کے پاس سے گذرتی چلی گئی ۔

جب گاڑی کافی دور چلی گئی تو وہ جھپٹ کر اٹھا اور تیز قدموں سے چل کر اپنے کمپاونڈ میں داخل ہو گیا ۔

پرتی بالا جاگ رہی تھی ۔ شاید وہ انتظار کرتے کرتے اکتا گئی تھی ۔ اس لئے دروازہ کھولتے ہوئے بولی ۔

آج بہت رات کر دی ــــــ ؟

وہ کچھ اور بھی بولتی مگر سہدیو کا خائف چہرہ دیکھ کر ایکدم سے رک گئی ۔

کیا بات ہے ــــــ ؟

کچھ نہیں ــــــ ! تم نے کھانا کھا لیا ــــ ؟

نہیں تو ــــــ !

تو جاؤ کھا لو ، مجھے بھوک نہیں ھے ــ !

وہ مزید سوال و جواب کے لئے پرتی بالا کے پاس رکا نہیں ۔ چپ چاپ اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا ۔ پلنگ کے سرہانے چھوٹی الماری سے برانڈی کی

بوتل اٹھالی اور بوتل ہی سے منہ لگا کر سیال آگ اپنے جسم کے اندر انڈیلنے لگا۔ اس کا سارا اندر باھر ایک عجیب وغریب ٹھنڈ سے اکڑ گیا تھا۔

●

مسز سنالنی گھوش نے رفتہ رفتہ اپنے خوف پر قابو پایا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر انسپکٹر کو اندر آنے کیلئے راستہ چھوڑ دیا۔ انسپکٹر نے کمرے کے اندر آکر چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ ساری چیزیں بے حد سلیقے سے رکھی تھیں جیسے انہیں کوئی چھیڑنے والا نہ ہو۔ اس نے ایک بات اور شدت سے محسوس کی کہ کمرے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو مردوں کے استعمال کی ہو۔ ایک اکیلی ویران زندگی کا سارا سونا پن کمرے میں بکھرا پڑا تھا۔

آپ یہاں تنہا رہتی ھیں ــــــــ؟

جی۔۔۔جی ہاں ــــــ!

آپ شائد کسی اسکول میں ٹیچر ہیں ــــــ؟

جی ہاں ــــــ! یہیں کولیری کے پرائمری اسکول میں پڑھاتی ہوں کوئی گیارہ برس سے "۔ جب سے میرے شوہر کا انتقال ہوا " ــــــ!

وہ ذرا سا رکی انسپکٹر کے فکر مند مگر ٹھنڈے چہرے کو دیکھا پھر بولی۔

" کیا آپ اسی سلسلے میں آئے ہیں "؟

انسپکٹر نے ایکدم سے چونک کر اسکی طرف دیکھا۔

" کس سلسلے میں " ــــــ؟

میرے ھسبینڈ کی موت کے سلسلے میں، ان کی موت نیچرل نہیں تھی، ان کا مرڈر ہوا تھا۔

اچھا " ــــــ!

انسپکٹر نے دلچسپی سے اسکی طرف دیکھا۔

"جی ہاں کچھ نامعلوم آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کولفیلڈ میں جب کہیں قتل کی واردات ہوتی ہے تو قتل کا الزام انہیں پر جاتا ہے۔ آخر یہ نامعلوم لوگ کون ہیں۔؟ کیا انہیں کوئی نہیں جانتا ــــــ؟؟"

انسپکٹر مسکرایا ــــــ

"سب جانتے ہیں۔ ہمیں بھی کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے کہ قتل کس نے کیا ہے۔ مگر ہم لوگوں کے ساتھ سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ہمارا کام صرف مجرموں کو پکڑنا نہیں ہوتا۔ ہمیں عدالت میں یہ بھی ثابت کرنا پڑتا ہے کہ ملزم واقعی خونی ہے۔ اور یہی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سب کیا دھرا خاک ہو جاتا ہے۔ قاتلوں کے ڈر سے کوئی چشم دید گواہ نہیں ملتا، حالانکہ دیکھا بہتوں نے ہوتا ہے۔"!

جی ہاں ــــــ! میرے شوہر کے قاتلوں کو بھی بہتوں نے دیکھا تھا۔ اس وقت شام کے صرف چھ بجے تھے چوک کی چائے کی دکانوں پر بیسیوں آدمی موجود تھے۔ خود میرے کوارٹر کے آس پاس کتنے ہی آدمی گھوم رہے تھے۔ مگر بعد میں جب پولیس آئی تو کوئی نہیں ملا۔ اتنی بڑی آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو کہہ سکتا کہ میں نے کچھ دیکھا ہے۔"

انسپکٹر ہنسا ــــــ

یہی ہوتا ہے۔ ہم ایک ایک کیس پر مہینوں سر کھپاتے ہیں، جگہ جگہ سے ثبوت ڈھونڈتے ہیں، گواہیاں تلاش کرتے ہیں، مگر ہوتا کیا ہے ــــــ؟ کچھ بھی نہیں! اب اسی کو دیکھئے نا کہ میں ایک کیس کے سلسلے میں آپ سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، آپ ٹھیک ٹھیک کچھ بتلائیں گی مجھے تو امید نہیں ہے۔"!

انسپکٹر بڑا کائیاں ہے۔ اسکو اسی کی باتوں سے گھیر رہا ہے بنانی گھبرائی۔

وہ کیا پوچھے گا ــــــ؟

انسپکٹر نے رک کر گلا صاف کیا، اسکی طرف گہری نظروں سے دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ کل ایریا ٹو میں ایک قتل ہوگیا ہے۔ قیاس ہے کہ یہ قتل بھرت سنگھ نے کیا ہے۔ آپ بھرت سنگھ کو جانتی ہیں ؟

نام تو ضرور سُنا ہے۔ اس علاقے کا تو مشہور آدمی ہے۔ ویسے دیکھا نہیں ہے۔

وہ کسی ٹریڈ یونین کا غنڈہ ہے جسے یہاں کی زبان میں پہلوان کہا جاتا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں اس طرح کے کیس کولفیلڈ میں عام ہیں۔ آج اس لیڈر کا پہلوان مارا گیا، کل اس کا۔ کوئلے کی اس کالی دنیا کا یہ کھیل ہے۔ طاقت کا کھیل۔ ۔ ۔ ۔ اقتدار کا کھیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں تو کہتی ہوں یہ مافیا گروہ کا کھیل ہے۔ تعجب ہے اتنی بڑی حکومت کی مشنری ہے اور ایک مافیا گروہ کو ختم نہیں کر سکتی۔

انسپکٹر تلخی سے ہنسا ـــــــ

معاف کیجئے گا نئے ہونے کے باوجود میں جانتا ہوں کہ مافیا گروہ ایک نہیں ہے۔ انیکوں مافیا گروہ ہوں اور انیکوں پہلوان۔ اب اسی بھرت سنگھ کو لیجئے۔ اس پر درجنوں خون کے الزام ہیں۔ پچھلے پانچ برسوں سے اس نے کولفیلڈ میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ دھام پور کولیری میں اس نے ایک ساتھ تین آدمیوں کو گولی مار دی تھی۔

بہر حال اس سلسلہ میں میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں ـــ ؟

قصہ یوں ہے ـــــــ انسپکٹر رازداری سے بولا۔ بھرت سنگھ کے کمرے سے جو کاغذات ملے ہیں۔ اس میں آپ کا بھی نام ہے ـــــــ "!

میرا نام ـــــــ ؟

وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اسکی زندگی میں کہیں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ بیوگی کا سارا راستہ اس نے اکیلے طے کیا تھا۔

میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نے آج تک اسکو دیکھا بھی نہیں ہے۔

انسپکٹر نے اسکو گہری نظروں سے دیکھا۔

آپ یاد کیجئے۔ بھرت سنگھ، شاید دور نزدیک کا کوئی رشتہ دار، یا کوئی ایسا آدمی جس نے کبھی آپ سے قرض لیا ہو۔ . . . . .

ہماری رشتہ داری کسی غیر بنگالی سے کیسے ہو سکتی ہے۔ رہ گئی قرض کی بات تو میں کسی سے لین دین نہیں کرتی۔

انسپکٹر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا

دیکھئے مسز گھوش! قانون کی مدد کرنا آپ کا فرض ہے۔ آپ ہماری مدد کریں گی تو قاتل کو پکڑنا آسان ہو جائے گا۔ آپ ایک بار پھر سوچ کر دیکھئے کیونکہ جس کاغذ میں آپ کا نام پتہ لکھا ہوا ملا ہے اسی میں سو روپے کا ایک نوٹ بھی لپٹا ہوا تھا۔

" میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں انسپکٹر میں اسے بالکل نہیں جانتی۔ اگر مجھے کچھ بھی معلوم ہوتا تو میں ضرور بتاتی "!

" بہر حال ـــــ انسپکٹر نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ اسے اگر آپ دیکھ لیں تو ضرور پہچان جائیں گی "!

یہ کہہ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور ایک تصویر سنانی کے سامنے ڈالدی ـــــ

" غور سے دیکھئے شاید آپ کو یاد آجائے۔ میں جب تک چائے پی لوں "!

اس نے تپائی پر پڑی چائے کی پیالی کو دیکھکر کہا جسکو جمنا نہ جانے کب لاکر رکھ گئی تھی۔

اس نے تصویر کو دیکھا اور ایک دم سے سہم گئی۔ یہ ایک کوتاہ گردن شخص کی تصویر تھی۔

یہ تو . . . . یہ تو . . . . اس کے اندر کوئی چیخا۔

نہیں ـــــ ایک بار پھر سنانی نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی ـــــ میں اسے نہیں جانتی "!

انسپکٹر کا چہرہ غصّہ سے تمتما اٹھا ـــــــ دیکھئے مسز گھوش! پولیس کو ایسے سارے ہتھکنڈے معلوم ہیں جس سے وہ سچ اگلوالے مگر میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ میں آپ کو تھوڑا اور وقت دیتا ہوں، ٹھیک سے سوچ لیں۔

اسکے ہاتھوں میں تصویر پڑی ہے اسی لڑکے سنت لال کی۔ مگر اب وہ ایک پورے مرد میں بدل چکا ہے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں، گول چہرہ، اور بغیر گردن کا سر! اس کے اندر کے ویرانے میں بگولے سے اٹھنے لگے ہیں۔ آندھیاں سی چلنے لگی ہیں.... ... سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کر بکھرنے لگا ہے۔ اس نے شدت سے محسوس کیا جیسے اسکے پیروں کے نیچے زمین دھیرے دھیرے کانپنے لگی ہے۔

وہ اسکول سے لوٹی ہے۔ اس کے کوارٹر کے برآمدے میں ایک لڑکا پڑا بے خبر سو رہا ہے۔ ننگے فرش پر، وہ اُسے جگاتی ہے، نہیں جاگتا۔ ہاتھ لگاتی ہے تو ایک طرف لڑھک جاتا ہے۔ بخار کی شدت سے بے ہوش ہو چکا ہے۔ وہ نوکرانی جمنا کو آواز دیتی ہے۔ ایک راہ گیر اور نوکرانی کی مدد سے اسے اندر لے آتی ہے۔ ڈاکٹر بلواتی ہے۔ دوا... انجکشن...... لڑکا ویسے ہی بے سُدھ پڑا ہے۔ ڈاکٹر بھی فکرمند ہے۔ اگر یہ بے ہوشی ہائی ٹمپریچر کی وجہ سے ہے تو کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر کوئی نیورولوجیکل گڑبڑ ہوئی تو پھر مشکل ہوگی۔

باہر رات کی چپ پھیلی ہے۔ کہیں کوئی آواز نہیں۔ کتے بھی نہیں بھونکتے۔ ہوا بھی ساکت ہے۔ درخت کی شاخوں نے بھی چپّی سادھ رکھی ہے۔ وہ کرسی اس کے بستر کے پاس کھینچ کر بیٹھی ہے۔ ایک دم چپ، بت کی طرح...... وقت آہستہ آہستہ گزر رہا ہے...... لڑکے کی ادھ کھلی آنکھوں کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ ہونٹ سوکھ گئے ہیں۔ اور بخار کی شدت سے سانولا چہرہ سُرخ ہو گیا ہے۔ اچانک وہ چہرہ چھوٹا ہونے لگتا ہے، بالکل نوزائیدہ بچے کی طرح چھوٹا اور سُرخ ـــــــ اسکے اپنے بچے کی طرح۔ جو صرف دو دن جی کر مر گیا تھا۔

صبح لڑکے کا بخار اتر جاتا ہے۔ پہلے اس کو، اپنے آپ کو دوسرے کے گھر میں دیکھکر

حیرت ہوتی ہے۔ پھر اسکا ہاتھ پکڑ کر رد نے لگتا ہے۔ وہ پیار سے اسکی پشت پر ہاتھ پھیرتی ہے تو لڑ کا تڑپ اٹھتا ہے۔ اور جب وہ اسکی قمیص سر کا کر دیکھتی ہے تو حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ ساری پیٹھ پھٹی ہوئی ہے۔ لاٹھی کی مار کے نشان صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ لمبی لمبی دھاریاں، سوجی ہوئی، سیاہی مائل، وہ ایک دم سے چونک اٹھتی ہے۔

تم کو کس نے مارا ہے ــــ ؟

لڑکا جواب نہیں دیتا صرف روتا ہے، اسکے بار بار پوچھنے پر بھی کچھ نہیں بولتا۔ رو کر چپ ہوتا ہے تو بڑی دیر تک اسکو احسان مند نظروں سے دیکھتا رہتا ہے۔

ایک ہفتہ میں وہ بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مگر بے حد کمزور، لگتا ہے مہنوں بیمار رہ کر اٹھا ہے ــــ وہ اس سے جاننا چاہتی ہے کہ وہ کون ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے ــ؟ اسکے ماں باپ بھائی بہن ہیں کہ نہیں ــ؟ مگر وہ کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیتا۔ صرف چپ رہتا ہے۔ سوچتا رہتا ہے، زیادہ کُرید نے پر جھلّا نے لگتا ہے۔

وہ اور اسکی نوکرانی جمنی، بس یہی دو آدمی اس کوارٹر میں رہتے ہیں۔ جب سے لڑکا آیا ہے نوکرانی اسی کے کمرے میں سوتی ہے اور لڑکا جمنی کے کمرے میں۔ سنالنی سارا دن اسکول میں رہتی ہے۔ جمنی سارا دن گھر کے انتظام میں لگی رہتی ہے۔ اور لڑکا سارا دن اس کمرے سے اس کمرے میں ٹہلتا رہتا ہے۔ باہر نہیں نکلتا۔ شائد اسکے دل میں کوئی ڈر بیٹھ گیا ہے۔

ایک دن اسکول سے لوٹتی ہے تو دیکھتی ہے جمنی بہت بری طرح گھبرائی ہوئی ہے۔ اسکو اکیلے پاکر پھُسپھُسا کر بتاتی ہے۔

دیدی مُنی! سمنت لال جو ہے نا اسکے پاس پستول ہے ـــ!

سنالنی کو حیرت ہوتی ہے۔ ڈر بھی لگتا ہے۔ چنانچہ رات کو سونے سے پہلے اسکو بلواتی ہے۔

تم ایک بات سچ سچ بتاؤ گے ــــ ؟

وہ چپ کا رہتا ہے!

تمہارے پاس پستول ہے ـــــ ؟

وہ چونک کر سنالنی کو دیکھتا ہے، پھر سر جھکا لیتا ہے، سنالنی غصہ ہو گئی۔

"تم کون ہو ـــــ ؟ کیا ہو ـــــ ؟ یہ پستول تمہارے پاس کیسا ہے؟ تم آج سب کچھ ٹھیک بتاؤ ورنہ میں پولیس کو خبر کرتی ہوں ـــ!

وہ سر اٹھا کر بے حد معصوم نظروں سے اسکو دیکھتا ہے۔ بہت دیر تک چپ رہتا ہے، پھر رُک رُک کر اُس آگ کو اُگل دیتا ہے جو اسکا سب کچھ جلائے ڈال رہی ہے۔

سنت لال یہاں سے کوئی بیس میل دور دھام پور کولیری میں رہتا تھا۔ اپنی ماں اور بہن کے ساتھ، باپ مر چکا تھا، ماں کولیری میں نوکر تھی، بہت جوان اور اپنے بھرے بدن کی وجہ سے کافی جاذب نظر تھی۔ ادر تو کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا مگر دو پہلوان تھے جو اکثر رات کو اس کے کوارٹر میں آدھمکتے، اسکو اور اسکی ماں کو باھر برآمدے میں نکال کر خود کوٹھری میں گھس جاتے۔ انہوں نے اسکی ماں کو دھمکا رکھا تھا کہ اگر ذرا بھی چوں چپڑ کی تو وہ سنتا کو جان سے ماردینگے ماں ان سے بے طرح ڈرتی تھی۔ ان کو دیکھ کر ہی اس کا دم نکلتا تھا۔ جب وہ کوٹھری میں ہوتے ماں سنتا کو تن سے چمٹائے رہتی۔ اس کا بدن تھر تھر کانپتا رہتا۔ اندر سے گالیوں کی آواز آتی اور اسکی بہن کی سسکیوں کی، اور کبھی کبھی رونے کی......

جب وہ چلے جاتے تو گھر میں سناٹا چھا جاتا۔ اندر دیدی مُردے کیطرح پڑی رہتی۔ دو تین شراب کی خالی بوتلیں فرش پر لڑھکی رہتیں۔ ماں چُپ چاپ مُردہ کی طرح اپنے بستر پر پڑی رہتی۔ اس رات کوئی نہیں سوتا۔ نہ وہ، نہ اسکی ماں، نہ اس کی بہن۔

یہ سلسلہ بہت دن چلتا رہا۔ سب لوگ جانتے تھے۔ آس پاس کے کوارٹروں کے سارے لوگوں کو معلوم تھا مگر کسی میں ہمت نہیں تھی۔ وہ پہلوان

تھے، غنڈے تھے، کس کی شامت آئی تھی جو کچھ بولتا۔ ان کا تو روز کا یہی دھندہ تھا۔ کسی کو جان سے مار دینا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ سب دیکھ کر بھی اَن دیکھا کر دیتے۔ ماں اس دُکھ میں گھُل گھُل کر مر گئی۔ ماں کے مرنے کے بعد تو ان کی اور بن آئی۔ اب وہ جب جی چاہتا بے دھڑک چلے آتے۔ سنت لال کو کھینچ کر برآمدے میں دھکیل دیتے۔ اب سنت لال اکیلا ہوتا۔ اور اندر ہی اندر کھولتا رہتا ۔ ۔ ۔ ۔ سُلگتا رہتا۔

آخر ایک رات وہ کوٹھری میں گھُسا اور نشے میں دُھت ایک پہلوان کی پستول نکال کر چھپا دی۔ پہلوانوں کا نشہ کم ہوا اور پستول کو غائب پایا تو بوکھلا گئے۔ پہلے تو اسکی بہن کو بری طرح پیٹا پھر اسکو گھسیٹ کر کوٹھری کے اندر لے گئے ۔ تھپڑوں سے مارنا شروع کیا پھر ایک چھوٹے ڈنڈے سے دُھنک کر رکھ دیا۔ اس وقت تک مارتے رہے جب تک وہ گر نہیں گیا۔ پھر اسکی بہن کو گالیاں دیتے اور پستول ڈھونڈ کر رکھنے کو کہکر چلے گئے۔

اسی صبح کو وہ پستول لیکر بھاگ نکلا۔ دو دنوں تک جہاں تہاں بھٹکتا رہا اور آخر جب بخار، بھوک اور چوٹ کی تکلیف سے بے حال ہو گیا تو اس کے برآمدے میں لیٹ گیا۔

سنالنی سوچتی رہی کہ یہ کس دَور کی کہانی ہے۔ کیا یہ اسی بیسویں صدی کا واقعہ ہے۔ جب آدمی چاند پر اتر گیا ہے۔ وہ ساری تہذیب، وہ سارا قانون، وہ ساری انسانیت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ کیا آج بھی ہم وہی غاروں میں رہنے والے وحشی ہیں ـــــ ؟ یا شاید ان سے بھی بدتر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بڑی دیر بعد سنالنی اس سے بولی تھی۔

تم یہ پستول پھینک دو اور گھر لوٹ جاؤ۔ یا پھر اس ظلم کے خلاف پولیس میں خبر کرو۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اٹھکر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرے دن وہ اسکول سے لوٹی تو معلوم ہوا کہ سنت لال کہیں چلا گیا ہے۔

گھر کی ساری چیزیں جوں کی توں تھیں البتہ اسکی تنخواہ میں سے جو اس نے کل ہی لا کر رکھے تھے ایک سو روپیہ غائب تھا۔

غالباً اب تک آپ کو یاد آ گیا ہوگا ______ انسپکٹر نے چائے ختم کر کے پیالی رکھتے ہوئے پوچھا۔

سنالنی چونکی، دم بھر کو سوچا پھر بڑے اعتماد سے بولی۔

نہیں میں اس آدمی کو نہیں جانتی ___ !

●

انسپکٹر نے سیدھے سیدھے پوچھا۔

بھرت سنگھ کہاں ہے ___ ؟

کون بھرت سنگھ ___ ؟

آپ نہیں جانتے ___ ؟

انسپکٹر نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ بیگ سے ایک فوٹو نکال کر اسکے سامنے ٹیبل پر ڈال دی۔ یہ ایک کوتاہ گردن آدمی کی تصویر تھی۔ سہدیو کو پہچانتے دیر نہیں لگی۔ اس نے نظر اٹھا کر انسپکٹر کو دیکھا۔

سب کچھ کھڑے کھڑے ہی پوچھ لیجئے گا یا بیٹھئے گا بھی۔

انسپکٹر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

آخر بات کیا ہے ___ ؟ بھرت سنگھ کو کیوں کھوجا جا رہا ہے۔

آپ کو معلوم نہیں ___ ؟ کل ایریا ٹو میں ایک مرڈر ہوا ہے ۔ ؟ ؟

وہ تو مجھے معلوم ہے۔ کل کے اخبار میں بھی تھا۔

اسی سلسلے میں بھرت سنگھ کی تلاش ہے ___ !

تو کیا یہ خون اسی نے کیا ہے ___ ؟

اسکے علاوہ اور کس میں ہمت تھی۔ دن دہاڑے کسی پر ہاتھ ڈالنے کی۔!

سہدیو بہت زور سے ہنسا ——،

تب آپ کو پتہ نہیں ہے کہ اس لنکا میں ہر آدمی باون ہاتھ کا ہے۔

ویسے بچارے اونٹ کی گردن تو لمبی ہے ہی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایف آئی آر میں کیا لکھئے گا —— ؟ کوئی ثبوت، یا کم از کم کوئی ایسی شہادت تو ہونی چاہیئے کسی پر الزام لگانے کے لئے۔

واردات سے دو گھنٹہ پہلے اسکو بھارڈیہہ کولیری میں دیکھا گیا تھا۔ صرف آدھ گھنٹہ پہلے اسکو مقتول سے بات چیت کرتے بھی دیکھا گیا تھا۔ کیا یہ سب کافی نہیں ہے —— ؟

سہدیو نے سنتا باوری کو آواز دی جو آفس سے باہر ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا تھا۔

چائے بھیجو۔ اور ایک پاکٹ سگریٹ بھی لے لینا" پھر وہ انسپکٹر کی طرف مخاطب ہوا۔ "کون سا برانڈ" ؟

دیکھئے تکلف کی ضرورت نہیں۔

پھر بھی آپ ہمارے آفس آئے ہیں تو کچھ خاطر کرنی ہی ہے۔

دیکھئے میری خاطر تو یہی ہوگی کہ اس کیس کے سلسلے میں آپ میری مدد کریں۔ میں نے سُنا ہے کہ وہ دلت مزدور سنگھ کیلئے ہی کام کرتا ہے۔

بھائی! یہ سب تو پارٹی کو بدنام کرنے کے لئے اڑایا جاتا ہے۔

ہماری پارٹی مزدوروں کی پارٹی ہے اس میں ایسے غنڈوں کا کیا کام۔

سب ایسے ہی کہتے ہیں! مگر اس کولفیلڈ میں کون سادھو ہے اور کون شیطان کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔

سہدیو بڑے زور سے ہنسا "آپ شاید نئے نئے آئے ہیں۔

اتنا نیا بھی نہیں ہوں۔

بھائی جو لوگ بہت پرانے ہو گئے ہیں ان کو بھی آج تک پتہ نہیں چلتا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ خیر بہت نئے نہیں تو بہت پرانے بھی نہیں ہیں۔

میری مانئے تو فائنل رپورٹ کر دیجئے۔ کچھ آپ کا بھی بھلا ہو جائے گا۔

انسپکٹر چمکا ــــ آپ مجھے رشوت دینا چاہتے ہیں "؟

کیا آپ نہیں لیتے ــــ؟ سہدیو کے لہجے میں تمسخر تھا۔

دیکھئے آپ مجھے دوسرے انسپکٹروں کی طرح مت سمجھئے۔ میں رانچی میں تھا تو کرائم کرنے والوں کی پتلون ڈھیلی کر دی تھی "!

" یہ جو کوئلے کی کانوں کا علاقہ ہے یہ دراصل نمک کی ایک بڑی کان ہے۔ اس میں جو چیز ڈال دیجئے، سب نمک ہو جائے گی۔ بڑے بڑے مہارتی آئے اور یہاں کی کالک سے اپنے ہاتھ گندہ کر کے چلے گئے۔ یہاں لوگ زندگی بنانے کیلئے آتے ہیں، نام کمانے کیلئے نہیں، نام کو یہاں کون پوچھتا ہے!

" یہ بحث مباحثہ تو چھوڑیئے، مجھے بھرت سنگھ کا پتہ بتایئے "!

" مجھے بھرت سنگھ کا پتہ معلوم نہیں، اگر معلوم ہوتا اور میں بتا بھی دیتا تب بھی آپ اسکو گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر گرفتار کر بھی لیتے تو اس کو سزا دلوانا اتنا آسان نہیں ہوتا "!

" کیوں ــــ "؟

" کیونکہ ــــ ایسے لوگوں کے ریڑھ کی ہڈی بہت مضبوط ہوتی ہے "!

" کیا مطلب "؟

" مطلب بھی سمجھ جایئے گا۔ کچھ دن انتظار کیجئے۔ یہ کولفیلڈ بہت عجیب جگہ ہے۔

انسپکٹر کسی قدر برافروختہ ہو گیا تھا۔ بولا۔

" میں جانتا ہوں آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے، لیکن ایک بات یاد رکھئے، قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ کبھی نہ کبھی اس تک پہنچ ہی جائیں گے "!

" کبھی نہ کبھی " کو یہاں کوئی نہیں مانتا۔ یہاں اس قماش کے لوگوں کو ہر دن کا نکلنے والا سورج ایک نیا جنم دیتا ہے۔ موت ہمہ وقت ان کے سروں پر

منڈلاتی رہتی ہے۔ اسلئے قانون کی بات وہ سوچتے بھی نہیں، قانون سے ڈرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور سچ پوچھئے تو جتنا قانون ہے وہ ہم سب شریف آدمیوں کیلئے ہے۔ ان کے لئے تو بس اُن کا اپنا قانون ہی ہے"!

انسپکٹر تلملایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ چائے کی پیالی اٹھالی اور دھیرے دھیرے چائے پینے لگا۔ تھوڑی دیر میں اپنے رُوئیے کو دوستانہ اور لہجے کو کسی قدر نرم کر کے بولا۔

یہ بات آپنے ٹھیک کہی کہ کولفیلڈ بہت عجیب جگہ ہے۔ میں نے اپنی بیس سال کی سروس میں کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھی جہاں دن دہاڑے قتل ہوتے ہیں، جس کو سو پچاس آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں مگر گواہی دینے پر ایک بھی راضی نہیں ہوتا۔ حالانکہ قانون ان کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ اس کو اس آتنک سے بچانا چاہتا ہے۔ ان کی حفاظت کرنا چاہتا ہے"!

"قصہ یہ ہے انسپکٹر صاحب کہ یہاں صرف ایک قانون چلتا ہے۔ صرف طاقت کا قانون . . . . . . یہ طاقت کتنی ہے، اسکا آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتے یہاں ایس۔پی اور ڈی۔ ایس۔ پی کا تبادلہ تین دن میں کروا دیا جاتا ہے۔ تھانہ یہاں صرف اتنا معلوم کرتا ہے، ـــــ کس کا آدمی ہے"؟ جواب میں اگر اس سے جُڑا ہوا کوئی بڑا نام ہے تو بات وہیں ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی بڑا نام اس کے پیچھے نہیں تو پھر ساری کاروائی پوری کی جاتی ہے اور ایک کیس کورٹ بھیج دیا جاتا ہے"!

"مسٹر سہدیو! یہ صورتِ حال شرمناک نہیں"؟

یقیناً ہے مگر آپ جیسے ایماندار افسر کتنے ہیں۔ یہاں تو سارا آوے کا آوا ایسڑھا ہے۔ اگر آپ اسی طرح انکواری کرتے رہے تو یہاں کتنے دن ٹِک سکیں گا۔ خود تھانہ آپکے خلاف ہو جائے گا"!

"انسپکٹر نے بڑے اعتماد سے کہا ـــــ میں اپنا کام اپنے ڈھنگ سے کرونگا سہدیو صاحب! میرا تبادلہ ہو جائے یا تھانہ میرے خلاف صف آرا ہو"

"Wish you a good luck Then ـــــــ سہدیو مسکرایا

Thank you Mr. Sahdeo!"

تھوڑا سا رک کر انسپکٹر سہدیو سے بولا ۔

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ آپ بھرت سنگھ کا پتہ مجھے نہیں بتائیں گے ۔ لیکن ایک بات پوچھوں ـــــ ؟ بتائیے گا ـــــ ؟؟

جو مجھے معلوم ہو گا ، ضرور بتاؤں گا ۔

یہاں ایک اسکول ٹیچر ہے ، سنالنی گھوش ، آپ جانتے ہیں اسکو ـــــ ؟

جی ہاں جانتا ہوں ! اچھی پڑھی لکھی عورت ہے ۔

اس کا بھرت سنگھ سے کیا تعلق ہے ـــــ ؟

بھرت سنگھ کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ـــــ ؟

" قصہ یہ ہے کہ ایک چھاپے میں بھرت سنگھ کے گھر سے کاغذ میں لپٹا ہوا ایک سو روپیہ کا نوٹ ملا ہے ۔ جس کاغذ میں وہ نوٹ لپٹا ہوا تھا اس میں سنالنی گھوش کا نام اور پتہ لکھا ہوا ہے " !

" نہیں یہ ناممکن ہے ! سنالنی جھارکھنڈ کے لئے کام کرتی ہے ہلکے پھلکے کام ـــــ اس کا کبھی کوئی تعلق بھرت سنگھ سے نہیں ہو سکتا ۔ پھر دونوں کی عمر میں ماں بیٹے کا فرق ہے " !

" میں کسی ناجائز تعلق کی بات نہیں کر رہا تھا ! بلکہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا اس کا بھی کولفیلڈ میں ہونے والے جرائم سے کوئی تعلق ہے " ـــــ ؟

" یہ میں نہیں بتا سکتا ۔ کوئی معاملہ میری جانکاری میں ایسا نہیں ہے ۔ کہ اس پر اس طرح کا شک کیا جا سکے ۔ البتہ اتنی بات بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ وہ لال جھنڈا والوں کے لئے بھی کچھ کام کیا کرتی ہے ۔ بلکہ کام بھی نہیں بلکہ مورل اسپورٹ ..... !

صبح ناشتہ لئے بغیر نکلا تھا اور اب دھوپ ڈھل رہی تھی ۔ کولفیلڈ کی مخصوص کالی دھول اسکی گردن ، چہرے اور ہاتھ پر جم گئی تھی اور کچھ ہاتھ بھی نہ لگا تھا ۔ سارے سوال جواب سے ایک ہی بات ظاہر ہو رہی تھی کہ یہاں اس طرح کی پوچھ تاچھ سے کوئی فائدہ نہیں ۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ ان مجرموں کے خلاف ایک لفظ بھی ادا کر سکے ـــــ اس نے ٹیبل سے بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑا ہوا ۔

"اچھا مسٹر سہدیو چلتا ہوں ۔"!

"کبھی آیئے تو ضرور ملیئے ۔ ہم لوگ سیوا کے لئے حاضر ہیں ۔ حالانکہ ایریا تو ہمارا ایریا نہیں ہے ۔"!

انسپکٹر چونک کر رکا ۔"ہمارا ایریا سے مطلب ۔"؟

سہدیو بہت زور سے ہنسا ۔۔۔ سب ایک روز پوچھ لیجئے گا ۔۔۔؟ چار چھ مہینہ اور ہونے دیجئے آپ کو کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی ۔

اپنے آفس پہنچ کر انسپکٹر پنچ نے بیلٹ کھول کر ہینگر پر ٹانگ دیا بیلٹ سے پستول نکال کر دراز میں رکھا پھر وردی کے بٹن کھولے اور سفید رومال نکال کر گردن اور چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا ۔ ساتھ ہی اس نے حوالدار گوپال رام کو آواز دی ۔

"یار کچھ چائے پانی تو لاؤ ۔۔! بہت بھوک لگی ہے ۔"۔۔!

وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیتا ہے ۔۔۔ کیسی دنیا ہے یہ ۔۔؟ ایک خون یہاں ہوتا ہے ، ایک کتراس میں ۔۔ پھر خبر ملتی ہے نرسا میں ایک آدمی مارا گیا ۔۔۔،، پھر معلوم ہوتا ہے ، دھنسار کولیری میں کچھ نامعلوم آدمیوں نے کسی کو گولی مار دی ۔۔۔ یہ کیسا کھیل ہے رہا ہے ۔۔؟ رام ادھین ، برکت میاں ، عبدل انصاری ، چاس بنرجی ، لکھنا باوری ۔۔۔۔۔۔۔۔ ناموں کی لمبی فہرست سے سجی ہیں یہ فائلیں ۔۔ خون کے چھینٹوں سے لال پڑتی یہ فائلیں دن پر دن بڑھتی جاتی ہیں ۔ اگر یہاں سرچ کیا جائے تو ہر پانچویں آدمی کے پاس ریوالور نکل آئے گا ۔۔۔۔۔۔ لا اینڈ آرڈر کی بات کرو تو لوگ مسکراتے ہیں ۔۔۔۔ کسی کو پولیس کے تحفظ کا یقین دلاؤ تو وہ حیرت اور بے اعتباری سے دیکھتا ہے ۔ گاڈ فادروں کی اس دنیا میں کسی کی حکومت نہیں ، بس طاقت کا راج ہے ۔۔۔۔۔۔

آہٹ پا آنکھ کھول کر دیکھتا ہے ۔۔۔ دوبے ہے ۔۔"!

دوبے کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتا ہے ۔

کہئے کچھ پتہ چلا ۔۔۔؟

نہیں ـــــ!

"آپ تو بیکار ہی پتھر میں جونک لگاتے پھر رہے ہیں۔ یہاں جتنی انکوائری ہوتی ہے وہ تھانے میں بیٹھے بیٹھے ہوتی ہے، صرف کاغذ پر، ـــــ سائٹ پر تو آدمی دل بدل لیکر صرف یہ دکھانے جاتا ہے کہ ہم بھی یہاں ہیں ـــــ وہ ہنسا یا یہ بتانے کہ ہمارا حصہ محفوظ رکھنا "ـــــ!

انسپکٹر منج کچھ تلخ بول جاتا۔ مگر آج دن بھر کی بے نیل و مرام دوڑ دھوپ نے اسے کسی قدر بد دل کر دیا تھا۔ اسی لئے چپ رہ گیا۔ دوبے بولتا گیا ـــــ یہاں کے لوگ ہم لوگوں سے ذرا سا تعاون نہیں کرتے پھر ہمیں کیا ضرورت ہے خطرہ اٹھانیکی۔ ہم بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ جاؤ سالو مرو، ہمیں کیا "ـــــ!

دُوبے دس سال سے کولفیلڈ میں تھے۔ بدلی ہوتی بھی ہے تو اسی کولفیلڈ کے دوسرے تھانوں میں۔ لوگ کہتے ہیں کہ "اوپر" اس کے لوگ ہیں۔ حالانکہ سچ بات یہ نہیں ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ گاڈ فادروں سے بنا کر رکھتا ہے جو چاہیں تو اُسے "لائین حاضر" کروا دیں۔ اس کیلئے اسکو زیادہ کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ صرف آنکھوں اور کان کو بند رکھنا پڑتا ہے .... کچھ مت دیکھو اور کچھ مت سنو .... اور اگر کچھ دیکھو سنو بھی تو مُنھ بند رکھو۔

حوالدار چائے لیکر آگیا تھا۔ دونوں چائے پینے لگے ـــــ انسپکٹر منج بولا۔

"وہ اسکول کی ماسٹرنی ضرور کچھ نہ کچھ جانتی تھی بھرت سنگھ کے بارے میں۔ میں نے فوٹو اسکو دکھایا تو اس کے چہرے سے صاف پتا چلتا تھا کہ وہ اس آدمی کو پہچانتی ہے۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔"

یہی تو بات ہے منج صاحب! جانتے سب سالے ہیں، مگر بتائیگا کوئی نہیں۔ اور یہ اچھا ہی ہے۔ کیوں کہ اگر وہ بتا بھی دے، پولیس کو بھرپور تعاون بھی دے، تو پولیس اسکی سیکورٹی کا کیا کرے گی ـــــ؟ اور پھر ہم پولیس والوں کی سیکورٹی بھی کیا ہے ـــــ؟ آپ ایک کیس پکڑتے ہیں۔ پہلے آپ کو رشوت دی جاتی ہے، آپ انکار کر دیتے ہیں۔ پھر آپ پر "اوپر" سے دباؤ ڈالا جاتا ہے ـــــ تب بھی آپ نہیں مانتے۔ تب ہوتا یہ ہیکہ

سیکڑوں میل دور آپ کے گھر میں ڈاکہ پڑ جاتا ہے۔ ممکن ہے ایک دو کی جان بھی چلی جائے۔ آپ جانتے ہیں یہ ڈاکہ کون ڈلوائے گا ــــ؟ بھائی! یہ لوگ بڑ لمبا کھیل کھیلتے ہیں۔ یہ "جو۔ کنگ" بنے ہوئے ہیں تو ایسے ہی تو نہیں۔ پچاس پچاس ڈمپر چلتے ہیں ان کے۔ بڑے بڑے ٹھیکے دوسرے ناموں سے چلاتے ہیں۔ جوئے خانے ان کے اپنے ہیں۔ شراب کی بڑی بڑی دکانیں انہیں کی ہیں۔ کتنا پیسہ آتا ہے کوئی حساب نہیں۔ ــ اور پہنچ ــــ؟ بڑے بڑے جعلدری لیڈروں کے علاوہ سینٹر کے آقاؤں کا ہاتھ ان کے سر پر ہے۔ کوئی کیا بگاڑ لیگا۔ ڈی۔ سی، ایس۔ پی سے کم سے تو بات بھی نہیں کرتے۔ ہم نیچے کے افسروں کو تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں ہی نہیں۔ اگر ملاقات ہو جائے تو یوں پوچھتے ہیں جیسے ہمارے مالک وہی ہیں۔

"کاہو! کو ون تھانہ میں پوسٹنگ با ــــ کونو تکلیف ہو، چاہے کونو جھنجھٹ میں پڑ جائیں تو خبر دیہا سب ٹھیک ہو جائی،، ــــ!

دوبے نقل اتار کر ہنستا ہے۔ مگر انسپکٹر منج کوئی جواب نہیں دیتا۔ سگریٹ نکال کر دوبے کو دیتا ہے دونوں سگریٹ پینے لگتے ہیں۔

شام اتر آئی ہے۔ حوالدار آکر بتی کا سوئچ دبا گیا ہے۔ زرد روشنی کمرے میں پھیل گئی ہے۔ انسپکٹر منج کے تھکے ہوئے چہرے پر اور کچھ نہیں صرف حیرت ہے۔

آخر یہ سب چلے گا کیسے ــــ؟

چل ہی رہا ہے ــــ!

مگر کب تک ــــ؟

یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم یہاں کب تک ہیں۔ بس اپنی وردی بچائے رہیئے۔ اور جو ہاتھ لگتا جاتا ہے، سمیٹتے جائیے۔ بڑے افسران معاملوں میں ہاتھ ڈالتے ہی نہیں۔ ہم چھوٹے لوگ کیا کر سکیں گے ــــ؟ اب اسی بھرت سنگھ کو لیجئے۔ یہ اتنا چھوٹا آدمی نہیں کہ ہم اس پر ہاتھ ڈال سکیں۔ اگر گرفتار کر کے کسی طرح تھانے لے بھی آئے تو فوراً "کسی" باس" کا فون آئے گا کہ اسکو چھوڑ دو ــــ میری مانیئے منج صاحب جتنے دن یہاں ہیں انجوئے کیجئے۔ لو اینڈ آرڈ کی ساری ذمہ داری

آپ ہی پر نہیں ہے ۔ اور بھی تو ہیں آپ کے اوپر ۔۔ !

انسپکٹر منج اوپر دیکھتا ہے جہاں پنکھا مسلسل گردش میں ہے ۔ تین پروں والا پرندہ جو مسلسل پرواز میں ہے ۔ رات دن ۔۔۔ ایک لگاتار گردش ۔۔۔۔۔ اسکے بازو تھک گئے ہوں گے ۔ مگر وہ کمرے سے باہر نہیں نکل پاتا ۔ پتہ نہیں اس کو معلوم ہے یا نہیں کہ اس کا ایک سرا ، اسی کمرے کی چھت سے بندھا ہے اور پرواز کے لئے صاف ، کھلا ، نیلا آکاش ضروری ہے ۔ اور یہ ضروری ہے کہ وہ خود آزاد ہو ۔

●

عرفان بولا ۔

ان لوگوں میں سب سے زیادہ خطرناک آدمی بھرت سنگھ ہے ۔۔ میں نے اسکو قریب سے دیکھا ہے ۔ سچ کہتا ہوں اس کو دیکھ کر ہی رگوں میں ایک سرد لہر دوڑ جاتی ہے ۔ وہ آدمی کی جون میں کیسے پیدا ہو گیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ۔ اسکو تو خوفناک درندہ ہونا چاہیئے تھا ۔ اس میں ساری خصوصیات درندے کی سی ہیں ۔

جمدار بھرت سنگھ کا نام سُن کر چونکا مگر کچھ بولا نہیں ۔ وہ ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھا اس کو اس بات چیت سے ڈسٹرب ہو رہا تھا ۔ پھر بھی اس نے انھیں منع نہیں کیا ۔ عرفان نے اپنی بات جاری رکھی ۔

بھاردواج سب سے زیادہ بھروسہ اسی پر کرتا ہے ۔ سب سے اہم کام اسی کو سونپتا ہے ۔

کون سا کام ۔۔ ؟ جان مارنے کا کام ۔۔ ؟ رستوگی نے کہا تو جمدار نے کتاب سے سر اٹھا کر دیکھا ۔

لگتا ہے تم لوگ بہت ڈر گئے ہو بھرت سنگھ سے ۔

ڈرنے کی بات نہیں ، وہ کمبخت ایک منٹ کے لئے بھی رک کر نہیں سوچتا کہ جس کی وہ جان لے رہا ہے وہ ایک آدمی ہے ، ایک انسان ۔۔۔۔۔۔

اس کا گھر ہے، اس کے بچّے ہیں۔

وہیں بغل میں ہربنس لال اسٹو پر چائے بنا رہا تھا بلکہ چائے بنا چکا تھا اور اسے کپ میں لیکر دینے آرہا تھا۔ عرفان کی بات سُن کر وہ زور سے ہنسا۔

اس کا مطلب ہے آدمی جب کسی کو قتل کرنے جائے تو اسکے شجرے پر غور کر لے کہ اس قتل سے کون کون متاثر ہوگا۔

نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میرا مطلب تھا کہ آدمی کا دل چاہے جتنا تاریک ہو جائے پھر بھی اس میں روشنی کی ایک کوند ضرور رہتی ہے۔

معاف کیجئے یہ عام آدمی کی بات ہوئی۔ مگر وہ تو پیشہ ور خونی ہے۔ وہی اسکی روزی روٹی بھی ہے۔

جمدار کے آگے چائے آئی تو اس نے کتاب بند کر دی۔

روز روٹی تو بہترے لوگوں کی اسی خون خرابے سے ہے اس کولفیلڈ میں فرق بس اتنا ہے کہ کچھ لوگ خون کرتے ہیں اور کچھ کرواتے ہیں۔ یہ جو اتنے مافیا سردار پیدا ہو گئے ہیں، یہ اگر پیشہ ور خونیوں اور مجرموں کو نہ رکھیں تو ان کا کام کیسے چلے گا۔

عرفان بولا ــــ یہی تو ہمارا دردِ سر ہے۔ اُن کے پاس ایسے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں اور ہمارے پاس ایک بھی نہیں۔

جمدار ہنسا ــــ تم کہاں سے لاؤ گے ایسے آدمی کرائے پر۔ وہ لوگ تو چنبل گھاٹی سے بھی آدمی لے آتے ہیں۔

تو کیا کریں ہم لوگ ــــ؟ سرینڈر کر جائیں ــــ؟؟

یہ میں نے کب کہا ــــ؟ مقابلہ تو بہر حال کرنا ہی ہے۔

مگر کیسے ــــ؟

ہم ایسے کرائے کے خونی اور قاتل تو رکھ نہیں سکتے۔ ہمیں تو اپنے کیڈٹوں پر ہی بھروسہ کرنا ہے۔ اپنے ہی مزدوروں کو ایجوکیٹ کرنا ہے۔ کہ وہ حالات کا مقابلہ کریں۔

تب تو ہو چکا مقابلہ ــــ ہربنس لال ہنس دیا۔

کیوں نہیں ہوگا مقابلہ ــــ؟ جمدار نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

یہ کوئی خونی ڈرامہ نہیں ہے۔ یہ ایک تحریک ہے۔ ان کے پاس چند غنڈے ہیں، ہمارے پاس جن سموہ ہے، آدمیوں کا ایک سمندر ہے، اس ریلے کے آگے کون ٹھہرے گا۔؟ جہاں جہاں ان کی یونین بنی ہے۔ کسی نظریے کے تحت نہیں محض دہشت کی وجہ سے بنی ہے،،___!

اس دہشت کو ختم کرنے کا کوئی راستہ ہے ___؟ میرا مطلب ہے مزدور اگر محض خوف کی وجہ سے انکی یونین میں شامل ہیں تو کیا ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ کار ہے کہ ہم اس خوف کو ان کے دلوں سے نکال سکیں۔ کیونکہ اس کے بغیر تو کہیں بھی پاؤں جمانا مشکل ہو جائے گا۔

ضرور ہے ___؟ اس کے لئے ہمیں مزدوروں کو ایجوکیٹ کرنا پڑے گا۔

ایجوکیٹ کرنے سے آپ کی کیا مراد ہے ___؟

ایجوکیٹ کرنے کا مطلب انہیں پڑھانا لکھانا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو احساس دلانا ہے کہ وہ کیا ہیں۔ کس لئے یونین میں شامل ہیں۔ یونین سے انکا بس اتنا ہی رشتہ نہیں ہے کہ وہ ممبر بن جائیں اور باقی سارا کام چھوٹے بڑے لیڈروں پر چھوڑ دیں، نہیں ___! ان کو تو یہ باور کرانا ہے کہ یونین کا ہر ممبر ایک لیڈر ہے۔ سارا کام انہیں ہی کرنا ہے۔ ان خونیوں سے مقابلہ بھی ___، ہم تو صرف راستہ بتا سکتے ہیں۔ ان کو گائیڈ کر سکتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے ان کو پستول چلانا اور بم پھینکنا بھی سیکھنا ہوگا۔

یقیناً ___ مافیا سرداروں کی اس دنیا میں کہیں نہ کہیں تو اُن سے سابقہ پڑیگا ہی۔ لیکن یہ ثانوی چیز ہے۔ اصل چیز ایجوکیٹ کرنے کی ہے۔

پھر ایجوکیٹ ___؟

جمدار نے اسکی بات کاٹ دی۔ ایجوکیٹ لفظ سے تم اتنا چونکتے کیوں ہو۔ جانتے ہو آج مزدوروں کی جو اتنی خراب حالت ہے اس کی وجہ یہی ہے، انہیں پیسہ کم تو نہیں ملتا۔ اگر وہ پیسوں کا صحیح استعمال کر سکتے، ایک اچھی زندگی گذارنے کا طریقہ

انہیں معلوم ہوتا تو شاید یہ صورت حال نہ ہوتی ، نیشنلائزیشن بڑا اقدام تھا۔ بلکہ بہت بڑا اقدام تھا۔ لیکن اس سے پہلے ضروری تھا کہ انہیں ایجوکیٹ کیا جاتا کہ وہ اس چار گنا اور بعض اوقات آٹھ گنا پیسوں کو کیسے خرچ کریں۔ وہ اپنا معیار زندگی کیسے اونچا کریں۔ وہ کیا ہیں ، ان کی طاقت کیا ہے۔ ان کو ایکسپلائٹ کون کر رہا ہے ، کون کر سکتا ہے ـــــ یہ سب نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے شراب کی مقدار بڑھا دی۔ جوئے میں لمبے داؤں کھیلنے لگے۔ بیس روپیہ مہینہ سیکڑہ کے حساب سے سود پر پیسہ لینے لگے۔ اور رفتہ رفتہ پھر انہیں لوگوں کے چنگل میں جا پھنسے جن سے ان کو نکالا گیا تھا۔ ادھر تیزی سے اٹھ رہا مہنگائی کا گراف انہیں نیچے دھکیلتا گیا۔ اور آج انجام یہ ہے کہ مزدور پھر وہیں کھڑا ہے۔ ایک مایوسی اور تردد کی فضا میں۔ قرضوں سے لدا۔ اور دہشت گردی سے خائف۔

کھلے دروازے پر ایک عورت نمودار ہوئی۔ یہ سنائی گھوش تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔

۔ پولیس ایک ایسے آدمی کی تلاش میں ہے جس کی گردن بہت چھوٹی ہے جس کا سر لگتا ہے اس کے شانوں پر دھرا ہے۔

اس پہچان پر سب لوگ چونک گئے۔

تم کو کیسے معلوم ـــ ؟

کل پولیس میرے پاس آئی تھی ـــ !

تمہارے پاس ـــ ؟ بھرت سنگھ کی تلاش میں ـــ ؟؟

ہاں ـــ !

مگر کیوں ـــ ؟

کیونکہ اس نے ایریا دو میں کسی کو گولی مار دی ہے۔

مگر تمہارے پاس پولیس کیوں آئی تھی۔ تمہارا اس جھمیلے سے کیا تعلق ـــ ؟

وہی تو بتانے جا رہی ہوں۔ پولیس نے اسکو پکڑنے کے لئے کئی جگہ

چھاپے مارے۔ پولیس کو اسکے گھر سے ایک ایسا کاغذ ملا ہے جس پر میرا نام اور پتہ درج ہے —— !

کیا کہتی ہو —— ؟

ٹھیک کہتی ہوں۔ کل ایریاڈو کے تھانہ انچارج آئے تھے۔ انکے پاس بھرت سنگھ کی تصویر بھی تھی۔

میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا نام بیچ میں کیسے آیا —— ؟ ایریادو کی خبر تو جن مت میں کل ہی چھپ چکی ہے۔

سنالی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے اسے گھیر لیا تھا کہا۔

پہلے ایک کپ چائے پلاؤ پھر میں تمہیں ایک دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی سناتی ہوں —— !

چائے پینے کے بعد سنالی سارا قصہ تفصیل سے سنا دیا۔ جتنی دیر وہ بولتی رہی سارے لوگ نہایت دلچسپی سے سنتے رہے۔ گہری خاموشی میں سنالی گھوش کی آواز ڈوبتی ابھرتی رہی۔ جب قصہ ختم ہوگیا تب بھی خاموشی چھائی رہی۔ بہت دیر بعد عرفان بولا۔

تعجب ہے اتنے زمانے تک اسکو آپ کا قرض یاد رہا۔ !

ایسے لوگ بے ایمان نہیں ہوتے —— اور اسی ایمانداری کا فائدہ اٹھاتے ہیں یہ باس لوگ۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ سب کچھ کرے گا لیکن غداری نہیں کریگا۔

رستوگی ہنس کر بولا —— پولیس انسپکٹر شائد نیا نیا آیا ہے ورنہ اتنی زحمت نہ اٹھاتا۔ اس کو شاید معلوم نہیں کہ ایسے کسی آدمی کو گرفتار کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اور اگر گرفتار کر بھی لے تو کیا ہوگا —— ؟ اس کو سزا دلائیگا —— ؟؟ گواہ کہاں ملیں گے —— ؟ پھر اس کی پیٹھ پر ایک مضبوط اور لمبا ہاتھ ہوگا۔ مضبوط اس معنی میں کہ اسکے پاس خرچ کے لئے بے حساب دولت ہوگی اور لمبا اس معانی میں کہ اگر وہ ہاتھ بڑھا دے تو دلّی تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے گا۔

عرفان بولا —— میں اس طرح نہیں سوچ رہا ہوں میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم جسکو بہت طاقتور اور بہت مضبوط سمجھتے ہیں وہ بھی اندر سے اتنے ہی کمزور

ہوتے ہیں جتنے ہم ہیں۔

بجمدار بولا ــــ بلکہ ہم سے بھی کمزور ــــ! یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم سہتے سہتے اس سیما تک پہنچ جاتے ہیں جہاں بغاوت لازمی ہو جاتی ہے۔ اور اسی صورتحال کا فایدہ اٹھاتے ہیں یہ مافیا والے۔ ایسے ٹوٹے ہارے، زخم خوردہ ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کر کے ان کے محسن بنتے ہیں اور پھر ان کے ہاتھ میں ہتھیار تھما دیتے ہیں کہ جاؤ اپنا بدلہ لے لو۔ وہ آدمی بدلہ لے لیتا ہے اور قانون اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتا۔ اور تب وہ آدمی آہستہ آہستہ مجرمانہ حرکتیں کرتا جاتا ہے۔ چوری، ڈکیتی، خون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک دن مافیا والوں کے ہاتھ کا ایک مہلک ہتھیار بن جاتا ہے۔ یہ مافیا گروہ دراصل مجرم اور قاتل بنانے کی فیکٹری ہے۔ میرے بھی ایک بہت عزیز ساتھی کو انھوں نے اپنے چنگل میں پھانس لیا ہے۔ مجھے اس آدمی سے بہت سی امیدیں تھیں۔ اس آدمی میں آگ بہت تھی۔ ظلم اور جبر کے خلاف وہ کہیں بھی نعرہ بلند کر سکتا تھا۔ مگر وہ بھی آہستہ آہستہ مافیا والوں کے جال میں پھنس گیا ہے ــــ،،!

اس نے سر گھما کر عرفان کی طرف دیکھا۔

میرا مطلب سہدیو سے ہے،، ــــ!

عرفان ہنس دیا ــــ سہدیو انکل کے تو بڑے ٹھاٹ ہیں۔ لڑکے رام کرشنا مشن اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔ دھنباد میں زمین خرید رہے ہیں۔

مجھے معلوم ہے سب، گو میں پچھلے چھ برسوں سے نہیں گیا۔ مگر اب شاید جانا پڑے۔ پرتی بالا بہت بیمار ہے،، ــــ!

نہیں تو ــــ! عرفان کو تعجب ہوا ــــ ابھی ایک مہینہ پہلے تو میں ان سے مل کے آیا ہوں۔

یہاں ایک دن میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے تمہیں پتہ ہے ــــ؟

ماں اکثر جاتی ہے مگر اس نے بھی نہیں بتایا۔

اسکو معلوم ہی نہ ہو گا۔

کیا ہوا ہے آنٹی کو ــــ؟

تھوڑا سا خون آگیا ہے مُنہ سے — !

نہیں — عرفان تقریباً چیخ پڑا۔

●

جمدار نے کمرے کے اندر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر بولا۔

"کمرہ تو بہت اچھا سجا ہے — ارسٹوکریٹ......"!

اس چھوٹے سے جملے میں جو طنز تھا، یا جو بات اس جملے سے ڈھانپ کر کہی گئی تھی، اسے بھلے کوئی دوسرا نہ سمجھتا مگر سہدیو نے فوراً محسوس کرلیا۔ پر بولا کچھ نہیں چپ چاپ اس پیتل کے شیر کو دیکھنے لگا جو چار فٹ اونچی گوڈریج کی الماری پر رکھا ہوا تھا۔ جمدار نے اپنی بات کا کوئی اثر نہ دیکھا تو بات آگے بڑھائی۔

کمرے میں شیر کا ماڈل رکھنا بھی اچھا لگا — کیوں کہ اس سے صاحبِ مکان کے ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

سہدیو نے جو دوسری طرف دیکھ رہا تھا، سر گھُما کر جمدار کو دیکھا۔

آج کل طنزیہ جملے بولنا خوب سیکھ گئے ہو۔

جمدار ہنس دیا — ارے نہیں بھائی طنز نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ کہہ رہا تھا کہ کمرے کی چیزیں آدمی کی طبیعت کا بھی پتہ دیتی ھیں۔ اب اس شیر کو لو۔ اگر کوئی ایسا آدمی اس گھر کا مالک ہوتا جس کا جمالیاتی ذوق بہت بلند ہوتا تو وہ کسی پرندے کا ماڈل رکھتا یا پھر کسی حسین عورت کا مجسمہ، شیر رکھنے کا یہ مطلب ھے کہ صاحبِ خانہ تھوڑا خوں آشام طبیعت کا واقع ہوا ہے یا پھر طاقت کا پجاری ہے — !

سہدیو ایک دم سے چڑ گیا —

کیا تم براہ راست گفتگو کرنا پسند کروگے اس مسئلے پر — ؟

تم یار ! جھوٹ موٹ گلٹی کنشش محسوس کر رہے ہو۔

تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ میں خوب سمجھ رہا ہوں۔ اس ترقی یافتہ دور میں آدمی وہ نہیں سُنتا جو تم کہہ رہے ہوتے ہو بلکہ اس معانی تک پہنچنا چاہتا ہے

جو اس کہی ہوئی بات کے نیچے چھپا ہوتا ہے۔

خدا کا شکر ہے تم میں سمجھنے کی صلاحیت ابھی باقی ہے ــــــ لو

چائے پیو.....!"

بجمدار کا یہ جملہ بھی اس کو کاٹ گیا۔ وہ کچھ جواب دینے ہی جا رہا تھا کہ بجمدار نے

تپائی پر پڑی چائے اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ چپ چاپ چائے پینے لگا۔

بولنا اسکو بھی آتا ہے۔ لیکن وہ بولنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ پرتی بالا ہمارے۔

گو ڈاکٹروں نے یقین دلایا ہے کہ وہ خطرے سے تقریباً باہر ہے۔ حالانکہ ابھی تک بھی

کھانسی اٹھتی ہے تو تھوڑا سا خون آجاتا ہے۔ مگر دق کا مرض اب وہ مرض نہیں رہ گیا

ہے کہ جس دن بیماری کا انکشاف ہوتا کہ فلاں کو ٹی بی ہو گئی ہے اسی دن رونا دھونا ہو

جاتا تھا۔ اب تو اس کا باضابطہ علاج ہے۔ اور سہدیو میں اتنی طاقت ہے کہ وہ قیمتی

سے قیمتی اور اچھے سے اچھا علاج کروا سکے۔

چائے کی دو چار چسکیاں لیکر سہدیو نے اپنے آپ کو نارمل کیا۔

"مجھے پتہ ہے، تم مجھ سے ناراض ہو" !

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں، بلکہ اس بات سے رنجیدہ ہوں کہ تم نے

ہمارا ساتھ دینے کی بجائے....."!

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے غلط کیا ہے ـــ؟

یقیناً تم نے غلط کیا ہے۔ تم کبھی یہ بھی تو دیکھو کہ تم آج کہاں کھڑے ہو؟

میں جہاں کہیں بھی کھڑا ہوں بہت ٹھیک جگہ پر کھڑا ہوں ـــ!

جھوٹ ہے یہ ــــ! بجمدار ایک دم سے بھڑک گیا......

تم جس جگہ کھڑے ہو وہ خونیوں کا گڑھ ہے۔ ہتیاروں کا اڈا ہے۔ تمہارے چاروں طرف

خون کے چھینٹے اڑ رہے ہیں اور تم کہتے ہو....."!

مجھے افسوس نہیں ہے اس کا۔

مجھے ہے ــــــ اور اسی لئے آج میں تم سے ہی پوچھنے آیا ہوں کہ

تم اس پارٹی میں شامل ہو گئے۔ کیوں ـــ؟؟

ان کا احسان تھا مجھ پر اور میری وفاداری نے مجھے مجبور کیا کہ میں انکا ساتھ دوں۔

وفاداری ___ ؟ جمدار نے اس کی بات کاٹ دی اور تیکھے سے اس کی طرف دیکھا۔

ہاں وفاداری ___ !

غیر مشروط وفاداری، ___ ؟ جو کتوں میں ہوتی ہے ___ ؟؟

سہدیو تلملا گیا۔ جمدار نے اسکی تلملاہٹ کو محسوس کیا اور بولا۔

یہ میرے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ تمہارے ہی الفاظ ھیں۔ تم نے ایکبار کہا تھا کہ آدمی کی وفاداری اور کتوں کی وفاداری میں فرق ہوتا ھے۔ کیا نہیں کہا تھا؟ یاد دلاؤں ___ ؟ مجھے آج بھی یاد ہے یہ بات تم نے موہنا کولیری میں دھائٹ صاحب سے کہی تھی۔ ۔ ۔ ۔ کہی تھی کہ نہیں ___ ؟

اس وقت میرا ذہن پختہ نہیں تھا۔

جمدار تلخی سے ہنسا ___ خوب، گویا اب تمہارا ذہن پختہ ہوگیا ہے۔

سہدیو غم زدگی سے مسکرایا ___

کیا آج تم مجھ سے جھگڑا کرنے آئے ہو ___ ؟

ہاں شاید یہ جھگڑا ہی کرنے آیا ہوں۔ مجھے اس بات کا بہت رنج ہے کہ تم خونیوں کی ٹولی میں شامل ہو گئے ہو۔ تم کو یاد ہے ہم نے کہاں سے زندگی شروع کی تھی ___ ؟ تم کو یاد ہے وہ کالا چند باوڑی ___ ؟ وہ کالا چند باوری جس کی تذلیل پر تم مارنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے ___ ! وہ کون تھا تمہارا ___ ؟ پھر وہ رحمت میاں ___ ! کیا ہم نے جان کی بازی نہیں لگا دی تھی اس کے لئے ___ ؟ اس سے ہمارا کیا رشتہ تھا ___ ؟ بات بس اتنی سی ہے سہدیو کہ وہ آگ تم میں بجھ چکی ہے۔ جسکو میں نے دہکتے ہوئے دیکھا تھا اور امید کی تھی کہ یہ آگ کسی دن آتش فشاں کے لاوے کی طرح اُبل پڑے گی۔

میرے اندر آگ ابھی نہیں بجھی ہے۔

اگر نہیں بھی ہے تو سب کچھ اتنا سرد کیسے ہے — ؟

ہاں سرد ہے۔ اس نے خود اس ٹھنڈ کو محسوس کیا ہے، بارہا کیا ہے۔ — جب کبھی بھار دواج کے یہاں کوئی خفیہ میٹنگ ہوتی ہے، جب کوئی چپکے سے اس رنگین اور پُر رونق دنیا سے اٹھا لیا جاتا ہے، جب کسی سود خور پہلوان کی طرفداری کرنی پڑتی ہے، جب مالک اور یونین کے بیچ کسی ایک طرف جان بوجھ کر جھکنا پڑتا ہے، تب لگتا ہے سب کچھ ایک ٹھنڈ سے جمنے لگا ہے۔ تب وہ وہسکی یا رم کی بوتل نکالتا ہے۔ اور سیّال آگ اپنے اندر انڈیلنے لگتا ہے۔

دونوں آدمیوں کے مابین تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بجمدار نے پوچھا۔

تم نے کبھی اپنا ہاتھ دیکھا ہے — ؟

کیا مطلب — ؟

تم اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھو، کیا ان میں خون نہیں لگا ہے۔؟

خون — ؟

ہاں! انسانی خون —!

میں نے خون نہیں کئے۔ میرے ہاتھ میں خون کا ایک چھینٹا بھی نہیں ہے —!

ہے —! تم غور سے دیکھو —! ناخنوں کے گوشوں میں کہیں کوئی ایک لکیر تم کو نظر آجائے گی۔

سہدیو چڑھ گیا — تم مجھے کیا باور کرانا چاہتے ہو — ؟

خون نہ کرنا، مگر خون کرنے والوں میں شامل رہنا کیا ایک ہی بات نہیں ہے — ؟ جانتا ہوں تم نے اپنے ہاتھ سے خون نہیں کئے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ تم پر جو خون کا مقدمہ چل رہا ہے وہ بھی جھوٹا ہے۔ مگر جو کچھ ہوتا رہا، کیا وہ بھی تمہارے علم میں نہیں تھا — ؟ تھا —! تم سب کچھ جانتے رہے ہو۔ اور جو سب کچھ جان کر بھی چپ رہ جائے۔ اس کو تم کیا کہو گے — ؟؟

کوئی شئے سہدیو کے اندر سر ابھارنے لگی ہے۔ شاید غصہ، شاید نفرت،

شاید تحقیر کا احساس یا شاید اس ننگے سچ کی تلخی جسے چکھنا، اور حلق کے نیچے اتارنا مشکل پڑ رہا ہے ——— وہ تلملاتا ہے، اندر ہی اندر کھولتا ہے مگر کچھ بولتا نہیں، اپنے آپ پر آنکس لگائے رکھتا ہے۔

بہت دیر چپ رہ کر بولتا ہے ———

" دیکھو، میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں"۔ . . . .

جمعدار نے پھر اسکی بات کاٹی ———

ذرا سا رکو، میرے ایک سوال کا جواب دو۔ تم کیوں میری عزت کرتے ہو ——— ؟

"شاید اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔ تم سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے" ——— !

"شاید اس لئے بھی کہ ہم دونوں کاندھے سے کاندھا ملا کر ظلم کے خلاف لڑنا چاہتے تھے" ——— !

"ہاں شائد اس لئے بھی" ——— !

"مگر آج تم کہاں ہو" ——— ؟

جمعدار جانتا ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتا۔ وہ جواب کا انتظار بھی نہیں کرتا۔ چاروں طرف کمرے کو دیکھتا ہے۔ صوفہ سیٹ، الماری، دیواروں پر رنگین تصویریں، ایک طرف تپائی پر ٹیلی فون، ایک چھوٹے سے کیسنگ پر بڑا سا ریڈیو گرام، آسائشوں اور فراغت کی ایک دنیا، اسکی نظریں چاروں طرف طواف کرتی ہوئی سہدیو کے چہرے پر رک جاتی ہیں۔

"تم نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے ——— تم نے اپنی قیمت وصول کی ہے ——— اس کمرے کو دیکھو، کوئی نہیں کہے گا کہ یہ ایک کولیری مزدور کا کمرہ ہے ——— یہ ساری آسائش جس نے تم کو مہیا کی ہے اس نے بدلے میں تم سے کیا لیا ہے ——— ؟ معلوم ہے تمہیں" ——— ؟

وہ رکتا ہے، سہدیو کے تپتے اور لال پڑے چہرے کو دیکھتا بہت

غور سے دیکھتا ہے پھر دھیرے سے کہتا ہے۔

۔ تمہاری آگ ـــــ!

سہدیو چونک کر اسکو دیکھتا ہے مگر بولتا کچھ نہیں۔

وہ ایسے آدمیوں کو توڑتے ہیں جن سے ان کو خطرہ ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ کسی دن یہ شخص ایک طاقت بن کر مقابل میں آکھڑا ہوگا۔ ایسے آدمیوں کو وہ بجو کا بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

سہدیو تلملا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے ـــــ یہ غلط ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بیچا ہے۔ میں نے صرف اس سچ کی شناخت کی ہے کہ اگر کولفیلڈ میں رہنا ہے تو طاقت حاصل کرنا ہوگا۔ ایک ایسی طاقت جس سے ٹکرانے کا، جسکے نزدیک آنے کا کوئی ساہس نہ کر سکے۔

تم نے طاقت حاصل نہیں کی، تم ایک طاقت کے ساتھ جُڑ گئے ہو۔ ایک ایسی طاقت کے ساتھ جو چاروں طرف اپنا دمن چکر چلا رہی ہے۔ جسکے پاس کوئی آیڈیالوجی نہیں، جس کے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں، جس کی کوئی منزل نہیں۔ جو صرف اقتدار چاہتی ہے۔ طاقت چاہتی ہے، یا پھر بے حساب دولت۔

ہونہہ ـــــ سہدیو نفرت سے ہونٹ سکیڑتا ہے ـــــ اس وقت تمہاری یہ آیڈیالوجی کہاں تھی جب مجھے پیٹا جا رہا تھا۔ جب مجھے پیر سے پکڑ کر مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹا جا رہا تھا۔ روڑوں پر اور کنٹیلی جھاڑیوں میں، ـــــ کون تھا اس وقت ـــــ؟ تم تھے ـــــ؟؟ تمہارے ساتھی ـــــ؟؟ تمہاری آیڈیالوجی ـــــ؟ دیکھو گے میری پیٹھ . . . . ؟؟؟

سہدیو کی بتدریج بڑھتی ہوئی آواز آخر آخر میں اتنی اونچی ہوگئی کہ لگا کہ وہ دھاڑ رہا ہے۔ اس نے بجمدار کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔

وہ کرتا اور بنیان اتار دیتا ہے۔ اور بجمدار کیطرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ بجمدار اسکی پیٹھ پر خراشوں کے لمبے داغ دیکھتا ہے۔ ساری پیٹھ ان داغوں سے

سہمی ہوئی ہے۔ کچھ بولنے کی کوشش کرتا ہے مگر بول نہیں پاتا۔ وہ سارا واقعہ اسے یاد ہو آتا ہے۔ جو بعد میں اس نے ایک چشم دید گواہ سے سُنے تھے۔ ذلت اور اہانت کی اس دنیا میں اگر کوئی آدمی اس ذلت اور اہانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کی سزا یہی ہے ——

سہدیو کا سانس پھول رہا ہے۔ غصہ سے کوئی شئے اس کے اندر جھنگھاڑتی ہے۔ وہ پلٹ کر جمعدار کو دیکھتا ہے۔

یہ گھاؤ ٹھیک ہو گئے ہیں، ان کا بس داغ بھر باقی ہے۔ لیکن آج بھی یہ گھاؤ کبھی کبھی جلنے لگتے ہیں۔ جب کوئی کسی کی تذلیل کرتا ہے، جب کوئی کسی بے قصور پر بلاوجہ ہاتھ اٹھاتا ہے۔ تو یہ گھاؤ جلنے لگتے ہیں۔ ان میں انگارے بھر جاتے ہیں، دہکتے ہوئے انگارے اور میرا سارا وجود تلملا اٹھتا ہے۔ ایک بے نام اذیت سے میرا روم روم بھر جاتا ہے۔ مگر تم اسکو کیا جانو۔ تم اپنی آئیڈیالوجی میں زندہ ہو،، ——!

آئیڈیالوجی کی وضاحت وہ کر سکتا ہے مگر نہیں کرتا۔ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ چار قدم چل کر اس کے قریب جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر بڑی نرمی سے، بڑی اپنائیت سے، اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتا ہے۔

کیا یہ صرف تمہارے ساتھ ہوا ہے ——؟

کوئی جواب نہیں ملتا سہدیو کی طرف سے، جمعدار اس کے جواب کا انتظار بھی نہیں کرتا۔

یہ تمہارا انفرادی مسئلہ نہیں ہے، جو تمہارے ساتھ ہوا، وہ بہتوں کے ساتھ ہوا ہے۔ بلکہ آج بھی ہو رہا ہے۔ کتنوں کی تو جانیں بھی چلی گئیں۔ کتنوں کے گھر اجڑ گئے۔ کتنے اس کولفیلڈ سے ایسے غائب ہوئے کہ ان کا آج تک پتہ بھی نہیں چلا۔ ہمیں صرف ان چار غنڈوں کے بارے میں نہیں سوچنا ہے جنہوں نے تم کو پیٹا۔ بلکہ ان چار ہزار غنڈوں کے بارے میں فیصلہ لینا ہے، جنہوں نے سارے کولفیلڈ کو اپنے آہنی پنجوں میں کس رکھا ہے۔ ہماری لڑائی لمبی ضرور ہے مگر مکمل فتح کا

اعلان کرتی ہے ـــــــ تم مجھے بہت عزیز ہو، بے انتہا عزیز ہو، میری مانو لوٹ آؤ۔

وہ دوسرا ہاتھ سہدیو کے دوسرے کاندھے پر رکھتا ہے۔ اس کو اپنی طرف گھماتا ہے۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ سہدیو رو رہا ہے۔ آنسو اور پسینے سے بھیگا ہوا اس کا چہرہ اس کو بہت عجیب سا لگتا ہے۔ وہ بے قابو ہونے لگتا ہے، وہ اسے سمیٹ کر اپنی چھاتی سے لگا لینا چاہتا ہے لیکن ٹھیک اسی وقت پرتی بالا کی کھانسی اٹھ جاتی ہے۔ وہی مسلسل خون اگلنے والی کھانسی۔ دونوں مرد گھبرا کر پرتی بالا کے کمرے کی طرف دوڑ جاتے ہیں۔

●

کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی،

کسی میلے ٹھیلے میں، یا کسی بھیڑ بھاڑ والے تہوار میں، کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لینا یا کسی کی چھاتی پر ہاتھ رکھ دینا ایسی کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اور خاص طور پر ان کے لئے جو رنگ دار کہلاتے ہیں یا کسی لیڈر کے پہلوان ہیں۔ ان کے لئے تو یہ تقریباً روز مرہ کی بات تھی۔ اس طرح کی باتیں کھُلے عام ہوتی تھیں۔ لوگ دیکھتے تھے اور ان دیکھا کر دیتے تھے، لوگ سُنتے تھے اور اَن سُنا کر دیتے تھے۔ کون جائے اپنی گردن پھنسانے۔ بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا تھا کہ لڑکی کے رشتے دار ان رنگ داروں سے الجھنے کی بجائے اُلٹے ہاتھ جوڑ لیتے۔

طاقت کی اس دنیا میں جس کے پاس طاقت نہیں تھی اس کا وجود ہی کہاں تھا ـــــ!

لیکن وہ لڑکی ذرا تیکھی تھی اور تیکھی لڑکیاں کولفیلڈ میں کم ہی تھیں۔ اصل میں گرمیوں کے دن کولفیلڈ میں عذاب کے دن ہوتے ہیں۔

گرم ہوا کے جھکڑ چلتے ھیں۔ اور انجری بھر بھر کر کالی دھول اڑاتے ہیں۔ یہ موسم کا گلال ہے۔ کالی دھول جسم کے ہر کھلے حصہ پر جم جاتی ہے اور ایک کرکراہٹ کا احساس سارا دن بنا رہتا ہے۔ گرم ہوا اتنی گرم ہوتی ہے کہ اسکو جھیلنا مشکل لگتا ہے۔ اس لئے بیشتر لوگ ایک کپڑے سے سر گردن اور آدھا چہرہ ڈھکے رہتے ہیں۔ اس کپڑے کو "گمچھا" کہا جاتا ہے۔ اب رفتہ رفتہ یہ گمچھا جنردے لباس ہو گیا ہے۔ اب بیشتر لیڈر لوگ، رنگ دار لوگ اور لیڈروں کے پہلوان لوگ ہمیشہ یہ گمچھا گردن میں لٹکائے رہتے ہیں۔ سنہری کور والا ادھی کا یہ کپڑا اب اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کو گلے میں لٹکانے والا کوئی سادھارن آدمی نہیں ہے اسطرح گمچھا طاقت کا بھی ایک مارکہ بن گیا ہے۔

تو اس دن کلیا مہتائین کے گرد چار آدمی بھیڑ میں چلتے چلتے اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان چاروں کی گردن میں یہ گمچھا جھول رہا تھا۔ بھیڑ میں وہ اکثر ایسا ہی کرتے تھے کہ کسی لڑکی کو پسند کر لیتے اور اس کے پیچھے چلنے لگتے۔ جہاں بھیڑ زیادہ ہوتی وہاں یہ چاروں لڑکی کے گرد حلقہ بنا لیتے اور پھر ان کی چھیڑ چھاڑ اور دست درازی شروع ہو جاتی۔ چنانچہ انہوں نے آج بھی کلیات مہتائین کو گھیر لیا اور ایک آدمی نے اسکی چھاتی پر ہاتھ دھر دیا۔ مہتائین اس طرح کی چھیڑ کیلئے تیار نہیں تھی۔ اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اتنا آگے بڑھ جائے گا۔ اچانک اس کا سارا وجود ایک عجیب طرح کی ذلت سے بھر گیا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے پلٹی اور ہاتھ بڑھانے والے کے منھ پر ایک زوردار طمانچہ جڑ دیا۔ طمانچہ اتنے زور سے مارا گیا تھا کہ اسکی آواز پر لوگ پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔

بہتی ہوئی بھیڑ اچانک رک گئی۔

اس رکی ہوئی بھیڑ میں بھاگلپوری سلک کی چادر اوڑھے گمچھے میں آدھا چہرہ چھپائے ایک کوتاہ گردن آدمی تھا۔

یہ بھرت سنگھ تھا ——!

قاعدے کے مطابق بھرت سنگھ کو اس میلے میں نہیں آنا چاہیئے تھا کیونکہ ایک تو یہ کہ یہ بھاردواج کا علاقہ نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ بھیڑ بھاڑ والی جگہوں سے

اس کو احتراز کرنا چاہئے تھا۔ اس کے نام کے دسوں وارنٹ تھے، پولیس الگ تلاش میں تھی اور دشمن الگ تاک میں لیکن وہ اتنا نڈر ہو چکا تھا کہ اسے کسی بھی بات کی پرواہ نہیں رہتی تھی۔ اور یہ سچ بھی تھا کہ کم از کم بھرت سنگھ پر ہاتھ اٹھانے والے کا کلیجہ فولاد کا ہونا چاہیئے۔ عورتوں کے معاملے میں دلچسپی بھی نہیں لیتا تھا۔ مگر چار پہلوانوں کے زغے میں گھری ہوئی کلیا مہتائین کی جُراَت نے اس کے قدم روک لئے۔

غصہ سے مہتائین کا سانولا چہرہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ ادھر وہ چاروں بدمعاش جنکی آج تک کبھی ایسی ہیٹی نہیں ہوئی تھی۔ بدلہ لینے پر اتارو تھے۔ ایک نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ مہتائین ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر کے ہار گئی تھی ـــ وہ فولاد کی پکڑ تھی کہ ذرا ٹس سے مس نہ ہو رہی تھی۔ جیسے جیسے مہتائین تھکتی جا رہی تھی۔ ویسے ویسے اس کے چہرے کی لالی بجھتی جا رہی تھی۔ فحش گالیوں کے فوارے اُڑ رہے تھے اور اس فوارے میں بھیگتے لوگ محض تماشائی بن کر یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔

اچانک ان چاروں میں سے ایک نے اس کی چھاتی دھرنی چاہی۔ مہتائین چیخ کر بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹی۔ ہاتھ بڑھانے والے کے ہاتھ چھاتی تک نہیں پہنچے لیکن اس کے بلاؤز کا ایک سرا اس کے ہاتھ آگیا۔ پشت پر لگے ہک پٹاپٹ ٹوٹ گئے اور کپڑے کا وہ چیتھڑا جو کلیا مہتائین کی عزت کا رکھوالا تھا، اس کے ہاتھ آگیا۔ ننگی چھاتیوں کو نہیں بلکہ دونوں عالم کی برہنگی کو چھپانے کی ایک ہاتھ سے کوشش کی، جب نہ چھپا سکی تو دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی۔

بھیڑ رُکی رہی ـــ تماشہ رنگین ہو گیا تھا۔

اب وہ عورت زمین پکڑ کر بیٹھی ہے۔ اور وہ لوگ اسکو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹ کر اٹھا رہے ہیں۔

اُٹھ حرامزادی ـــ!

ان میں سے ایک نے رُکی ہوئی بھیڑ میں سے نہ جانے کس کو حکم دیا۔

لاؤ مرچا لاؤ سالی کو.......

"اٹھ رنڈی تم کو ننگا کر کے نچائیں گے میلے میں"!

وہ رنڈی، یعنی کلیا مہتائین۔ پاس ہی کے گاؤں کی تھی۔ اس کولیری میں کام بھی کرتی تھی۔ سب لوگ، یا بیشتر لوگ اسکو جانتے تھے۔ وہ کسی کی بہن تھی، کسی کی بیٹی تھی، مگر ساری بھیڑ ساکت و سامت یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ کسی کے من میں نفرت کا لونڈرا اٹھا ہو گا بھی تو وہ اندر ہی رہ گیا۔ باہر کوئی ردِّ عمل نہیں تھا کلیا مہتائین نے مدد کیلئے، یا چھڑائے جانے کیلئے، یا صدیوں کی پاکیزگی کے تحفظ کے لئے، چار وطرف دیکھا، آواز بھی لگائی۔ گوہار بھی مچایا۔ چیخی چلائی بھی مگر کسی کی رگوں میں جما ہوا خون نہ پگھلا۔ کسی کے کلیجے سے دھواں نہ اٹھا، کسی آنکھ نے اس منظر پر احتجاج نہ کیا۔ ساری بھیڑ خائف بھیڑوں کی طرح چپ چاپ سب کچھ دیکھتی رہی۔

ان میں سے ایک جو شائد زیادہ پیئے ہوئے تھا عورت پر کود پڑا اور اسکو لئے دئے زمین پر لیٹ گیا۔

اور یہی وہ منظر تھا جس نے بھرت سنگھ کے غصّے کو اچھال کر اس کی کنپٹیوں تک پہنچا دیا۔ اس نے صاف دیکھا کہ اس کی بہن لیٹی ہے اور وہ مسٹنڈا پہلوان..

. . . .

اس نے اپنی بہن کا چہرہ دیکھا۔ اس چہرے کی بے چارگی دیکھی، اور ایک ایسا خوف دیکھا کہ چشم زدن میں اسکی آنکھوں کے سامنے سے سب معدوم ہو گیا ساری بھیڑ، ساری خلقت، ساری دنیا۔ بجلی کی رفتار سے اسکا ہاتھ کمر میں گیا اور اس کا ریوالور باہر آ گیا۔

ایک دھماکہ ہوا، اور ساری بھیڑ بے تحاشہ بھاگی۔

ایک گولی، دو گولی، تین گولی، چار گولی، پانچ گولی، چھ گولی، پستول کا سارا چیمبر اس نے اُس موٹے آدمی کے جسم پر خالی کر دیا۔ جو ہر گولی کے ساتھ ایک کروٹ لیتا، اینٹھتا، چیخختا آخر کار ٹھنڈا ہو گیا۔

بھرت سنگھ کے ہاتھ کا پستول خالی تھا۔ اور یہی وہ موقع تھا جس سے فائدہ اٹھایا ان تین آدمیوں نے جو اتنی دیر سے ہکّا بکّا کھڑے تھے۔ اچانک انہیں

ہوش آیا اور ایک ساتھ تین گولیاں ___ بھرت سنگھ کے جسم میں اتر گئیں۔ تین گولیاں کھا کر بھی وہ گرا نہیں۔ بایاں ہاتھ کمر میں ڈال کر دوسرا پستول بھی نکال لیا لیکن ٹھیک اسی وقت تین مزید گولیوں نے اس کی شہادت کی انگلی کی ساری طاقت چھین لی۔ گھول کھائے شیر کی طرح اس نے چھلانگ لگائی لیکن ان سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر گر پڑا۔

دیکھتے دیکھتے سارا میدان خالی ہو گیا۔ سارا میدان خالی تھا۔ دکاندار اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ صرف خون میں لت پت دو لاشیں پڑی تھیں یا پھر بھاگے ہوئے لوگوں کے چپل اور جوتے۔

ایک گھنٹہ کے اندر اندر یہ خبر سارے کولفیلڈ میں کوندھ گئی، کہ بھرت سنگھ مارا گیا۔

بھرت سنگھ مارا گیا ___ ؟

باپ رے بھرت سنگھ مارا گیا ___ !

کوئی یہ نہیں پوچھ رہا ہے کہ بھرت سنگھ کیسے مارا گیا، کہاں مارا گیا، کب مارا گیا، سب یہ جاننا چاہتے ھیں کہ اُسے کس نے مارا۔ وہ کون تھا۔ کس کا آدمی تھا۔

چوہان کا آدمی تھا ___ ؟

ارے چوہان تو اتنا بڑا مانیا بھی نہیں ہے۔

مگر شکار تو بڑا کیا ہے۔

کون آدمی تھا ہو ___ ؟

چُپ سالا پولیس سُن لیگی تو ۔ ۔ ۔ ۔ میں ڈنڈا کر دیگی۔

اب دیکھنا بھاردواج سالے چوہان کی ماں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چرچوں اور چہ میگویوں سے سارا کولفیلڈ بھر گیا ہے۔ واردات کی ساری تفصیل، ذرا ذرا بیان، بلکہ مرنے والے کی ساری کیفیت کن پھسکیوں میں چل رہی ہے مگر پولیس کے سامنے سب چُپ۔

بھاردواج اپنے سر کے بال نوچ رہا ہے۔

ختم کردو........ سب کو ختم کردو....... سالے چوہان کو بھون دو....... اس کے گھر پر پورا کو.......

پولیس نے پانچ آدمیوں کو گرفتار کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر بے قصور ہیں۔ ان بے قصور لوگوں میں ایک آدمی سمجھدار کا بھی ہے۔ شیخ شہادت میاں۔ اس کو پولیس نے ایک دوکان سے گرفتار کیا۔ گرفتاری کی خاص وجہ اس کے پاس سے ایک دیسی، ایک گولی والی پستول کی برآمد گی تھی۔

پھر وہ سب کچھ ہوا جو ایسے موقعوں پر ہوا کرتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ جائے واردات پر آئے۔ ایس پی، ڈی ایس پی، وغیرہ چھوٹے بڑے لیڈروں کا بھی جمگھٹا رہا۔ اس طرح کی غنڈہ گردی کی مذمت میں جلسے بھی ہوئے۔ ایک دن کے لئے کولفیلڈ بند کا اعلان بھی کیا گیا۔ اخبار میں دو چار دن جلی حرفوں میں خبریں بھی چھپتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ سب معدوم ہو گیا —— روزمرہ کی ضرورتیں اتنی فرصت بھی کہاں دیتی ہیں کہ ایسی سنسنی خیز خبروں پر چرچا ہوتی رہے۔

مگر بھاردواج کو کانٹا ذرا گہرا لگا تھا بلکہ بہت گہرا لگا تھا۔ بھرت سنگھ اسکے لئے علاءالدین کا وہ چراغ تھا۔ جسے صرف خواہش ظاہر کرنی پڑتی تھی۔ بھاردواج کے پاس لوگ تھے۔ ایک سے ایک خطرناک لوگ تھے، مگر ایسا آدمی کوئی بھی نہیں تھا جو بڑی سے بڑی مہم میں تن وتنہا کود پڑنے کے لئے ہمیشہ، ہمہ وقت تیار رہتا ہو۔ اس نے بھاردواج کیلئے بڑے بڑے قلعے فتح کئے تھے۔ بڑے بڑے مراحل سے اسے گزارا تھا۔ وہ بھاردواج کا بڑا قیمتی سرمایہ تھا۔

وہ پانچ آدمی جو پکڑے گئے تھے ان کی ضمانت نہیں ہوئی۔ نہ لور کورٹ سے نہ ہائیر کورٹ سے۔ آخر سنتالیس دن بعد رانچی ہائی کورٹ سے ان کی ضمانت منظور ہوئی۔ پورے ایک مہینہ سترہ دن کے بعد۔

بہت خاص میٹنگ چل رہی تھی بھاردواج کے بنگلے پر، آفس میں نہیں اندر کے کمرے میں، سارے مہارتھی موجود ہیں، ایسے لوگ جو منظر عام پر کم ہی نظر آتے ہیں ــــ لکھنا باوری، دلبر سنگھ، جبار خاں، موتی لال یادو، سورما سنگھ اور کئی دوسرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کاندھوں پر مافیا کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ان کی طلبی کیوں ہوئی ہے۔ انہیں معلوم ہے بھرت سنگھ کی موت کا بدلہ لینا ہے۔ انہیں پتہ ہے کہ چوہان کے آدمی جو گرفتار ہوئے تھے ان کی رانچی ہائی کورٹ سے ضمانت منظور ہو گئی ہے۔ اور کل ان کو ریلیز کر دیا جائے گا۔

بھاردواج کا حکم ہے کہ وہ پانچوں آدمی جیل سے چھوٹنے کے بعد اپنے گھر نہ پہنچ سکیں۔ انہیں راستے ہی میں ختم کر دو۔ اگر ضرورت پڑے تو پوری گاڑی اڑا دو۔ آخر کولفیلڈ کو معلوم تو ہو کہ بھاردواج کے گریبان تک ہاتھ لینے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

بہت بڑی مہم ہے، اور سارے صلاح مشورے سرگوشیوں میں ہو رہے ہیں۔ چہروں کا تناؤ بتاتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے، بہت بھیانک ہوگا۔ سہدیو بنگلے پر آکر لوٹ گیا ہے۔ صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکی کیونکہ وہ اندر میٹنگ میں تھے اور پتہ نہیں میٹنگ کتنی دیر چلتی۔ اس کو اندازہ ہو گیا ہے کہ کل کچھ نہ کچھ ہوگا۔ پہلے بھی بند کمروں کی میٹنگوں میں اہم فیصلے لئے گئے ہیں۔ ہر ایسے فیصلے کے بعد ایک بھیانک خبر ملتی ہے۔ اخبار کے پہلے صفحے سج جاتے ہیں۔ پولیس کی دھر پکڑ شروع ہو جاتی ہے۔ شک کی بنیاد پر پولیس کتنوں کو پکڑ کر حاجتوں میں ٹھونس دیتی ہے۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ سارا کیس نامعلوم اپرادھ کرمیوں کے سر ڈال کر فائل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ اور لوگ بھول جاتے ہیں کہ کبھی کوئی آلوک ہاتھ یا شیو پوجن سنگھ بھی تھا جو اب نہیں ہے۔

سہدیو بے چین ہے ــــ سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں تڑخنے لگی ہیں۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہر بار اسکو ایک بے نام ذہنی اذیت سے

گذرنا پڑتا ہے ـــ کیا وہ سوچتا نہیں چھوڑ سکتا ـــ ؟ کیا وہ اپنے آپکو باور نہیں کرا سکتا کہ وہ ان میں سے نہیں ہے ـــ ؟ وہ الگ ہاتھے.....

..... وہ دوسرا ہے...... وہ ایمانداری سے اپنا کام کر رہا ہے۔ وہ مزدوروں کے مسائل حل کرنے میں، ذرا کوتاہی نہیں کرتا۔ زیادہ تر کام وہ اپنے بھروسے پر، بغیر بھاردواج کے مشورے کے کرتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں بھاردواج کے دشمن بھی جانتے ہیں کہ وہ بے ضرر آدمی ہے۔ اس کا کسی خونیں ڈرامے میں کوئی رول نہیں ہے۔ وہ تو صرف تماشائی ہے۔ ایک بے زبان تماشائی۔

لیکن واقعی کیا وہ صرف تماشائی ہے ـــ ؟

اس کا اس خونیں ڈرامے میں کوئی رول نہیں ـــ ؟

پسِ پردہ بھی نہیں ـــ ؟

جواب کون دے گا ـــ ؟ اپنے بارے میں بالکل غیر جانب دار ہو کر کوئی جواب ڈھونڈنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دوسری صبح کو گرمی بہت تھی۔ صبح کے دس بجتے بجتے لو چلنے لگی تھی۔ لوگوں نے گمچھے میں اپنا چہرہ چھپانا شروع کر دیا تھا۔ ایسے ہی گمچھوں میں منھ چھپائے بھاردواج کے بنگلے میں چار آدمی ایک جیپ پر سوار ہوئے، اور جیپ زن سے دھوپ سے سلگتی ہوئی سڑک پر نکل گئی ـــ جیپ کے بعد پھر ایک کار، پھر دوسری کار۔ سب میں چار چار پانچ پانچ آدمی سوار تھے۔ سبھوں نے اپنے چہرے گمچھوں میں چھپا رکھے تھے۔

پہلی گاڑی کورٹ کے احاطے سے ذرا فاصلے پر کھڑی کر دی گئی۔ دوسری گاڑی شہر کے ایک پل پر رک گئی۔ اور تیسری گاڑی بنیا ہیر موڑ پر۔ صورتحال یہ تھی کہ جیل سے رہا ہونے والے اگر کسی طرح پہلی گاڑی سے بچ جائیں تو پھر دوسری اور اگر اس سے بھی نکل جائے تو تیسری گاڑی ان کا خاتمہ کر دے۔

جمدار کو خبر ملی تو اسکو یقین نہیں آیا، کیا اتنا بڑا ماسٹر پلان بنایا

جا سکتا ہے ــــ ؟ اس نے گھوش صاحب کی کار نکالی اور چار آدمی ساتھ لیکر صورت حال کا جائزہ لینے نکل پڑا۔ ان چار آدمیوں میں ایک عرفان بھی تھا۔ جمدار نے پھوس بنگلہ سے دھنباد تک یہ مورچہ بندی دیکھی تو گھبرا گیا۔ اس کو اس معاملے سے اتنی دلچسپی نہیں ہوتی اگر شیخ شہادت میاں ان میں نہ ہوتا۔ جمدار کے دماغ میں بھاردواج کا سارا پلان آگیا۔ وہ گاڑی لئے دئے پولیس آفس چلا گیا۔

اس نے ایس پی سے ملاقات کی اور انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا

ایس پی نے اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا بولے۔

مسٹر جمدار آپ بہت ڈر گئے ہیں ــــ!

ڈرنے کی بات نہیں ہے صاحب! اور میرے ڈرنے کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ میں ایڈمنسٹریشن کو بتانے آیا ہوں کہ آج ممکن ہے آپکے علاقے میں ایک بڑا کانڈ ہو جائے۔

ٹھیک ہے مسٹر جمدار! میں تھانہ کو فون کئے دیتا ہوں وہ لوگ انتظام کر دیں گے۔

سر تھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔

کیوں نہیں ہو گا ــــ اگر ضرورت پڑی تو میں خود جاؤں گا۔

آپ گاڑیوں کے نمبر بتائیں۔

ساری گاڑیوں کے نمبر پلیٹ بدلے ہوئے ہیں۔

کیا مطلب ــــ؟

مطلب یہ کہ ایسے معاملوں میں استعمال کی جانے والی گاڑیوں کے نمبر پلیٹ کبھی صحیح نہیں ہوتے۔

تب پھر آپ ایسا کیجئے کہ آپ خود تھانہ اسٹاف کے ساتھ جائیے اور ان گاڑیوں کی نشاندہی کیجئے۔

گاڑیاں سب چھپا دی گئیں ہیں۔ اور پھر اس طرح میرا پولیس کے ساتھ جانے کا یہ مطلب ہے کہ میں کھلم کھلا ان کے سامنے آجاؤں اسطرح

تو ایک ایسی دشمنی کا بیج پڑ جائے گا جو بعد میں نہ جانے کتنے لوگوں کی ہلاکت کا باعث بنے۔

تب پھر آپ ہی کچھ سجسٹ کیجئے ـــــ!

سر میں آپ سے Sejuist کرتا ہوں کہ یہ ریلز آپ رکوا دیں کم از کم آج کے لئے۔

یہ جوڈیشری کا معاملہ ہے۔ پھر بھی میں دیکھتا ہوں۔

ٹیلی فونوں۔ چپراسیوں کی بھاگ دوڑ اور کاغذوں کے الٹ پھیر میں لگ بھگ تین بج گئے تب کہیں جاکر آج کے لئے ریلیز رکوا دی گئی۔ ادھر بھاردواج کے آدمی انتظار کرتے رہے۔ جب گھنٹوں گذر جانے کے باوجود ان لوگوں کو رہا نہ کیا گیا تو آدمی دوڑائے گئے۔ . . . پتہ چلا کہ آج ریلیز رکوا دی گئی ہے اور اس ریلیز رکوانے میں بجمدار کا بڑا ہاتھ ہے۔

ٹیلی فون کی گھنٹیاں بجیں۔ بھاردواج اور جبار خاں میں باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ساری گاڑیوں کو ہٹا لیا گیا۔

اس دن شام کو جیسے ہی بجمدار کی گاڑی اس کے گھر کے پاس واپس آ کر کھڑی ہوئی ویسے ہی اس پر گولیوں کی بوچھار ہو گئی۔ عرفان آگے بیٹھا تھا۔ پیچھے بجمدار دو آدمیوں کے ساتھ تھے۔ جیسے ہی گولیوں کی پہلی باڑھ چلی، عرفان نے چیتے کی پھرتی سے دروازہ کھولا اور پاس ہی ایک عرصہ سے خراب کھڑی گاڑی کے نیچے لڑھکتا ہوا گھس گیا۔ گھستے گھستے بھی ایک گولی اسکے داہنے ہاتھ کا گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔

ڈرائیور نے چھلانگ لگائی اور قریب کی دکان جس کا شٹر گرنے والا ہی تھا اسمیں گھس گیا۔ باقی تین آدمی جو پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے، انہیں کوئی جائے امان نہ ملی۔ وہ گولیوں سے بھون دیئے گئے۔

سارا پاتھر ڈیہہ بازار آناً فاناً بند ہو گیا۔ ساری خلقت اپنے گھروں میں دبک گئی اور پچیس پچیس میل کے ایریا میں یہ خبر مانو تار برقی سے منٹوں میں

پہنچادی گئی کہ پاتھر ڈیہہ کولیری میں اندھا دھند گولی چلی ہے۔ پولیس فوراً جائے واردات پر پہنچی مگر تب تک تو سارا کھیل ہی ختم ہو چکا تھا۔ ٹوٹی ہوئی گاڑی کے نیچے سے عرفان کو نکالا گیا۔ وہ بے ہوش تھا اور قمیص خون سے بھر گئی تھی۔ پچھلی سیٹ سے تینوں کو اتارا گیا۔ تینوں میں دو آدمی تو مر چکے تھے مگر بجمدار کی سانس ابھی چل رہی تھی۔ اسے فوراً اسپتال بھیج دیا گیا۔

سب بڑے بڑے افسر جمع ہو گئے۔ پولیس کا ایک دل تو جائے درادات کا معائنہ اور لکھا پڑھی کرتا رہا اور دوسرا دل ساری رات مختلف جگہوں پر چھاپے مارتا رہا۔ انہیں ایک سفید رنگ کی امبیسڈر کار کی تلاش تھی جس پر بدمعاشوں کو بھاگتے دیکھا گیا تھا۔ انہیں بھاگتے ہوئے بہتوں نے دیکھا تھا۔ لیکن پہچانا کسی کو نہ تھا۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے چہرے گمچھوں سے چھپا رکھے تھے۔

سہدیو بے چین ہے ـــ اس کے سارے وجود میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اسکو یقین نہیں آ رہا ہے۔ یا شاید یقین کرنا نہیں چاہتا، جی کرتا ھے کوئی آ کر کہہ دے کہ یہ بات غلط ہے ـــ محض افواہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا پھر کم از کم اس بات کی تردید کر دے کہ بجمدار کو گولی لگی ہے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہیں ہو تو یہ بتایا جائے کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔ سہدیو جانتا ہے کہ یہ سب بہلاوا ھے۔ بجمدار کو گولی لگی ہے۔ کئی گولیاں لگی ہیں۔ وہ بے ہوش ہے۔ اور پانچ پانچ ڈاکٹر اسکو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ھیں۔ اور اس کے سیکڑوں ساتھی اسپتال کے صدر دروازے پر خون دینے کے لئے کھڑے ہیں اور ہوا کے دباؤ سے دیئے کی لَو تقریباً معدوم ہو چکی ہے صرف نیلے رنگ کی ایک بوند اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ دیا ابھی بجھا نہیں ہے۔

اندر پرتی بالا رو رہی ہے۔ زور زور سے رو رہی ہے۔ وہ ہسپتال جانا چاہتی ہے۔ مگر کیسے جائے ـــ لوگ پاگلوں کی طرح بھاردواج کے آدمیوں کو کھوج رہے ھیں۔ کون لے جائے گا اسکو ـــ کولیری کا کوئی آدمی

اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سب کو اپنی جان پیاری ہے۔

جانا تو سہدیو بھی چاہتا ہے۔ ماتم منانے نہیں، صرف اس کو ایک نظر دیکھنے۔ وہ چمکیلی آنکھوں والا معصوم چہرہ، وہ بے خوف اور بے باک چہرہ، وہ کتابوں کی روشنی سے تاباں چہرہ، وہ چہرہ جس کی شفقت کی بنیاد پر سہدیو کا سارا وجود کھڑا ہے، وہ چہرہ جس نے سہدیو کی زندگی میں، کولیری میں ہونے والے مظالم کے خلاف لڑنے کی پہلی چنگاری رکھی تھی۔

مگر کیسے جائے گا وہ ——؟ وہ بھاردواج کا آدمی ہے۔ لوگ اسے جانتے ہیں۔ آج پاتھرڈیہہ کے تمام لوگوں کی جیبوں میں لوڈیڈ پستول بھرے ہوں گے۔ اب جب تک بجمدار کے خون کو کسی دوسرے کے خون سے دھو نہ لیں انہیں چین نہیں آئے گا۔ سہدیو کو اسی کے ساتھیوں نے گھیر رکھا ہے۔

مت جائیے۔ بہت گڑبڑ ہے۔ بلکہ ابھی دو چار دن گھر سے باہر بھی مت جائیے۔

بجمدار کی بات یاد آتی ہے —— تم اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھو، اسمیں خون نہیں لگا ہے ——؟

وہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اپنے سامنے کرتا ہے، غور سے دیکھتا ہے، اس پر خون کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں خون نہیں ہے تو پھر خون کی بساندھ مہک کہاں سے آرہی ہے ——؟ اس کے سفید کھادی کے کرتے پر تو چھینٹے نہیں ہیں ——؟

نہیں —— وہ چیخ کر اپنے لئے جواز ڈھونڈتا ہے۔

اسے بجمدار کے ہاتھوں کا لمس یاد آتا ہے۔ دونوں کاندھوں پر رکھے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ۔ . . . . . .

لوٹنے کی بات مت کرو —— وہ دل ہی دل میں جواب دیتا ہے۔ کبھی کبھی آدمی اتنا آگے نکل جاتا ہے جہاں سے لوٹ کر واپس آنا ممکن

نہیں ہوتا۔

رات جیسے جیسے بیت رہی ہے پرتی بالا کی سِسکیاں زیادہ صاف سُنائی دے رہی ہیں۔ یہ عورت اتنا کیوں رو رہی ہے۔ کیا آدمی مرتا نہیں ہے؟ اسکو کوئی سمجھاتا کیوں نہیں۔ کوئی اسکو چپ کیوں نہیں کراتا ــــــ؟ آج خنو نیا کہاں مر گئی ہے ــــ؟ اِسکی سسکیوں کی آواز جتنی تیز ہو رہی ہے۔ وہ اتنا ہی بے چین ہو رہا ہے۔

نیند نہیں آتی ــ رم کی پوری بوتل خالی کرنے کے باوجود نیند نہیں آتی۔ سوچنے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ کوئی مرکز نہیں بنتا جیسے دماغ میں کوئی تیز رفتار گاڑی بغیر کسی اسٹیشن پر رکے، بھاگتی جا رہی ہو۔ ۔ ۔ ۔ بھاگتی جا رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پرتی بالا کی سسکیوں کی آواز رک گئی ہے۔ وہ روتے روتے تھک کر سو گئی۔ اس کو کیسے نیند آ گئی ــ؟ کیسے لوگ اچانک سو جاتے ہیں ــــ؟ لوگ کہتے ہیں جب کوئی روتے روتے تھک جاتا ہے تو سو جاتا ہے۔ شاید آنسو آہستہ آہستہ اندر کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور آدمی پر سکون ہو جاتا ہے ــ مگر وہ تو نہیں سویا۔ وہ رویا بھی تو نہیں۔ تو کیا رونا صرف آنسوؤں سے ہی ہوتا ہے۔ بہت اندر ہی اندر سِسک سِسک کر کیا آدمی نہیں روتا ــ؟ شاید آنسو اس کی آنکھوں میں کانٹا بن کر اٹک گیا ہے۔ شاید آگ اتنی تیز ہے کہ پانی کو آنکھوں تک آنے نہیں دیتی۔

وہ بوتل فرش پر لڑھکا کر اٹھتا ہے۔ پیروں سے ٹٹول کر چپل پہنتا ہے اور اور باہر نکل آتا ہے۔

باہر تمام ایک پُراسرار چُپ پھیلی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک سناٹا ۔ ۔ ۔ ۔ شاید رات بہت بیت گئی ہے۔ شاید لوگ ڈر سے سویرے ہی اپنے گھروں میں بند ہو گئے ہیں۔ شاید کسی کے پاس کوئی ہنسی، کوئی قہقہہ نہیں بچا ہے جو اس خاموشی کو پارہ پارہ کر دے بس ایک خوف ۔ ۔ ۔ ۔ بس ایک خوف ۔ ۔ ۔ ۔ بس ایک خوف۔

خوف سے سہمی ہوئی یہ دنیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خوف سے اپنے دھوڑوں میں دبکا ہوا یہ کولفیلڈ۔

وہ چلتا جاتا ہے اور کوئلے کی سیاہ ریشم جیسی دھول اسکی آہٹ جذب کرتی جاتی ہے۔ ہوا بند ہے گرمیوں کی رات کا وہ مخصوص حبس، کبھی کبھی دور کسی چانک میں اترنے والی ڈولی کی گڑگڑاہٹ، کبھی کبھی کسی ہالج کی جھنگھاڑ۔ کام چالو ہے۔ زندگی ابھی سانس لے رہی ہے۔

وہ ٹیلے پر، کوئلے کے روڑوں سے بنے ٹیلے پر رک جاتا ہے۔

یہاں سے بہت سی روشنیاں چھوٹے چھوٹے جھنڈوں میں دکھلائی دے رہی ہیں۔ کسی قدر دور دور پر، یہ چھوٹی بڑی کولیریاں ہیں۔ وہ ان کے نام جانتا ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف وہ جو لوہے کا ایک آسیب کھڑا ہے یہ نورتھ بھنورا کا چانک ہے۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ساؤتھ بھنورا کا۔ بہت دور پر جہاں روشنیوں کے جگنو زیادہ تعداد میں دکھلائی دے رہے ہیں وہ چاسنالا کولیری ہے۔ جہاں وہ کھڑا ہے عین اسکے سامنے پاتھرڈیہہ کولیری کی مہانی کان کا دہانہ اسے دکھائی دے رہا ہے۔ زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتی ہوئی ایک سرنگ۔ اس سرنگ سے جڑی ہوئی دوسری سرنگیں، ان دوسری سرنگوں سے بھی پھوٹتی ہوئی اور سرنگیں۔

آدمی ان اندھیری سرنگوں میں کھو گیا ہے۔

پاتھرڈیہہ والا چوہدری کہتا تھا۔ یہ موہانی جو ہے نا یہ زمین کا گھاؤ ہے اور ہم سب اس گہرے گھاؤ سے اپنا رزق حاصل کرنے والے کیڑے۔۔۔۔۔ گندے غلیظ کیڑے ہر صبح ہم قطار در قطار اس گندے گھاؤ میں اتر پڑتے ہیں۔ اور جب شام کو لوٹتے ہیں تو ساری آلائشوں میں لپٹے ہوئے یوں دکھلائی دیتے ہیں جیسے ہم واقعی آدمی نہ ہوں کیڑے ہوں۔ اسی لئے تو جب تب ہمیں جوتوں سے مسل دیا جاتا ہے۔ ہم کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذارنے والوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ہے کوئی حیثیت ـــــ؟

جو باتیں اسکو ڈانٹتا ـــــ انہیں کیڑے مت کہو۔ یہ بڑے قابلِ احترام لوگ ہیں۔ کیوں کہ ان کے جسموں سے کینچوے کی طرح رینگ کر جو پسینہ زمین میں جذب ہوتا ہے اس سے مقدس دنیا میں اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اُن سے

نفرت مت کرو، ان سے محبت بھی مت کرو، ان سے بس انصاف کرو کیونکہ بے ایمانوں کی اس دنیا میں بس یہی ایک چیز ان کو نہیں ملتی"۔۔۔!

ہوا کا ایک جھونکا اسکو چھوتا ہے۔۔!

کہیں سے کتے کے بھونکنے کی آواز آتی ہے۔

کسی دھوڑے میں کوئی بچہ چیخ کر روتا ہے۔

زندگی ابھی سانس لے رہی ہے۔

سہدیو نظر کو اور اونچا اٹھاتا ہے۔ بہت دور دور پر بھی بتیوں کے جلتے ہوئے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ واضح اور صاف نہیں، دھندلے۔۔۔ کہیں کہیں کوئلے کی پہاڑیاں، کہیں کہیں اتھاہ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی گہرائیاں۔ بغیر سبزہ کی سیاہ بے رحم زمین۔

یہ زمین لال کیوں نہیں ہو جاتی۔۔۔؟ کتنا خون پیا ہے اس نے۔

لوگ کہتے ہیں پانی پت کے میدان میں آج بھی کھدائی کی جاتی ہے تو سوکھے خون کے چکتے نکلتے ہیں۔

یہاں ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ یہاں کیوں سب کچھ سیاہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔ کوئلہ ہو جاتا ہے۔

وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ دونوں ہاتھ بڑھا کر انجری بھر مٹی اٹھاتا ہے۔۔۔ مگر یہ مٹی نہیں ہے۔ یہ سیاہ دھول ہے اور اس دھول میں شامل کوئلے کے روڑے۔۔۔ یہ مٹی نہیں ہے۔ کسان باپ کا بیٹا۔۔۔ کھیتوں میں بوآئی کرنے والے ہاتھ مٹی کے لمس سے واقف ہیں۔ وہ اس دھول کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے رہتا ہے۔ پھر ماتھے سے لگاتا ہے۔ پھر التجا کرتا ہے۔

"اے زمین! اے سیاہ بدصورت زمین! بس ایک آدمی کو اپنے اندر لینے سے انکار کر دو۔ بس ایک آدمی کو۔۔۔۔۔۔"!

گلے سے نکلنے والی آواز کو وہ روکنا چاہتا ہے۔ بہت کوشش کرتا ہے۔ لیکن آج جیسے سب کچھ بے اختیار ہو گیا ہے، آج کسی چیز پر قابو نہیں۔

وہ رو رہا ہے ــــ زور زور سے رو رہا ہے۔
اس اندھیرے، سیاہ، بے رحم سناٹے میں اس کے رونے کی آواز دور دور تک پھیل رہی ہے۔
اور جیسے سارے کولفیلڈ پر بسیط ہو گئی ہے۔

●

ڈاکٹر نے بہتّر گھنٹے کا وقت دیا تھا، کہ اگر جمدار بہتّر گھنٹے ٹھہر گیا تو اس کے بچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔ تین گولیاں اس کے جسم سے نکالی گئی ہیں۔ چار بوتل خون چڑھا ہے۔ ان گنت انجکشنوں سے اس کے دونوں بازو چھلنی کر دیئے گئے ہیں۔ مگر آنکھ کے پپوٹے بھی ذرا سا نہیں ہلے۔ لگتا ہے وہ گہری نیند سو رہا ہے اور پتہ نہیں کتنی مدّت تک سوتا رہے گا۔ اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ کوئی اپنا پرایا بھی نہیں ہے مگر ہسپتال کے باہر اس کے چاہنے والوں کی بھیڑ ہزاروں کی تعداد میں دیواروں کی چھاؤں میں گچھا گچھائے، یا ننگے فرش پر بیٹھے ہیں۔ رات بھی انہوں نے اسپتال کے برآمدے کے ننگے فرش پر کچھ سوتے کچھ جاگتے گذاری ہے۔ اس قدر ٹیلی فون آ رہے ہیں کہ ہسپتال کو جواب دینے کیلئے ایک الگ ٹیلی فون کا انتظام کرنا پڑا ہے۔ یہ ٹیلی فون جمدار کے بہی خواہوں کو اسکی خیریت، اسکی زندگی، اور علاج میں ہونیوالی پیش رفت سے آگاہ کر رہا ہے۔ آج دن بھر سہدیو آفس بند کر کے ٹیلی فون پر ہی بیٹھا ہے۔ ہر آدھ گھنٹہ بعد وہ فون کرتا اور ہر بار ایک ہی جواب ملتا۔

جی نہیں ابھی ہوش نہیں آیا ہے ــــ!

جی ہاں ابھی تو بہت سریس ہیں۔

ابھی تو کچھ کہنا مشکل ہے ویسے اسپتال کے سارے ڈاکٹر لگے ہوئے ہیں۔

سہدیو جتنا بے چین ہے اتنا ہی دکھی ہے۔ اور جتنا دکھی ہے اتنا ہی

بے بس ہے۔ وہ بار بار اوپر دیکھتا ہے بار بار اسکو لگتا ہے کہ کوئی ایسی غیر مرئی شئے ضرور ہے۔ جو اس کے دل کے اندر سسک رہی التجا کو نظر انداز نہیں کر سکتا ایسا کچھ ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ایسا کچھ ضرور ہو گا کہ ہزاروں مایوس چہروں پر مسکراہٹ کی ایک جوت جگمگا اٹھے گی۔

وہ گھر نہیں گیا ہے اس نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ پرتی بالا اسکو دوبارہ بلوا چکی ہے۔ وہ اسپتال جانا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے لوگوں کی دشمنی آپ سے ہو سکتی ہے، مجھ سے کیسے ہو سکتی ہے۔ میں اسکی منہ بولی بہن ہوں اس نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا ہے۔ وہ میری بیوگی کے ویرانے کی کڑی دھوپ میں ایک ایسا تنہا تناور درخت تھا جسکی ٹھنڈی شیتل چھایا میں نہ جانے کتنے برس، گذارے ہیں۔ اور آج جب وہ موت کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اکیلا، ـــــ تو آج کم از کم میں اپنے سینہ کا ایک اسپرش تو اسے دے سکتی ہوں، ایک بار اسے دیکھ تو سکتی ہوں۔ ایک بار اس کے لئے آنچل تو پھیلا سکتی ہوں۔

سہدیو کو بار بار ایک کٹیلا احساس چبھ رہا ہے کہ وہ اکیلا ہے۔ یا شاید آج اکیلا ہو گیا ہے۔ آج اس کی بیوی اسکی جیون سنگی بھی اس سے الگ دوسری صف میں کھڑی ہے۔ کیا یہ قصور اس کا تھا ـــــ؟

کیا بجمدار کے خون کی ذمہ داری تم پر عائد نہیں ہوتی ـــــ؟

مگر مجھے پتہ نہیں تھا۔ کچھ بھی معلوم نہیں تھا ـــــ وہ اپنے آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین دلاتا ہے۔

اچھا اگر آج یہ نہیں ہوتا، تو کچھ دن کے بعد تو ضرور ہوتا۔

کیسے ـــــ؟

تم دونوں جو ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے تو کبھی نہ کبھی تو تمہارا سامنا ہوتا ہی ـــ!

میں اس کا سامنا کبھی نہیں کرتا۔

کیسے نہیں کرتے۔ بھاردواج تمہیں اور کس دن کیلئے پال رہا تھا ـــ؟

نہیں یہ غلط ہے۔ میں نے بھار دواج سے آج تک کچھ حاصل نہیں کیا ہے۔ ایک پیسہ بھی نہیں۔

کیا خوب — ! کیا اسکے نام کا فائدہ بھی نہیں اٹھایا — ؟

دیکھو جھوٹ مت بولو۔ تمہیں یہ کرسی، یہ آفس، یہ ٹیلی فون، اور سب سے بڑھکر طاقت اور اقتدار کس نے دیا — ؟ تم آج اس کولیری میں، سر اٹھاکر، چھاتی پھیلا کر جو چلتے ہو تو کس کی بدولت، کس کے بوتے پر — ؟ تم نے کبھی پلٹ کر دیکھا ہی نہیں کہ تمہارے پیچھے ہمیشہ تمہاری پارٹی کی دہشت موجود رہی ہے۔ تم مزدوروں کے بیچ جسکو اپنی ہر دلعزیزی سمجھ رہے ہو۔ وہ تمہاری ہر دلعزیزی نہیں ان کا خوف ہے۔ کبھی ان مزدوروں کے چہروں کو پڑھا ہے تم نے۔ پڑھنے کی کوشش کی ہے — ؟

مزدور تو میں بھی ہوں — !

تم مزدور ہو — ؟ اپنے آپ کو فریب میں مبتلا مت رکھو۔ تم تو عرصہ ہوا مزدوروں سے اپنا رشتہ بھی توڑ چکے ہو۔ مزدور ہونا تو دور کی بات ہے۔ کالی اندھیری سرنگوں میں شدید گرمی میں ہاڑ توڑ محنت کرنے والے۔ ہر لمحہ موت سے جوجھنے والے۔ سر پر بید کی ٹوکری میں کوئلہ اٹھا کر گاڑی پوچھنے والے لوگ دوسرے ہیں۔ اب تو تمہارے ہاتھ سے کوئلہ کی کالک بھی چھوٹ چکی ہے۔ اب ان پر خون کے چھینٹے ہیں۔

یہ جھوٹ ہے بالکل جھوٹ ہے .... وہ تلملا جاتا ہے۔

جھوٹ نہیں ہے، بجمدار غلط نہیں کہتا ہے۔ خون کے چھینٹے ہیں تمہارے ہاتھوں پر۔ بھلے وہ دکھلائی نہ دیتے ہوں۔

تو اس کا مطلب ہے بجمدار کا خون ....

یہ میں نہیں کہوں گا۔ تم خود انصاف کرو۔

وہ اپنا ہاتھ دیکھتا ہے۔ نہایت باریکی سے دیکھتا ہے۔ ناخن کے کناروں میں، انگلیوں کی پوروں میں، ہتھیلی کی لکیروں میں ....

کہیں کچھ نہیں ہے ــــ!

وہ جب تھک جاتا ہے۔ جب سوچ کی رفتار پکڑ سے باہر ہو جاتی ہے تو وہ آفس سے باہر نکل آتا ہے۔

سامنے کی چائے کی دوکان سے کانچ کے گلاس میں چائے لیکر کھڑے کھڑے پیتا ہے، وہ ہمیشہ چائے آفس میں منگواتا تھا۔ پچھلے کئی برسوں سے اس نے چائے کی دکان پر کھڑے ہو کر چائے نہیں پی۔ اب اس کو اس طرح چائے پیتے اچھا نہیں لگتا۔

دکان پر بات چیت کرتے مزدور اس کو دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ سب اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہیں۔ جیسے کچھ پڑھنا چاہتے ہوں۔

کیا لکھا ہے اس کے چہرے پر ــــ؟

وہ بے حد گرم چائے جلدی جلدی پی کر واپس آفس لوٹ آتا ہے۔ گھڑی دیکھتا ہے۔ اسکو فون کئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔ فون اٹھا کر نمبر ڈائل کرتا ہے۔ دوسری طرف سے کوئی بیٹھی ہوئی آواز میں جواب دیتا ہے۔

بجمدار از نو مور سر ــــ!

وہ یقین نہیں کرنا چاہتا اس لئے چیخ کر پوچھتا ہے ــــ ٹھیک سے بولو کیا ہوا ــــ!

صاحب بجمدار کے باڈی کو پوسٹ مارٹم کیلئے لیگئے ہیں۔

ایک سرد سی لہر اس کے تمام جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ پاؤں کے انگوٹھے سے کنپٹیوں تک۔ وہ ایک دم سے بت بنا کھڑا رہ جاتا ہے۔ ٹیلی فون کے چونگے کو کان کے پاس لگائے ہوئے جیسے وہ منتظر ہو کہ اب بھی کوئی اس بات کی نفی کر دے کوئی کہے کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے، وہ خطرے میں ہے مگر ابھی امید باقی ہے ــــ ٹیلی فون کا چونگا خاموش ہے، کوئی آواز نہیں۔

دھم دھما دھم دھم ....

دھم دھما دھم دھم ....

ڈھول کی اوازصاف سنائی دینے لگی ہے۔ لوگوں کے قدموں سے اڑتی ہوئی دھول کا غبار بھی دکھلائی دے رہا ہے۔

بہت بڑا جلوس ہے۔

تین میل لمبا جلوس آج تک کولفیلڈ میں نہیں نکلا۔

سنہا صاحب مرے تھے تب بھی نہیں۔

1981 میں اندرا گاندھی گولف گراؤنڈ میں آئی تھیں تب بھی نہیں۔

سہدیو سر اٹھاکر اوپر دیکھتا ہے۔ نیلا آسمان دھوپ میں تپ کر خاکستری ہوگیا ہے۔ سورج آگ اگل رہا ہے۔ اور زمین انگنت قدموں کی دھمک سے کانپ رہی ہے۔ سہدیو ذرا سا جھک کر ادھر دیکھتا ہے جدھر سے جلوس آرہا ہے۔ آدمیوں کا ایک انبوہ ..... انگنت آدمیوں کا ایک سیلاب .....

پانی کی وہ تین بوند جسے گرم توے پر چھن سے جل جانے کا ڈر تھا، ایک منہ زور سرکش دریا بن چکا ہے۔

گیارہ آدمیوں کی سرگوشیاں آج ہزارہا گلے سے چنگھاڑ کر ایک گونجنے والے نعرے میں تبدیل ہو چکی ہے۔

بجمدار یاد آتا ہے۔ اس کی ٹھنڈی میٹھی بے ریا مسکراہٹ یاد آتی ہے۔ اسکی وہ خاموش لگن یاد آتی ہے۔ اس کا اعتماد یاد آتا ہے۔ اور اسکی وہ طویل جدوجہد یاد آتی ہے۔ وہ سیاہ کالے دن یاد آتے ھیں کہ گھنگھور اندھیرے میں وہ جگنوں کیطرح جل رہا تھا ـــــ نہیں روشنی نہیں دے رہا تھا لیکن اس بات کا احساس دلا رہا تھا کہ ابھی روشنی ہے۔ تھوڑی سی سہی، بوند بھر سہی، سوئی کی نوک کے برابر سہی مگر ہے۔ اور اس ٹوٹتے ہوئے اعتماد اور یقین کو بحال کر دیا تھا۔

دھم دھما دھم دھم .....

دھم دھما دھم دھم .....

نعروں کی آواز صاف سنائی دے رہی ہے۔

ہتھیاروں کو ـــــ پھانسی دو، پھانسی دو

ہتھیاروں کو ـــــ پھانسی دو، پھانسی دو

وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے گلے میں پڑی ہوئی رسی کستی جارہی ہے۔

تم کون ہو ـــــ؟ وہ اپنے آپ سے پوچھتا ہے۔

کیا تم ہتھیارے ہو ـــــ؟ وہ دوسرا سوال کرتا ہے۔

ہر مجرم کی طرح اس کے اندر چیخ سنائی دیتی ہے ـــــ نہیں نہیں۔ میں بے قصور ہوں۔

جھوٹ مت بولو۔ بہت تھوڑا سا ہی سہی، تم نے اس قتل میں حصّہ تو ادا کیا ہو گا ـــــ؟

نہیں مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا...... میں بھگوان کی سوگندھ....!

ہش! بھگوان کو کیوں بیچ میں لاتے ہو ـــــ؟ اُسے اوپر ہی رہنے دو۔

نعرے کی دھاڑ اس کے ذہنی بہاؤ میں خلل ڈالتی ہے۔

خون کا بدلہ، ـــــ خون سے لیں گے

خون کا بدلہ، ـــــ خون سے لیں گے

جلوس اب ایکدم نزدیک آگیا ہے۔ لوگوں کے خون کی یلغار سے تمتمائے ہوئے چہرے صاف دکھلائی دینے لگے ہیں۔

فضا میں ایک ہاتھ بلند ہوتا ہے جس پر پٹّی بندھی ہے۔

خون کا بدلہ ـــــ!

خون سے لیں گے ـــــ ہزار ہا آواز کی دھاڑ نعرہ مکمّل کرتی ہے۔

وہ ہاتھ عرفان کا ہے۔ وہ چہرہ عرفان کا ہے۔

وہ خوبصورت شگفتہ اور محبّت سے جگمگاتا چہرہ آج ایک دم سے کرخت ہو گیا ہے۔ پتھر کا چہرہ ......

تم اس آدمی کو پہچانتے ہو ــــــ؟

رسول پور کا وہ بچہ دکھلائی دیتا ہے۔

الف، بے، پے ــــ میاّ مرغی لے دے۔

دھوپ بہت تیز ہو گئی ہے۔ جلوس اس کے سامنے سے گذر رہا ہے۔ لوگوں کے خون کی یورش، اور دھوپ کی شدّت سے تمتمائے چہرے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ چہرے، جنہیں وہ پہچانتا ہے۔ سب سے آگے دھوتی اور کرتے میں گھوش بابو ہیں۔ ان کے دونوں طرف عرفان، واسدیو، وزیر انصاری۔

جلوس گذرتا جاتا ہے اور لگتا ہے جیسے یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ نعروں کی دھاڑ سے سارا ارض و سما لرزہ براندام ہے۔ پیروں سے اڑنے والی سیاہ دھول پھیلتی جاتی ہے اور لگتا ہے جیسے سارے کولفیلڈ کو ڈھک لے گی۔ اس بھیڑ میں بھی بہت سے چہرے جانے پہچانے ہیں۔ اس کے دوست، اس کے ساتھی ــــ وہ وہاں موہنا کولیری والا جوناتھن ہے۔ ادھر ستار، مدھوکر، حمید، جدھر وہ کھڑا ہے ادھر سری واستو، بردھان، بمل چوہدری ......

یہ کون لوگ ہیں ــــ؟ وہ کل تک تو اسی کے ساتھی تھے ــــ مگر آج ــــ؟

ایک گھنٹہ گذر گیا ہے اور ابھی تک جلوس گذر ہی رہا ہے۔ لوگ اندازہ لگا رہے ہیں کہ جلوس کا دوسرا سرا جھریا پہنچ چکا ہو گا۔ آدمیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ختم ہی نہیں ہوتا۔ پیروں سے اڑنے والی دھول اب تنفس میں خلل ڈالنے لگی ہے۔ دم گھٹتا سا محسوس ہو رہا ہے۔ وہ پھر جھک کر دیکھتا ہے۔ اب جلوس کا آخری سرا آ رہا ہے۔ اس آخری سرے میں عورتیں ہیں۔ میلی کچیلی کامنیں۔ کچھ نے پی بھی رکھی ہے۔ کچھ جھوم جھوم کر چل رہی ہیں۔

سہدیو ان میں ایک عورت کو دیکھ کر چونک جاتا ہے۔

ارے ....!

اس کو یقین نہیں آتا اپنی آنکھوں پر، وہ اپنے سر کو جھٹکتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے،

پھر دیکھتا ہے۔۔۔۔۔

واقعی وہ ختونیا ہے۔

اپنا ہاتھ اٹھا اٹھا کر وہ برابر نعرہ لگاتی جا رہی تھی۔

پھانسی دو ـــــ پھانسی دو۔

وہ مبہوت کھڑا ہے۔ ایک ٹک ختونیا کو دیکھے جا رہا ہے ۔ وہ نزدیک آتی جا رہی ہے۔۔۔۔ اور نزدیک۔

اور جب ختونیا اس کے ایک دم نزدیک آجاتی ہے تو وہ اچانک اسکو دیکھ لیتی ہے۔ دیکھ لیتی ہے تو دیکھتی رہتی ہے۔ اور تب اچانک سہدیو دیکھتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں ایک شعلہ لپک رہا ہے۔

آگ ـــــ!

اسکو تعجب ہوا کہ جس آگ کو وہ ساری زندگی تلاش کرتا رہا، وہ آگ ـــ اور کہیں نہیں ختونیا کی آنکھوں میں۔

توکیا آگ آنکھوں میں ہوتی ہے ـــــ؟

ہاں شاید آگ آنکھوں ہی میں ہوتی ہے ـــــ!

جلوس گذر گیا ہے۔ وہ قدم بڑھاتا ہے۔ ایک قدم، دو قدم، چار قدم، اور جلوس کے پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے۔

ختم شد۔